مئی 2021

ماہنامہ آنچل کی جانب سے لیک در آنچل

ماہنامہ

حجاب کراچی

aanchalpk.com aanchalnovel.com

www.pklibrary.com
پی-کے لائبریری
ڈاٹ کام

بیاد	زیب النساء فرحت آرا
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	سعدیہ نثار
نائب مدیرہ	یہ مارضا
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاون	طیبہ احمد عثمان عبداللہ

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	06
شمارہ	07
مئی	2021

www naeyufaq.com

Aanchal & Hijab Official Group

/women.magazine

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

pklibrary.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 08
حمد — بہزاد لکھنوی — 09
نعت — سید صبیح رحمانی — 09

آنگن کی چڑیاں

انٹرویو — ایمن غفور — 10

پیا کا گھر

شادی کا احوال — فرخندہ جاوید — 12

انٹرویو

ڈاکٹر عمیر عرفان — بینش صالحین — 15

سروے رپورٹ

دھوپ میں جلتے خواب — سیما رضا — 18

سلسلے وار ناول

مرگ تمنا — ماورا طلحہ — 63
عشق نگر کے مسافر — ندا حسنین — 141

مکمل ناول

محبت ماہِ تمام — صائمہ قریشی — 21
سفید پھولوں سی..... — نزہت جبین ضیاء — 95

ناولٹ

اے زگار وفا — فرح بھٹو — 43
کھل گئے پھول سارے — فاطمہ عاشی — 171

افسانے

محتاط — شبانہ اسلم — 85
اعتبار وفا — حنا اشرف — 133
کھنکتی چوڑیاں — سباس گل — 157
داغ شکست خواب کے بعد — فرزانہ نگہت — 191

آرٹیکل

افلاطون کے جانشین — اقرا کیاقت — 205

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 میپر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

pklibrary.com

سرورق: عروج ناز، اریج شمیم

عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

بزم سخن	سمیّہ عثمان	207	شوخئ تحریر	ہما ذوالفقار	216
کچن کارنر	زہرہ جبین	209	حسن خیال	جوہی احمد	220
موج سخن	زینب احمد	212	حنا کے رنگ	اریبہ و مومنہ	225

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

03008264242 کیے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل Info@naeyufaq.com

pklibrary.com

editorhijab@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مئی 2021ء کا شمارہ آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

اہل وطن کو عید الفطر مبارک

دعاؤں کے مہکتے ہوئے سارے پھول آپ کے نام۔

دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ اپنے خاص کرم سے آپ کی زندگی میں سکون کی ایسی بہار لائے جو کبھی ختم نہ ہو، ارض وسما کی تمام آفات سے محفوظ رہیں اور ہر لحہ خوشیوں کے ساتھ ساتھ صحت وتندرستی عطا ہو آمین۔ کرونا وائرس کی تیسری لہر انتہائی خطرناک ہے۔ اس عالمگیر وبا سے پوری دنیا میں خوف وہراس کی فضا قائم ہے۔ ویکسین بھی دریافت ہو چکی ہے۔ مزید علاج کے نت نئے طریقوں پر تحقیق جاری ہے۔ کرونا سے ہونے والی ریکارڈ اموات نے ہر ایک کو خوف زدہ کر دیا ہے مگر یہ بات یاد رکھیں کہ احتیاط علاج سے بہتر ہے اور کرونا کی یہ لہر بچوں کے لیے بھی بہت خطرناک ہے لیکن ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، سماجی احتیاط کا خیال کرتے ہوئے عمل کیجیے، سماجی رابطوں میں فاصلہ رکھیں، صحت مند غذاؤں کا استعمال کیجیے ان شاء اللہ زندگی پھر سے مسکرانے لگے گی۔

ماہ رمضان کی آخری پرنور ساعتوں سے آپ سب مستفید ہو رہی ہوں گی۔ آخری عشرہ کی عبادات کا خوب اہتمام کیجیے۔ حدیث مبارک صلی اللہ علیہ وسلم ہے تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ کتنا اچھا ہو کہ اس ماہ مبارک میں ہمارے معاشرے پر قرآن کا رنگ غالب آجائے۔ اس ماہ قرآن سے زیادہ سے زیادہ تعلق بنانے کے لیے اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ اسے سیکھیں اور سکھائیں اور اس نعمت کے حصول پر خوشیاں منائیں جس کا ایک سرا اللہ سبحن وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ماہ مئی میں یوں تو بہت سے عالمی دن منائے جاتے ہیں مگر "ماؤں کا عالمی دن" بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ماں ایک محبت بھرا احساس ہے ماں کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اللہ کریم جب اپنے بندے سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لیے محبت کی مثال ماں کو بناتا ہے اور کہتا ہے میں انسان کے ساتھ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ماؤں کی خدمت کر کے دعائیں لیتے ہیں۔ اللہ کے اس عظیم تحفے کی قدر کریں۔ ماں کی دعائیں اولاد کے لیے سب کچھ ہوتی ہیں۔ ہر مصیبت اور پریشانی سے ماں کی دعائیں بچاتی ہیں اسی میں ہماری دنیا آخرت کی کامیابی ہے۔ ماں کی محبت اور پرورش کی کوئی قدر وقیمت نہیں، اللہ کو خوش رکھنا ہو تو ماں باپ کو خوش رکھیں۔

لبوں پہ اس کے کبھی بد دعا نہیں ہوتی
اک ماں ہی ہے جو مجھ سے خفا نہیں ہوتی

جب عید الفطر کے چاند کی اولین کرنیں آپ کے آنگن میں اجالا کریں تو آپ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ضرور کریں۔ کسی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیں اور ہمدردی کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق رقم بھی ادا کریں۔ یہ عمل کمزور اور محروم انسان کے دل میں آپ کا وہ عکس قائم کرتا ہے جو دعاؤں کا دائرہ بن کر آپ کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے عمل میں خلوص پیدا کرے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ حافظ۔

اس ماہ کے ستارے:
فرح بھٹو، شبانہ اسلم، حنا اشرف، سباس گل، فاطمہ عاشی، فرزانہ نگہت۔

دعا گو

مدیرہ
سعیدہ نثار

حمد

تُو ہے ربِ کون و مکاں اللہ اللہ
تجھ ہی سے ہیں دونوں جہاں اللہ اللہ
تُو ہی سب کی جاں سب کا دل سب کا عالم
تُو ہی سب کی روحِ رواں اللہ اللہ
ترا فضل و الطاف ہے سب کا حامی
تُو ہی سب پہ ہے مہرباں اللہ اللہ
تُو ہی منزل ہر نگاہ و نظر ہے
یقیں ہو کہ ہو وہ گماں اللہ اللہ
تُو ہی صاحبِ دو جہان و زمانہ
تُو ہی مالکِ انس و جاں اللہ اللہ
زمانے کی ہر شے میں عالم میں ہر سُو
تُو ہی ہے نہاں اور عیاں اللہ اللہ
میں بہزاد نازاں ہوں عالم پہ اپنے
کہ رہتا ہے وردِ زباں اللہ اللہ

بہزاد لکھنوی

نعت

حضور ﷺ ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے
میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہو جائے
تجلیات سے بھر لوں میں اپنا کاسۂ جاں
کبھی جو اُن ﷺ کی گلی میں قیام ہو جائے
حضور ﷺ آپ جو سُن لیں تو بات بن جائے
حضور ﷺ آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے
حضور ﷺ آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں مشکل
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہو جائے
ملے مجھے بھی زباں بوصیریؒ و جامیؒ
مرا کلام بھی مقبول عام ہو جائے
مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح مدحت خیر الانام ﷺ ہو جائے

سید صبیح الدین رحمانی

pklibrary.com

آنگن کی چڑیاں

ایمن غفور

سوال:۔ کیا آپ کے گھر میں صنفی امتیاز برتا جاتا تھا اور آپ اس پر احتجاج کرتی تھیں؟

جواب:۔ ہاں جی ہمارے گھر میں فرق برتا جاتا ہے اور ہم کیا احتجاج کر سکتی ہیں، سو چپ رہنے میں ہی عافیت ہے پر اللہ کی ذات کا بڑا کرم ہے کہ پیار ملتا ہے ابو امی اور چھ بھائیوں سے ہم چار بہنوں کو (میں اور حرا گل بھائیوں سے چھوٹی ہیں)۔

سوال:۔ آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جواب:۔ سچی بات بتاؤں آپ کو کہ میں صرف تین جماعتیں پاس ہوں (کیونکہ ابو حق میں نہیں تھے لڑکیوں کے پڑھنے کے) اور ماشاء اللہ تجربہ بھی اچھا تھا نرسری سے تھری تک فرسٹ پوزیشن لی، میں پڑھائی میں بہت اچھی تھی ایمان فاطمہ کا ایڈمیشن کرانے گئی تو میری مس رضوانہ کوثر آج بھی کہتی ہیں (کاش ایمن آپ اسکول نہ چھوڑتی) مجھے آج بھی پڑھنے کا شوق ہے جیسے کل تھا اور اب اس لیے آنچل و حجاب سے جڑی ہوں۔ علم حاصل کرنا ہر عورت و مرد پر فرض ہے اور میرے نزدیک شخصیت کو نکھارنا اور اپنی پہچان بنانا ہے تعلیم سے انسان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اکثر لوگوں کے ساتھ (اور میرے ساتھ بھی) یہی ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں ایڈجسٹ تو ہو جاتے ہیں پر ایک احساس کمتری جو اندر ہی اندر انسان کو شرمندہ کرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے جس سے اپنی پہچان نہ گنوا بیٹھے۔

س:۔ کیا آپ خواتین کی ملازمت کے حق میں ہیں؟

جواب:۔ بھئی ہمارے پاس تو نہ تعلیم ہے نا ڈگری جو ہم جاب کا سوچیں۔ ہاں اگر کوئی عورت جاب کرنا چاہے تو وہ ٹیچر کی جاب کرے جہاں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

س:۔ آپ کے خیال میں روشن خیال اور لبرل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ میں روشن خیال صرف دوسروں کے لیے ہوں (مطلب دوسروں کے بارے میں اچھا سوچنا) اور لبرل اچھے کپڑے پہننا تو کیا فائدہ ان کپڑوں کا جن کے پہننے سے انسان کی پہچان ہی نہ رہے میں نے اپنے اردگرد دیکھا ہے سب، سچ بتاؤں تو میں (اولڈ سول..... بوڑھی روح) ہی سی ہوں کیونکہ مجھے سب پسند ہی نہیں آپ حیران مت ہوں۔

سوال:۔ کیا لڑکیوں کو خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے؟

جواب:۔ جی ہاں، لڑکیوں کو بھی اپنے خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے پر ہمارے ملک میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کو ان کے خوابوں کو پورا کرنے دیا جائے۔

سوال:۔ اپنی مذہبی اور ثقافتی روایات سے آگاہی ہونے پر کیا ان کی پیروی کرتی ہیں؟

جواب:۔ جی میں پوری کوشش کرتی ہوں اور کرنی بھی چاہیے، ہے ناں۔

سوال:۔ زندگی گزارنے کے لیے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟

جواب:۔ کہ میری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ

pklibrary.com

پہنچے اور اللہ پاک سے یہ دعا ہے کہ رب اپنا کرم کرے اور اپنے حبیب ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

سوال:۔ گھر کے کام میں کتنی دلچسپی لیتی ہیں؟

جواب:۔ سوائے کوکنگ کے ہر کام کرتی ہوں خوشی سے.....ہی ہی ہی ہی۔

سوال:۔ کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟

جواب:۔ اپنی پوری فیملی سے اور آنچل و حجاب کی سب لڑکیوں کے لیے اللہ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ان سب کی عمریں لمبی کرے اور انہیں خوشیاں عطا کرے، آمین۔

سوال:۔ سسرال سے کیا توقعات و خدشات ہیں؟

جواب:۔ توقعات یہ ہیں کہ احساس کرنے والے ہوں اور خدشات ہائے اللہ جی ڈر لگتا ہے اللہ ہی بچائے سسرال کے شر سے ہاہاہا۔

سوال:۔ کیسے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟

جواب:۔ جو مجھے سمجھے اور میری بات بن کہے جان لے اس طرح کی دوست چاہیے حرا سے کچھ نہیں چھپا ہوا اور اگر وہ مجھے سمجھنے لگے تو میری زندگی مکمل سمجھو۔

سوال:۔ آپ ڈائجسٹ کیوں پڑھتی ہیں؟

جواب:۔ ہاہاہا، مزے کی بات بتاؤں جب میں کام وغیرہ کرتی ہوں ناں تو کہیں بھی چلی جاتی ہوں (ویلی مصروف جو ہوں ہی ہی ہی ہی) مطلب ذہن میں کوئی کہانی بنے گی میں خود کو اس میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہوں (ہوں ناں میں خیالی دنیا میں رہنے والی ہاہاہاہاہا) نالج میں اضافے کے لیے پڑھتی ہوں اور اچھی باتیں بھی پلو سے باندھ لیتی ہوں۔

سوال:۔ کوئی یادگار شرارت؟

جواب:۔ جی تو پڑھیے اکتیس دسمبر دو ہزار سولہ کو میں، حرا اور میرا بھائی عدنان احمد ہم تینوں آئے (خانیوال) تب ہم ملتان رہتے تھے۔ میری چھوٹی امی کا چالیسواں تھا اور ہم آئے ملتان سے خانیوال اور راستے میں قبرستان ہے عدنان بھائی نے کہا کہ چلو فاتحہ پڑھ لیں ہم تینوں اترے بائیک سے ادھر ایک نالہ ہے جو پھلانگ کے جانا پڑتا ہے بھائی اور حرا تو گزر گئے اور میں نے عبایا پہنا ہوا تھا میں نے عبایا اوپر نہیں کیا اور یہ زور سے ڈھرام، ایک پاؤں نالے کے اندر اور دوسرا باہر (ہاہاہاہا) حرا اور بھائی اتنا ہنسے، پاس سے دو آدمی گزر رہے تھے گھانس لے کر، وہ بھی ہنستے ہوئے یہ جا وہ جا یہ واقعہ مجھے اپنی بے وقوفی پر ہنساتا بھی ہے اور رج کے شرمندہ بھی کرتا ہے۔

سوال:۔ کس شخصیت یا واقعے نے کیا اثر ڈالا؟

جواب:۔ میری پسندیدہ شخصیت پیارے نبی ﷺ ہیں اور واقعات بہت سارے ہیں پر انٹرویو طویل ہو رہا ہے میں چلتی ہوں قارئین جواب پڑھ کر رائے ضرور دینا اللہ حافظ سب فرینڈز۔

اور کیا لکھوں زندگی کے بارے میں صاحب
وہ لوگ ہی بچھڑ گئے جو زندگی ہوا کرتے تھے

سعدیہ عبید

www.naeyufaq.com

pklibrary.com

پیارا گھر

فرخندہ جاوید

حجاب ڈائجسٹ کی پیاری قارئین، ایک بار پھر حاضر ہوں آپ سب سے باتیں کرنے کے لیے "یادیں" ہر انسان کے لیے اہمیت رکھتی ہیں اور ماضی کی خوشگوار یادیں حال میں جب ہمیں یاد آتی ہیں اور ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم پھر سے اس وقت میں چلے جائیں جب یہ واقعات رونما ہوئے تھے، جو اب یادوں کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ بہنوں آپ نے اس موبائل دور کی تو بہت شادیاں دیکھی ہوں گی اور احوال بھی پڑھے ہوں گے مگر آج میں آپ سب کو تیس سال پرانا شادی کا احوال سناتی ہوں۔ جی بہنوں میں سنانے لگی ہوں اپنی بڑی باجی رخشندہ کی شادی کا احوال۔ وہ یادیں وہ لمحات باجی کی شادی کے بڑے قیمتی ہیں میرے لیے تو آئیں چلتے ہیں یادوں کے سفر میں جہاں آپ دیکھیں گی پرانی شادیاں کیسے ہوتی تھیں۔ ہم دو ہی بہنیں ہیں، رخشندہ باجی کی شادی فروری ۱۹۹۳ء میں ہوئی تھی اور میری ۱۹۹۷ء میں تو باجی کی شادی کے وقت میں پندرہ سال کی تھی اور اپنی بڑی بہن کی شادی پر بڑی خوشیاں منائیں۔ ان دنوں شادی ہالز کا رواج نہ تھا اور نہ ہی بیوٹی پارلر ہوتے تھے بلکہ بارات ولیمے کا انتظام کسی کھلی جگہ پر ہوتا تھا جبکہ دلہن کو گھر کی ہی خواتین تیار کرتی تھیں، رخشندہ باجی کو پانچ دن تک مایوں بٹھایا گیا تھا، آخر کار شادی کا دن آ پہنچا اور ہمارے گھر میں عزیز و اقارب بارات سے چھ دن پہلے ہی آ چکے تھے۔ جس میں میرے ننھیال یعنی میرے نانا اور نانی بمع میرے ماموں اور خالاؤں کے ساتھ تھے اور بھی کافی رشتے دار تھے میرے دادا کی طرف کے بھی۔ اب تو ہر جگہ وقت پر ہی رشتہ دار آتے ہیں بلکہ سیدھا شادی ہالوں میں ہی آتے ہیں مگر پہلے تو شادی سے کافی پہلے ہی گھر بھر جایا کرتے تھے اور نہ صرف رشتے دار بلکہ ہمسائے بھی گھر کے افراد کی طرح شادی کے کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ مایوں کی رسم کے دوران رخشندہ باجی نے گہرے پیلے رنگ کا جارجٹ کا جوڑا زیب تن کیا تھا جس پر دامن اور دوپٹے کے چاروں طرف سبز گوٹے سے پھولوں کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور شلوار سادہ تھی، باجی کو امی جی نے ابٹن اور مہندی کے دن کسی بھی قسم کا بناؤ سنگھار کرنے نہیں دیا تھا کہ اس وقت یہ تصور تھا کہ جتنی دلہن ابٹن اور مہندی میں سادہ رہے گی بارات کے دن اتنا ہی نکھار آئے گا چہرے پر۔ جس کرسی پر باجی کو ابٹن کی رسم کے لیے بٹھایا گیا اس پر میرے بھائیوں نے مل کر رنگ برنگی لڑیوں سے سجاوٹ کی تھی، اس وقت کی دلہنیں زیادہ تر شرمائی تھیں اور اسی طرح باجی رخشندہ بھی کبھی شرماتیں اور کبھی گھر والوں کی جدائی کے تصور سے رونے لگ جاتیں۔ حسب روایت پہلے شادی شدہ خواتین نے رسم ابٹن کی اور باجی اس دوران مسلسل رو رہی تھیں اور سچ کہ منہ پر بارہ بجے تھے اور بہت مشکل سے چپ ہوئیں۔ ابٹن کی رات میں نے گلابی گھاگھرا پہنا تھا جس پر مکمل گوٹے کا سنہری کام تھا اور بناؤ سنگھار کے نام پر بس سرخی اور لالی گالوں پر لگائی تھی جبکہ بالوں کو پونی کی مدد سے جوڑے کی شکل دی تھی اور سنہرے رنگ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ میں اور میری ساتھی چچا و ماموں زاد بہنوں نے باجی کو رسم ابٹن کے دوران بڑا ہنسانے کی کوشش کی مگر باجی مسلسل روتی رہیں۔ سہاگنوں کے ہاتھوں پر میری والدہ نے سرخ رنگ کی ڈوریاں بھی شگن کے طور پر باندھیں اور ابٹن کی رسم کے بعد ڈھولکی کی رسم ہوئی۔ یہ بات بتاتی چلوں کہ باجی کی شادی کے دوران کوئی مووی نہ بنی کہ میرے والد صاحب اچھا نہ سمجھتے تھے کہ غیر مرد آ کر گھر کی خواتین کو دیکھیں۔ بس چند تصاویر بنائیں میرے بھائی نے اس کیمرے سے جو اس کے دوست نے اسے سالگرہ پر تحفے میں دیا تھا جو ان کے دوست کے والد دوسرے ملک سے لائے تھے۔ خیر ڈھولکی میں میری تمام کزنز اور محلے کی تمام خواتین نے حصہ لیا اور نور جہاں اور ناہید اختر کے کافی گیت گائے۔ "تھا یقین کہ آئیں گی یہ راتاں کبھی" تو کبھی "سانو نہر والے پل تے بلا کے" تو کبھی "میں تے میرا دلبر جانی" اور میں ڈھولکی پر کھانے کی چمچ مار رہی تھی تاکہ آواز میں سر آئے جبکہ ہماری ہمسائی باجی رخسانہ ڈھولکی سنبھالے بیٹھی تھیں۔ ناچ اور ڈانڈیاں ابٹن کی رات تو نہ ہوا مگر اگلے دن یعنی مہندی کی رات میں اور میری اسکول کی سہیلی بلقیس نے ڈانڈیاں میں حصہ لیا تھا پھر اگلا دن تھا اور رات مہندی کی تھی اور میری باجی کی مہندی میں ہی لائی تھی۔ حیران کن بات تھی اپنی چھت پر سے اور سیڑھیوں سے اترتے ہوئے میری مووی تو نہ بن سکتی تھی کہ موبائل تو تھے نہیں، شاید موبائل بنانے کا خیال بھی سائنسدانوں کے دماغ کے کسی حصے میں نہ

ہوگا۔ تو بھائی راشد میری تصاویر بنا رہا تھا اور پیچھے ہاتھ میں کاغذ کی پلیٹوں پر موم بتی کو سنبھالتے ہوئے میری ہم جولیاں میری رہنمائی کرتے ہوئے آہستہ آہستہ چھت سے اتر رہی تھیں اور اکثر نے لہنگا پہنا ہوا تھا جبکہ مہندی کی رات میں نے امی جی سے بڑی ضد اور منتیں کر کے ساڑھی باندھی تھی کہ مجھے ساڑھی پہننے کا بڑا شوق تھا۔ وہ گہرے جامنی رنگ کی ساڑھی تھی اور اس پر بھی بنارسی کپڑے پر حسب روایت گوٹے کا ہی کام تھا کہ اس وقت گوٹے کا کام زیادہ چلتا تھا اور مجھے یاد ہے کہ یہ ساڑھی میری سہیلی بلقیس کی بھابی عابدہ کی تھی جن کی تین ماہ پہلے ہی شادی ہوئی تھی اور کیونکہ عابدہ بھابی سے میری ذہنی ہم آہنگی تھی تو وہ مجھے ساڑھی دینے پر راضی ہوگئی تھیں اور میں نے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا جبکہ ساڑھی کے ساتھ اپنی والدہ کا رانی ہار پہنا تھا۔ پیاری بہنوں مجھے اسٹار پلس کی بہو سمجھ سکتی ہو، اگر وہ پہناوا تصور کرنا ہو تو۔ رخشندہ باجی نے آج بھی ایٹن ہی کا جوڑا پہنا ہوا تھا اور صرف منہ ہی دھویا تھا۔ باجی کل کی طرح آج بھی رو رہی تھیں اور انہیں امی نے سرخ دوپٹہ مہندی کی رسم کے دوران پہنایا تھا، ایٹن والے جوڑے کے دوپٹے کے ساتھ۔ اب تصویروں کو دیکھ کر بچے کہتے ہیں کہ مما آنٹی کی زبردستی شادی ہو رہی تھی جو وہ اتنا رو رہی تھیں اور میں انہیں سمجھاتی ہوں کہ بھئی پہلے کی دلہنیں ایسے ہی ہوتی تھیں سیدھی سادی۔ جب میری رسم کرنے کی باری آئی تو موتی چور کا لڈو میں نے اٹھایا اور پورا باجی کے منہ میں دے مارا اور باجی کے چہرے پر غصے کے تاثرات ابھرنے لگے مگر مہمانوں کی موجودگی کی وجہ سے میں ڈانٹ کھانے سے بچ گئی۔ اس وقت چمچ تو رکھتے نہ تھے کہ ہاتھوں سے ہی کھلاتے تھے، اس طرح سب عورتوں اور لڑکیوں نے مہندی کی رسم کی اور میری تائی نے باجی رخشی (رخشندہ باجی کو پیار سے رخشی کہتے تھے ہم اور ابھی بھی کہتے ہیں) کی نظر اتاری۔ اس کے بعد میری دوست اور میں نے ڈانٹیاں کھیلیں اور ہماری ساتھ کی لڑکیوں نے خوب تالیاں بجا بجا کر حوصلہ افزائی کی جیسے ہم پاکستان کی طرف سے جنگ لڑ رہے ہوں اس کے بعد ڈھولکی ہوئی اور ایک بار پھر سب نے یادگار گیت گائے۔

ہاں اس سب کے دوران جس جگہ پر ہم بیٹھے تھے یعنی صحن میں کیونکہ مہندی کی رسم صحن میں ہوئی تھی تو مردوں کا داخلہ منع تھا گھر کے اور دوسرے رشتے دار گھر کے باہر بیٹھے تھے کہ ہمسایہ دار خواتین سے سخت پردہ ہوتا تھا ہمارے یہاں، مگر اب خواتین کا مردوں سے کم ہی ہوتا ہے پردہ، خیر ڈھولکی کے بعد رات کا کھانا کھایا گیا اور کھانے میں آپ حیران ہوں گی کہ گڑ کا زردہ تھا اور اس کے ساتھ آلو کے چاول اور بھنا ہوا ٹماٹر کی چٹنی مگر تمام خواتین نے شوق سے کھایا کہ ضروری نہیں کہ گوشت ہی ذائقہ دے اگر سادہ چیزوں کو بھی محنت سے پکایا جائے تو پھر بھی ذائقہ آتا ہے۔ اگلا دن بارات کا تھا اور میری بڑی بھائی اور امی جی نے گھر میں ہی حلوہ پوری اور چنے صبح کے ناشتے کے لیے تیار کیے تھے اور ناشتے کے بعد تمام مرد تو بارات کے انتظامات کی تیاری کرنے لگ گئے، بارات کا انتظام گھر کے قریب پلاٹ میں کیا گیا تھا اور شامیانے لگا کر سجاوٹ کی گئی تھی۔ بارات دوپہر کی تھی اور وقت پر ہی آئی، میرے بہنوئی بھائی رضوان نے کریم رنگ کا کاٹن کا سوٹ اور سیاہ رنگ کی واسکٹ پہنی ہوئی تھی جبکہ سر پر کلاہ تھا اور باجی کا جوڑا بارات والے ساتھ لائے تھے اور لڑکے والوں کی رسم تھی کہ نکاح کے وقت دلہن نے ان کا دیا جوڑا پہنا ہو تو باجی رخشی کو میری سہیلی اور میری مامی نے تیار کیا۔ لڑکے والوں کی طرف سے میرون رنگ کا بنارسی جوڑا آیا تھا، یعنی شلوار قمیص تھی اور قمیص و دوپٹے پر جھالر نما لیس لگی ہوئی تھی۔ ہمارے بچے بھی ہنسے کہ باجی رخشی کی اس لباس میں تصویر دیکھ کر کہ کیا مما آنٹی نے یہ سوٹ ریشمی والی بیڈ شیٹ سے بنایا تھا اور میں انہیں پھر ٹوکتی ہوں، بھئی ہر دور کا اپنا انداز ہوتا ہے، ہاں یاد آیا میرے والد صاحب نے میرا اور باجی رخشی کا شادی کا تمام زیور ایک ہی جیسا بنوایا تھا، مطلب کہ باجی اور میں نے بارات والے دن ایک جیسا زیور پہن رکھا تھا، ایک دن باجی کی شادی سے کچھ مہینے پہلے ابو آئے ان کے ہاتھ میں لوہے کا ٹفن تھا اور مجھے دیا اور کہا کھول کر دیکھو..... میں نے کھولا تو اس میں سے چھوٹی سی سنہری باسکٹ نما چیز نکلی، میرے پوچھنے پر ابو نے بتایا کہ یہ سونے کی ڈلی ہے یعنی وہ چھوٹا سا سونے کا ٹکڑا تھا اور کہا کہ اس سے تیرا اور رخشی کا شادی کا زیور بنے گا۔ میرا اور باجی رخشی کا زیور بنا ایک جیسا، دونوں کا برابر پانچ پانچ تولے تھا۔ تین لاکٹ کا رانی ہار، پانچ انچ کا جھومر اور چوڑی والی نتھ اور تین انچ کا ٹیکا اور کانوں کے لیے جھمکیاں تھیں جبکہ ایک سونے کی انگوٹھی تو بارات والے دن رسم نکاح کے وقت باجی رخشی کو وہی پہنایا گیا تھا اور میں نے بھی وہی پہنا تھا بس میں نے نتھ اور جھومر نہ لگایا تھا اور بارات والے دن میں نے سبز اور گولڈن رنگ کا بنارسی سوٹ زیب تن کیا تھا جس کے دوپٹے، قمیص اور

شلوار تینوں پر یکساں کام تھا جبکہ بالوں کو آدھے فنکشن میں کھلا چھوڑا تھا اور رسم جوتا چھپائی و دودھ پلائی کے وقت پونی سے بالوں کو سمیٹ لیا تھا۔ باجی کو امی نے نکاح کے وقت اپنا نکاح کے جوڑے کا دوپٹہ جو کہ سرخ رنگ کا تھا اور گوٹے کا جال نما مکمل کام تھا سر پہ اوڑھا دیا اور گھونگھٹ کر دیا پھر مولوی صاحب آئے اور نکاح ہوا، بعد میں نکاح چھوہارے باراتیوں میں دلہے والوں کی طرف سے بانٹے گئے اور یہ آج کی تھیلیاں نہیں تھیں بلکہ ہاتھوں میں ہی دے دیا کرتے تھے۔ کھانے میں گائے کا قورمہ اور زردہ تھا، پہلے مردوں کو کھانا کھلایا گیا اور پھر خواتین کو گھر ہی میں کھانا کھلایا گیا، جوتا چھپائی کی رسم سے پہلے دلہن رخشی کو ہمارے یعنی میکے کا لباس پہنایا گیا جو کہ آتشی گلابی گہرے رنگ کا لہنگا تھا اور اس پر لہنگے کے چاروں طرف اور دوپٹے کے چاروں طرف نقشی دبکے اور گوٹے کا سنہری رنگ کا بھاری کام تھا۔ بہنوں آپ نے اپنی امیوں کی شادی کے ملبوسات تو دیکھے ہوں گے تو وہ وہی تھا بھاری، ہاں اس کو یعنی دوپٹے کو سیٹ کرنا بڑا محنت کا کام تھا کہ آج ایک ہزار روپیہ پنوں کی طرح نہیں تھا کہ آسانی سے کم وزنی دوپٹوں کو پنوں سے سیٹ کر دیں، جب باجی پھر سے تیار ہو گئیں تو چند تصاویر اس منظر کی عکس بند کی گئیں، اس کے بعد دلہا بھائی کی اپنے دوستوں کے ہمراہ گھر میں آمد ہوئی تو دروازے پر ہی روک کر ایک چادر آگے کر کے ان کا راستہ روکا گیا اور ان سے کچھ نیگ میں نے وصول کیا اور یہ ہماری خاندان کی رسم تھی کہ دلہا نیگ دے کر ہی اندر آئے گا۔ دلہا بھائی نے نیگ دیا پانچ سو روپے اور اندر آئے جبکہ اندر آ کر پہلے دودھ پلائی کی رسم کی میں نے اور دلہا بھائی کے دوستوں نے پہلے دودھ پیا کہ مذاق (کچھ زہر وہر تو نہ ملایا ہم نے) پھر بھائی نے دودھ پیا اور مجھے پانچ سو روپے ملے اس رسم کے..... اس کے بعد منہ دکھائی کی رسم کی تمام شادی شدہ خواتین نے اور کھوپرے کے ساتھ چینی دی گئی دلہے بھائی کو اور ان کو موتی چور کے لڈو کھلائے گئے۔ میں نے تو بڑے سائز کا لڈو اٹھا کر بھائی کو کھلایا تو وہ پیچھے ہو گئے کہ میں نے زبردستی دھوکے سے کھلایا پھر خاندان و محلے کی دوسری عورتوں نے کھلائے لڈو دلہا اور ان کے ساتھیوں کو۔ اس وقت کے بچے (جن کے اب خود جوان بچے ہیں) دلہا بھائی کو دیکھنے کے لیے اور محلے کی خواتین بھی بے چین تھیں کہ رخشی باجی کے میاں جی کیسے ہیں اور سب کہتے پہلے ہمیں دیکھنے دو، خیر دلہا بھائی نے بھی شیو کروائی تھی اور بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور اس وقت کے فیشن کے مطابق ان پر یہ انداز جچ رہا تھا۔ رخشندہ باجی کمرے میں تھیں، اب کی طرح نہیں تھا کہ دلہن کو نکاح کے بعد دلہا کے ساتھ نہیں بٹھایا جاتا تھا۔ میں نے پھر جوتا چھپائی کی رسم کرتے ہوئے دلہا بھائی کی پشاوری چپل اتاری کہ انہوں نے جوتے نہیں بھئی پشاوری چپل پہنی ہوئی تھی اور ساتھ میری اور میری کزنوں کی دلہا کے دوستوں کے ساتھ نوک جھونک چلتی رہی کہ اتنے پیسے لوں گی میں، میں جوتا نہیں چپل اٹھا کر کمرے میں باجی کے پاس لے گئی اور باجی جس پلنگ پر بیٹھی تھیں اپنا لہنگا پھیلا کر اس کے نیچے چپل رکھ دی۔ پھر بڑی مشکل سے دلہا جی نے ایک ہزار روپے دیے اور ہم نے بھی چپ ہو کر لے لیے کہ ابو جی نے کہا فرخندہ بس کر اب پھر وقت آیا رخصتی کا، باجی رخشندہ عرف رخشی کا اور ان کو لہنگے پر ہی برقع پہنایا گیا اور باجی روتی رہیں اور کچھ کچھ میک اپ خراب بھی ہو گیا تھا کہ کون سا کسی پارلر والوں نے تیار کیا تھا تیار تو گھر والیوں نے ہی کیا تھا۔ برقع سادہ تھا وہ جس کے ساتھ دوپٹہ نما چادر ہوتی ہے اور گردن پر گانٹھ لگا کر باندھتے ہیں پھر باجی رخشی کی رخصتی ہوئی تو باجی کے ساتھ میں اور میری خالا، پھوپی، ماموں، چچازاد بہنیں اور دوسری خواتین بھی روتے ہوئے باجی کو رخصت کرنے لگیں جبکہ دلہا بھائی پہلے ہی گھر سے باہر نکل کر گلی میں کھڑے باجی کے منتظر تھے اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر باجی رخشندہ کی رخصتی ہوئی اور اس کے کچھ سالوں بعد میری شادی ہوئی بیس سال کی عمر میں تو حجاب کی بہنوں بتائیں کیسا لگا آپ کو ۱۹۹۳ء کی میری پیاری باجی کی شادی میں جا کر..... اب تو باجی دادی بن چکی ہیں، تو لازمی بتایئے گا کیسی لگی آپ کو میری یہ پرانی یادیں۔

سعدیہ

www.naeyufaq.com

انٹرویو

بینش صالحین

آج جس نامور شخصیت کا انٹرویو اپنے شمارے میں شامل کرنے والے ہیں ان کا نام ڈاکٹر عمیر عرفان ہے۔ ہم انہیں میڈیکل کی فیلڈ میں کامیاب ترین سطح پر دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں۔ آپ ماہر جلد ہیں اور پاکستان میں اس شعبے کے حوالے سے ان کا ایک نام ہے۔

س۔ [illegible] کیسے لیں آپ؟

ج۔ [illegible]

س۔ سر آپ کی عمر کیا ہے اور آپ کا شادی شدہ ہے؟

ج۔ میری عمر ستائیس سال ہے اور میرا اسٹار ورگو ہے۔

س۔ سر آپ کی تعلیم کیا ہے؟

ج۔ میٹرک میں نے ۲۰۱۰ء میں مکمل کیا اس کے بعد پری میڈیکل میں انٹرمیڈیٹ کیا، میرا تعلق کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ سے ہے اور ۲۰۱۲ء میں پری میڈیکل میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ۲۰۱۳ء میں مجھے کراچی کے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ ملا اور وہاں سے میں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔

س۔ سر آپ اپنی فٹنس کا خیال کیسے رکھتے ہیں اور آپ کھانے پینے کے کتنے شوقین ہیں؟

ج۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے اگر میں اپنی فٹنس کا خیال نہیں رکھ سکتا تو لوگوں کا کیا رکھوں گا اس لیے انسان کو متوازن غذا کے ساتھ متوازن زندگی گزارنی چاہیے۔ بے شک وہ کھانا یا ہر چیز کی زیادتی نقصان کا باعث بنتی ہے۔

س۔ ڈاکٹر صاحب یہ فارمولا کریم جو آج کل مارکیٹ میں بہت زیادہ ہے کیا یہ اسکن کے لیے ٹھیک ہے؟

ج۔ جی بالکل بہت پیشنٹ آتے ہیں او پی ڈی میں۔ جب میں ان کے چہرے کو دیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ کسی نے ان کے چہرے پر تیزاب پھینکا ہو۔ مجھے پتا چل جاتا ہے اور پہلا سوال یہ ہی ہوتا ہے کہ کیا آپ نے فارمولا کریم استعمال کی ہے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ تین چار سال پہلے استعمال کی تھیں کافی

عرصے کے لیے۔

یہ فارمولا کریم جلد کی اپر لیئر کو خراب کر دیتی ہیں۔ وقتی طور پر آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ گورے ہو گئے ہیں لیکن جب آپ دھوپ میں نکلتے ہیں تو سن برن زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ سورج کی شعاعیں جلد کی اپر لیئر کو خراب کر دیتی ہیں تو یہ کینسر کا باعث بنتی ہیں۔

س۔ اسکن کا کیسے خیال رکھ سکتے ہیں ہم۔ چہرے پر ایسی کون سی کریم استعمال کر سکتے ہیں جس سے

انٹرویو

بینش صالحین

آج جس نامور شخصیت کا انٹرویو اپنے شمارے میں شامل کرنے والے ہیں ان کا نام ڈاکٹر عمیر عرفان ہے۔ ہم انہیں میڈیکل کی فیلڈ میں کامیاب ترین سطح پر دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں۔ آپ ماہر جلد ہیں اور پاکستان میں اس شعبے کے حوالے سے ان کا ایک نام ہے۔

س۔ ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں آپ؟

ج۔ شکر ہے اللہ پاک کا۔

س۔ سر آپ کی عمر کیا ہے اور آپ کا اسٹار کیا ہے؟

ج۔ میری عمر ستائیس سال ہے اور میرا اسٹار ورگو ہے۔

س۔ سر آپ کی تعلیم کیا ہے؟

ج۔ میٹرک میں نے ۲۰۱۰ء میں مکمل کیا اس کے بعد پری میڈیکل میں انٹرمیڈیٹ کیا، میرا تعلق کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ سے ہے اور ۲۰۱۲ء میں پری میڈیکل میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ۲۰۱۳ء میں مجھے کراچی کے ایک میڈیکل کالج میں داخلہ ملا اور وہاں سے میں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔

س۔ سر آپ اپنی فٹنس کا خیال کیسے رکھتے ہیں اور آپ کھانے پینے کے کتنے شوقین ہیں؟

ج۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے اگر میں اپنی فٹنس کا خیال نہیں رکھ سکتا تو لوگوں کا کیا رکھوں گا اس لیے انسان کو متوازن غذا کے ساتھ متوازن زندگی گزارنی چاہیے۔ بے شک وہ کھانا یا ہر چیز کی زیادتی نقصان کا باعث بنتی ہے۔

س۔ ڈاکٹر صاحب یہ فارمولا کریم جو آج کل مارکیٹ میں بہت زیادہ ہے کیا یہ اسکن کے لیے ٹھیک ہے؟

ج۔ جی بالکل بہت پیشنٹ آتے ہیں او پی ڈی میں۔ جب میں ان کے چہرے کو دیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ کسی نے ان کے چہرے پر تیزاب پھینکا ہو۔ مجھے پتا چل جاتا ہے اور پہلا سوال یہ ہی ہوتا ہے کہ کیا آپ نے فارمولا کریم استعمال کی ہے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ تین چار سال پہلے استعمال کی تھیں کافی

عرصے کے لیے۔

یہ فارمولا کریم جلد کی اپر لیئر کو خراب کر دیتی ہیں۔ وقتی طور پر آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ گورے ہو گئے ہیں لیکن جب آپ دھوپ میں نکلتے ہیں تو سن برن زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ سورج کی شعاعیں جلد کی اپر لیئر کو خراب کر دیتی ہیں تو یہ کینسر کا باعث بنتی ہیں۔

س۔ اسکن کا کیسے خیال رکھ سکتے ہیں ہم۔ چہرے پر ایسی کون سی کریم استعمال کر سکتے ہیں جس سے

اسکن کلو کرے؟

ج۔ اگر چہرے پر کچھ لگانا ہی ہے تو اچھی سی وٹامن سی کریم لگائے۔ میڈیکیٹڈ فیس واش استعمال کریں پانی زیادہ سے زیادہ پئیں پھل سبزیاں کھائیں متوازن زندگی گزاریں اس سے آپ کی صحت اور زندگی اچھی رہے گی۔

س۔ یہ فارمولا کریمز استعمال کرنے سے جن کی اسکن خراب ہو چکی ہے اس کا کوئی طریقہ علاج ہے جس سے اسکن پھر سے ٹھیک ہو جائے؟

ج۔ ہاں جی بالکل ہے ایسا طریقہ۔ ہم بالڈ سے پالزمہ انجک کرتے ہیں اور اس سے اسکن کی اپر لیئر ٹھیک ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اسکن پھر سے اپنی اصلی حالات میں آ جاتی ہیں۔

ج۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں اسکن کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے اس کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟

ج۔ جی میں جس علاقے سے تعلق رکھتا ہوں اس علاقے کے لوگوں میں آگاہی نہیں ہے وہ گورا ہونے کے لیے فارمولا کریمز یوز کرتے ہیں اس سے اسکن کی بیماریاں بڑھتی جا رہی ہیں اور بہت سے مریض جلدی امراض میں مبتلا ہیں۔

س۔ اسکن کا گورا ہونا اہم ہے یا صحت مند؟

ج۔ گورا ہونے سے اسکن کا صحت مند ہونا زیادہ بہتر ہے ایسی گوری اسکن کا کیا فائدہ جسے گورا کرنے کے بعد آپ اپنی اسکن کو بیمار کر لیں۔ اسکن صاف ہو داغ دھبے نہ ہو فرکل نہ ہو رنگ سانولا بھی خوبصورت لگتا ہے اور سانولے رنگ پر دھوپ زیادہ اثر نہیں کرتی۔

س۔ آج کل ہوم ریمیڈیز بہت استعمال کی جاتی ہے اسکن کو گورا کرنے کے لیے کیا یہ ہماری جلد کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے؟

ج۔ اگر آپ گھر پر چہرے پر مالٹا لگا لیں تو بہتر ہے کیونکہ مالٹا لگانے سے اسکن خوب صورت ہو سکتی ہے کیونکہ وٹامن سی مالٹا میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے اور وٹامن سی ہماری جلد کے لیے بہت فائدہ مند ہے۔

س۔ بال گرنے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں آج کل بہت سے لوگوں کا یہ بھی مسئلہ ہے؟

ج۔ بال گرنے کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں سرفہرست خشکی یا اسکری، اسٹریس، متوازن غذا کا نہ ہونا، ہارمون پرابلم، فیملی ہسٹری۔

س۔ جن لوگوں کے بال گر گئے ہیں ان کے لیے کون سا طریقہ علاج تجویز کرتے ہیں آپ؟

ج۔ جن لوگوں کے بال گر گئے ہیں ہم ان کا پہلے معائنہ کرتے ہیں اور اگر ان کی جڑیں ہیں تو ہم ان کا پی آر پی کرتے ہیں اور اگر جڑیں نہ ہوں جن کی تو پھر ہم ٹرانسپلانٹ کرتے ہیں۔

س۔ خارش بھی جلدی بیماری ہے؟ اکثر لوگ اس بیماری میں مبتلا پائے جاتے ہیں آپ اس کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج۔ جی آج کل اس بیماری نے لوگوں کی زندگی

اجیرن بنا رکھی ہے۔ پہلے سمجھیں بیماری ہے کیا۔ اگر بیماری کو سمجھ لیا تو گھر سے نکالنے میں بھی کامیاب ہوجائیں گے۔ اسے اسکیبیز خارش بھی کہتے ہیں، خارش کی یہ ایک ایسی قسم ہے جو ہمارے ہاں بہت عام ہے اور اس کے بارے میں درست معلومات نہ ہونے کی وجہ سے طویل عرصے تک لوگ خارش کا عذاب برداشت کرتے رہتے ہیں۔ یہ بیماری فرد واحد کی نہیں بلکہ پورے گھرانے کی ہے۔

س۔ خارش سے کون لوگ زیادہ متاثر ہوسکتے ہیں؟

ج۔ عام طور پر یہ مرض ان لوگوں میں زیادہ پھیلتا ہے جو ایک دوسرے کے زیادہ قریب رہتے ہیں۔ جیسے ہوسٹلوں میں رہنے والے طالب علم، دینی مدارس، کلاس روم اور ایسے گھروں میں رہنے والے لوگوں میں بھی جہاں دھوپ کم آتی ہے اور صفائی کا خیال کم رکھا جاتا ہے۔ خارش والے مریض کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے کیڑا صحت مند جسم میں منتقل ہوجاتا ہے۔

س۔ اس بیماری کی علامات کیا ہیں؟

ج۔ سب سے واضح علامت خارش ہوتی ہے۔ جو دن بھر تنگ کرنے کے بعد رات کو زیادہ ہوجاتی ہے۔ کمبل، رضائی لینے سے جب درجہ حرارت بڑھتا ہے تو خارش بھی بڑھ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ مصالحے دار کھانے کے ساتھ بھی خارش کی شدت کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ بہت سے مریضوں میں بار بار خارش کرنے کی وجہ سے بیکٹیریل انفیکشن داخل ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے پیپ والے دانے بننا شروع ہو جاتے ہیں جو اکثر اوقات زخم کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ جراثیم کو مارنے کے لیے بہت سی کریمیں لوشن دستیاب ہیں جن کو جسم پر ملا جاتا ہے۔ جیسے پرمیتھرین، لوشن لگانے سے پہلے نہائیں۔ نہانے کے بعد جسم کو تولیے سے تھوڑا سا خشک کرکے سارے جسم پر لوشن کو ملیں۔ اس بات کو یقینی بنائیں کہ جسم کا کوئی حصہ

بغیر دوائی کے نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر صاحب! آپ کا شکریہ کہ آپ نے جلد کے امراض و مسائل کے حوالے سے بہت تسلی بخش جوابات دیے۔ اب ہم ڈاکٹر عمیر سے اجازت چاہیں گے۔ اللہ حافظ۔

سعدیہ عبید

www.naeyufaq.com

دھوپ میں جلتے خواب

سیما رضا

دھوپ میں جلتے خواب کی تقریب رونمائی
مصنفہ: نغمانہ شیخ

گزشتہ دنوں معروف افسانہ نگار محترمہ نغمانہ شیخ کے افسانوں کا اولین مجموعہ "دھوپ میں جلتے خواب" کی رونمائی کی تقریب آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی میں منعقد ہوئی۔ تقریب کی

صدارت محمود شام (معروف شاعر، صحافی، دانشور) نے کی۔ تقریب میں شہر کراچی کی ممتاز ادبی شخصیات مدعو تھیں۔

معروف سینئر افسانہ نگار جناب رحمان نشاط نے "دھوپ میں جلتے خواب" پہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ نغمانہ شیخ نے اپنے بیشتر افسانوں کی بنیاد کرداروں اور ان کی نفسیات پر رکھی ہے۔ مصنفہ نے ان کرداروں کی نفسیاتی ساخت اور کیفیات کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ افسانوں کا ٹریٹمنٹ اچھا ہے۔ زبان و بیان سادہ ہے۔ ان کے افسانے خواتین لکھنے والیوں سے مختلف اور منفرد ہیں۔ دنیائے ادب کے معروف افسانہ نگار اور حلقہ ارباب ذوق کراچی کے سیکرٹری جناب زیب اذکار حسین نے کہا کہ نغمانہ شیخ ایک مدت سے افسانے لکھ رہی ہیں وہ ان چند افسانہ نگاروں میں شامل ہیں جو موضوعات کو بہت سچائی کے ساتھ دیکھتی ہیں، ان پر غور و فکر کرتی ہیں اور اس کے بعد انہیں افسانوں کا حصہ بناتی ہیں۔ معروف شاعر سہیل احمد نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ نغمانہ شیخ کے افسانوں کے موضوعات میں بہت تنوع ہے، کہیں تو قاری زندگی کے مسائل کا براہ راست تذکرہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ان کے موضوعات میں جو ندرت، تازگی، شگفتگی اور روانی ہے وہ اسلوب کی تاثیر کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ جناب سید امجد بخاری نے کہا کہ نغمانہ شیخ نے اپنے افسانوں میں معاشرتی زندگی سے وابستہ سب ہی کرداروں کو اس خوش اسلوبی

سے پیش کیا ہے کہ یہ کردار مسائل کی بھٹی میں صدیوں سے نسل در نسل سلگنے کے بعد جب حقیقی روپ میں سامنے آئے تو قاری انہیں پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

افسانہ نگار اور کالم نگار محترمہ مطریہ شیخ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نغمانہ نے اپنے افسانوں میں زندگی کے مختلف نشیب و فراز کی تصویریں بے حد عمدگی سے پینٹ کی ہیں کہ انسان کے شدید جذبات کے رویوں کی تصویریں نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی ہیں۔ ان کی کہانیاں ہر گلی کوچے میں بکھری رہیں۔ تقریب کی صدارت کرنے والے معروف دانشور، شاعر، صحافی کالم نگار جناب محمود شام نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نغمانہ شیخ گزشتہ کئی سالوں سے اپنے قلم کا جادو جگا رہی ہیں انہیں لفظ لفظ موتی پرونا خواب آتا ہے ان کا افسانوی مجموعہ دھوپ میں جلتے خواب، قارئین کے لیے ایک گلدستہ ہے جس سے ان کی ذہنی و قلبی فضا معطر ہو جائے گی۔ نغمانہ شیخ کے افسانے اخلاقی، سماجی اور اصلاحی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں ان افسانوں کے کردار عمرانی، معاشرتی اور فطری ہیں اور سچائی کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہے۔ جنہیں ہم اپنے اطراف میں دیکھتے بھی ہیں اور محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے نغمانہ شیخ کے بیٹے کو اپنی والدہ کے لیے کتاب کی اشاعت کا اہتمام کرنے پر بہت مبارک

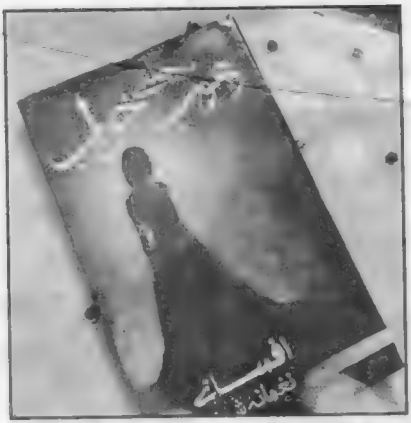

باد پیش کی۔ بعد ازاں "دھوپ میں جلتے خواب" کی مصنفہ محترمہ نغمانہ شیخ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے کہانیاں بنانے کا بچپن سے ہی شوق تھا۔ کہانیاں بناتے بناتے خود کہانی کار بن گئی اور افسانہ نگاری بھی میں گزشتہ بیس سالوں سے کر رہی ہوں، میں اپنے افسانے لکھ کر کسی بھی دراز میں چھپا دیا کرتی تھی کیونکہ وہ میری زندگی کے تجربات اور تجزیے پر مشتمل ہوتے تھے۔ مجھے ہر ادبی محفل میں افسانے پڑھنے کا شرف حاصل رہا، مجھ سے ہر ادبی محفل میں پوچھا جاتا تھا کہ کتاب کب آئے گی اور میں مسکرا دیتی تھی۔ کیا بتاؤ آپ سب کو زندگی کیسے کیسے رنگ بدلتی ہے یقین کیجیے یہ میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے اتنے رنگوں میں اپنا رنگ کھو جاتا ہے مگر پھر اچانک ہی میرے بیٹے نے یہ کہہ کر مجھے ایک دم حیران کر دیا کہ مما آپ اپنے افسانوں کو جمع کر کے مجھے دیجیے میں آپ کے افسانوں کی کتاب شائع کرانا چاہتا ہوں۔ میں اس کو حیران

ہو کر دیکھتی رہ گئی پھر اس کی فرمائش پر جان چھڑنے کے لیے کہا کہ "بیٹا جانے کہاں کہاں رکھے ہیں" آنچل، حجاب اور نئے افق) طاہر قریشی صاحب کا بھی بے حد شکریہ۔ جنہوں نے میرے بیٹے سے حق

مگر میرے بیٹے پر تو جیسے کتاب شائع کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ مجھ سے کہنے لگا کوئی بات نہیں ہم دونوں ہی مل کر تلاش کر لیں گے اور پھر تین ماہ کی ہم دونوں کی کوششیں رنگ لائیں اور میرے افسانے ایک جگہ جمع ہو گئے، میرے بیٹے کے ساتھ میری بیٹیاں بھی قدم قدم میرے ساتھ رہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے مخلص رہبر عطا کیے ڈاکٹر معیز حسین (مائنڈ سائنس) ڈاکٹر شاہد ضمیر (مدیر اعلیٰ اردو لغت بورڈ) روحانی دوست صائم المصطفیٰ اور جناب نسیم درانی میرے لیے وہ قابل احترام شخصیت ہیں جنہوں نے مجھے ادبی حلقے میں روشناس کرایا اور اپنے رسالے "سیپ" کی زینت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ گروپ ایڈیٹر (ماہنامہ دوستی ادا کیا۔

نغمانہ شیخ کے اظہار خیال کے بعد ان کے بیٹے عبدالصمد نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ یوں ادب کے دامن میں ایک اور دلکش کتاب منظر عام پر آ گئی۔ ادارہ کی جانب سے محترمہ نغمانہ شیخ کو ان کے افسانوی مجموعہ پر دلی مبارک باد پیش ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

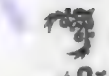

www.naeyufaq.com

حصہ چہارم

محبت ماہ تمام

صائمہ قریشی

زندگی کبھی کبھی بہت عجیب ہو جاتی ہے، لاکھ کوشش کے باوجود بھی کوئی ایسی راہ دیکھائی نہیں دیتی جس پر چل کر کانٹوں بھری راہ گزر کو عبور کیا جاسکے، کوئی ایسا ساتھی نہیں ملتا جس کا ہاتھ تھام کر، قدم سے قدم ملا کر اس دلدل کو پار کیا جائے جس میں سرتاپیر دھنسا دیا جاتا ہے، اس کے یقین کو ریزہ ریزہ کر کے، سارے اعتماد کو کرچی کرچی کر کے یہ جانے بنا کہ اس ایک جملے سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ سلیمہ بیگم وہاں سے جا چکی تھیں، کمرے میں اس وقت مکمل خاموشی کا راج تھا، اس سناٹے میں اس کے اندر کی توڑ پھوڑ، سسکیوں کی گونج اور بین کرتی تنہائی کی چیخ و پکار سوائے اس کے اور کوئی نہ سن پا رہا تھا۔

ایان اور فرحان کے ہاتھ جھٹک کر ریان بہ مشکل اپنے آپ کو سنبھالتا وہاں سے اٹھا اور پیر گھسیٹتے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے ابو؟" ریان کے جاتے ہی ایان نے مختیار صاحب سے باز پرس کرنا شروع کی۔

"امی ایسے کیوں کہہ رہی ہیں، ریان ہمارا بھائی ہے تو بہروز تایا کو کیوں بیچ میں لا رہے ہیں؟" ایان کی سنجیدگی پر مختیار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، آنکھوں میں پشیمانی، چہرے پر ملال سلیمہ بیگم کی بات پر سچائی کی مہر ثبت کر رہی تھی۔

"بولیں ابو..... کیا ریان بہروز تایا کا بیٹا ہے؟" اب کے فرحان نے استفسار کیا۔ فوزیہ اور امینہ بت بنی وہیں کھڑی تھیں، کسی کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ ریان اس گھر کا حصہ نہیں ہے۔

"ابو آپ خاموش کیوں ہیں؟ بولیں ناں۔" ایان کا اصرار بڑھا تو مختیار صاحب نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر

ہلایا۔ ایک دم ایان اور فرحان سکتے میں رہ گئے تھے۔

"لیکن اتنی بڑی بات چھپانے کا کیا مقصد تھا اور ہم سب کیوں بے خبر رہے؟" مختیار صاحب کے پاس شاید کوئی جواب نہیں تھا اسی لیے وہ مسلسل خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"اگر چھپانا ہی تھا تو پھر امی نے کیوں اس راز کو فاش کیا؟" ایان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ آناً فاناً سلیمہ بیگم کا رویہ کیوں اتنا تلخ ہو گیا تھا۔

"کیا ارمان بھائی جانتے تھے؟" فرحان نے مختیار صاحب سے پوچھا تو انہوں نے ہاں میں سر ہلایا تو سب کو اندازہ ہو گیا کہ ریان کے ساتھ ارمان کا رویہ کیوں اس قدر اپنائیت بھرا تھا، امینہ بھی جان گئی کہ امل اگر ریان کا ہر معاملے میں ساتھ دیتی تھی تو اس کی وجہ کیا تھی۔ سلیمہ بیگم کے ایک جملے نے ہر بات سے پردے ہٹا دیے تھے۔

"آپ لوگوں نے یہ اچھا نہیں کیا۔" ایان نے اس سارے فیصلے کی نفی کی۔

"اگر ریان کو گود لیا ہی تھا تو اس بات کو راز رہنا چاہیے تھا اگر امی راضی نہیں تھیں تو کم از کم ریان کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ یہاں کس حیثیت سے رہ رہا ہے اور مجھے تو حیرانی تایا پر ہو رہی ہے کہ کیسے انہوں نے اتنی بڑی بات کو راز رکھ لیا۔ ریان کے ساتھ تبھی کبھی ایسا رویہ کیوں نہ رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ تایا کا بیٹا ہے۔" ایان کو حقیقتاً افسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ریان کس قدر ٹوٹ چکا ہے، مختیار صاحب سر جھکائے وہیں بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

امینہ جو امل کی وجہ سے گھبراہٹ کا شکار تھی اس حقیقت پر وہ مزید بوکھلا گئی، ایک فوزیہ تھی، جس کے چہرے پر ایسی رنجیدگی نہ تھی جو اس کی فکروں کو ظاہر کرتی، وہ ایسے تھی جیسے اسے کوئی پروانہ ہو اور اس کی ایک وجہ فوزیہ کا لالچ بھی تھا جس کا اس نے اشاروں کنایوں میں متعدد بار ذکر بھی کیا تھا، اب اس گھر میں ریان کا کوئی حصہ نہیں بنتا اور فوزیہ اپنے لالچ میں گرفتار ہونے لگی تھی کہ ایان اور امینہ تو الگ گھر میں ہیں ہی اب یہ گھر فوزیہ کے حصے میں آئے گا۔ امینہ نے فوزیہ کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ سے اس کی سوچوں کو پڑھ لیا تھا۔ ایان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی امینہ بھی وہاں سے چلی گئی۔ فوزیہ، فرحان اور مختیار صاحب کمرے خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے پھر کچھ ہی دیر میں مختیار صاحب بھی کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

"ان لوگوں نے ریان کے ساتھ بہت برا کیا۔" فرحان کے لہجے میں ریان کے لیے دکھ اور ہمدردی کو بھانپ کر فوزیہ کے ماتھے پر ناگواری کے بل پڑے۔

"اور سب سے زیادہ ناانصافی بہروز تایا کی طرف سے ہوئی اور اس کے بعد امی کی طرف سے۔" فرحان نے اپنے غصے کا اظہار فوزیہ کے سامنے کیا تو ایک دم اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"وہ ریان اور ان سب کا معاملہ ہے، آپ نہ زیادہ بولنا، ریان کو چاہیے کہ اب پاکستان ہی چلا جائے یہاں تو اس کا اب کوئی حصہ نہیں بنتا۔" فوزیہ نے وہ کہہ دیا جس کی اسے سب سے زیادہ خوشی تھی۔ فرحان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بولنا تو تمہیں بھی نہیں چاہیے۔" فرحان نے ناگواری سے فوزیہ کو دیکھا، فوزیہ ایک دم سنبھل گئی اور فوراً پینترا بدلا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ریان جس طرح بہت زیادہ حساس ہو رہا ہے اسے چاہیے کہ کچھ دنوں کے لیے منظر سے ہٹ جائے۔ ممانی جان تبھی اس وقت ارمان بھائی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں، ریان سامنے نہیں ہوگا تو کچھ ہی دن میں ممانی جان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا اور پھر شاید معاملات بھی کوئی خوشگوار صورت اختیار کر لیں۔" فوزیہ نے کمال ہوشیاری سے فرحان کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ریان کو یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ فرحان نے پرسوچ نظروں سے فوزیہ کو دیکھا اور بنا کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا۔ فوزیہ کچھ دیر غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے آگے کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتی رہی پھر چہرے پر مسکراہٹ

سجائے وہ سلیمہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁.....❁.....❁

اسے لڑکیوں کی کمی تھی نہ ہی ایسا تھا کہ اس کے حلقۂ احباب میں کوئی لڑکی نہ ہو لیکن منتہا میں کوئی ایسی بات تھی جس نے بلال کو ایک حصار میں جکڑ لیا تھا، اس کے عام سے انداز میں ایک غیر معمولی تاثر اسے خاص بنا رہا تھا، اس کے دوستانہ انداز میں ایک غرور بھی جھلکتا تھا جو اس کی طرف سے نظر نہ ہٹانے پر اکساتا تھا، منتہا کوئی ایسے ماورائی حسن کی مالک بھی نہ تھی جسے دیکھتے ہی دیکھنے والا مبہوت ہو جاتا لیکن اس کے انداز میں ایسی کشش ضرور تھی جو دیکھنے والے کو باندھ لینے کا ہنر رکھتی تھی، ایک مختصر سی کال نے پہروں بلال کو مسرور رکھا تھا، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اسے ایک اشارہ مل چکا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ اب وہ اس کا دل جیت لے گا لیکن کافی دن تک منتہا کی جانب سے برتی گئی لاتعلقی اور خاموشی نے بلال کو بے کل کر دیا تھا، دونوں میں پھر کوئی بات نہ ہو سکی، بلال چاہتا تھا کہ وہی دوبارہ کال کرے اور شاید دوسری طرف بھی یہی اصرار تھا کہ اب پھر میں ہی کیوں؟ بے وقت بجتی فون کی گھنٹی اس کی تیوریوں میں اور بے زاری میں چنداں اضافہ کر رہی تھی اگر سلمٰی وہاں موجود نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی اس کال کو ریسیو نہ کرتی۔

"السلام علیکم۔" اپنے مخصوص سوبر انداز میں نہایت ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" منتہا نے تنکھیوں سے سلمٰی کو دیکھا جو بظاہر لاتعلق تھی لیکن اس کی ساری توجہ اس وقت منتہا کی طرف ہی تھی۔ چہرے پر ہلکی سی مسکان پر منتہا نے ناگواری سے اسے گھورتے ہوئے گہری سانس خارج کی اور سلام کا جواب دیا۔

"کیسی ہیں مس منتہا؟" اگلے ہی پل اس کی خیریت دریافت کی گئی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" مروتاً منتہا کو بھی پوچھنا پڑا۔

"خیریت سے ہوں، میں نے آپ کو..... میرا مطلب ہے آپ مصروف تو نہیں بات ہو سکتی ہے؟" اس کے سپاٹ انداز پر بلال نے سٹپٹا کر پوچھا۔

"بوتیک میں ہوں اور کچھ ڈیزائننگ پر کام کر رہی ہوں۔" منتہا کبھی بھی کسی کو انکار نہیں کر سکتی تھی ہاں لیکن وہ بات ایسے انداز میں کرتی تھی کہ سمجھنے والا سمجھ جاتا تھا۔

"تو مصروف ہیں؟" بلال کی تصدیق پر منتہا کی پیشانی پر چند لکیریں نمودار ہوئیں۔

"نہیں فارغ بیٹھی ہوں۔" منتہا کے استہزائیہ انداز پر سلمٰی اپنی مسکراہٹ روک نہ پائی۔

"یہ تو ٹھیک ہو گیا میں سمجھ رہا تھا شاید میں نے غلط وقت پر کال کر لی۔" بلال کی بات پر منتہا نے بے اختیار موبائل کان سے ہٹا کر اسکرین کو گھورا کہ اس کے الفاظ کا غلط ترجمہ کیسے پہنچا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" منتہا مدھم لہجے میں بولی۔

"آپ نے پھر کال نہیں کی۔" اس نے شکایت کی۔

"دراصل میں کچھ مصروف تھی تو پھر وقت نہیں ملا اور میرے ذہن سے بھی نکل گیا تھا۔" منتہا جان بوجھ کر جتا رہی تھی کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن دوسری طرف سے بھرپور ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا گیا۔

"کوئی بات نہیں آپ نے کال کی یا میں نے بات تو ایک ہی ہے، مقصد تو بات کرنا ہوتا ہے پہل کسی کی طرف سے بھی کی جائے۔" بلال نے دوستانہ لہجے میں کہا تو منتہا نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"جہاں تک میں نے آپ کو جانا ہے آپ اتنی خاموش طبع تو نہیں۔" بلال نے اسے بولنے پر اکسایا۔

"جی بالکل..... میں اپنے من پسند لوگوں میں بہت باتونی مشہور ہوں۔" منتہا کا روکھا انداز اور سپاٹ لہجہ کوئی پوشیدہ نہ تھا لیکن بلال شاید جان بوجھ کر اس کی بیزاری کو نظر انداز کر رہا تھا۔

"کچھ ایسے نایاب لوگ بھی ہیں جو آپ کی آواز سننے کو

ترس جاتے ہیں۔" بلال نے سرد آہ بھری۔

"نایاب لوگ، نایاب ہوتے تو کبھی ترستے نہیں۔" دوبدو جواب پر بلال کا قہقہہ بلند ہوا تو اسے پکا یقین ہوگیا کہ بلال اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والا تھا۔

"آپ کی حاضر جوابی بہت کمال کی ہے۔" شاید اب اپنی شرمندگی مٹانے کی خاطر بلال نے اس کی تعریف کی۔

"اسی حاضر جوابی نے تو مروایا ہے۔" منتہا دانت کچکچاتے ہوئے دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"ان نایاب لوگوں کی فہرست میں مجھے کب شامل کریں گی؟" بلال نے اس کی چند پل کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

"یہ تو آپ پر ہی منحصر ہے۔" اس نے دامن بچالیا۔

"وہ کیسے؟" بلال پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"یہی تو آپ نے سوچنا ہے۔" منتہا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی اگر بلال دیکھ سکتا تو ایک لمحہ میں جان جاتا کہ اس پل منتہا کی مسکراہٹ میں کتنی بیزاریت تھی۔

"اچھا میں سوچتا ہوں تب تک آپ کوئی اور بات کریں۔"

"آپ سوچیں تب تک میں کام کرلوں..... میرے خیال میں یہ جملہ زیادہ مناسب رہے گا۔" منتہا نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوکے آپ کام کرلیں۔ اللہ حافظ۔" بنا کسی جرح کے بلال نے کہا اور منتہا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فون بند کردیا، منتہا خاموشی سے موبائل کان سے لگائے اپنے رویے پر کچھ نادم ہوئی پھر گہرا سانس خارج کیا اور کام میں مصروف ہوگئی۔

"ایسے تو تم اسے سمجھنے سے رہیں۔" کچھ دیر بعد سلمٰی کی آواز پر منتہا سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہم اسی کو سمجھتے ہیں جس کو ہم سمجھنا چاہتے ہیں، ہم نہ چاہیں تو بے شک ساری دنیا ہمارے پیچھے خوار ہوتی رہے ہمیں پروانہ ہوگی۔" منتہا نے سلمٰی کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن ایسے رویے سے تو....."

"سلمٰی باجی کیا آپ کو دیکھائی نہیں دے رہا کہ میں اس بلال نامی بھائی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ رحم کریں میرے حال پر۔" سلمٰی کی بات کاٹتے ہوئے منتہا نے زچ ہوکر دونوں ہاتھ جوڑے۔

"تم غلطی کررہی ہو منتہا۔ بلال بھائی بہت خلوص اور احترام سے تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایسے تو نہ کرو یار۔" سلمٰی کو بلال پر ترس آنے لگا۔

"سلمٰی باجی۔" منتہا منہ بسور کر رہ گئی۔

"اگر کوئی اور تمہاری زندگی میں نہیں تو....."

"کسی اور کے زندگی میں نہ ہونے کا مطلب یہ کب ہوتا ہے کہ جو بھی میسر ہو اسے زندگی میں شامل کرلیا جائے؟" منتہا اچھے خاصے بگڑے تیوروں سے گویا ہوئی تو سلمٰی لب بھینچ کر خاموش ہوگئی، چند لمحے منتہا نے اس کے نروٹھے انداز کو دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنی ڈیزائننگ میں مصروف ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

بہروز کے لیے وقت کاٹنا مشکل ہورہا تھا، انہیں سمجھ میں آرہا تھا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے، کسی سے مشورہ کرنا بھی اس وقت مشکل ترین کام تھا، کاش عالیہ اس قابل ہوتی کہ بہروز اس سے اپنی پریشانیاں کہہ لیا کرتے لیکن وہ بھی تو خود غرضی کی انتہاؤں پر تھیں، اسے بھی تو صرف اپنی ذات کے سوا کسی سے کوئی مطلب نہ تھا، پھر بہروز کس سے کوئی بات کہہ کر اپنا غم ہلکا کرے۔ ایک مومنہ تھی جوان کی غم خوار تھی لیکن وہ ابھی عمر کے اس حصے میں نہیں تھی جہاں زندگی کی مجبوریوں اور پیچیدگیوں کو سمجھ کر کوئی مشورہ دے سکے۔ آج سے پہلے بہروز کو ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جس میں انہیں کسی کے ساتھ کی اتنی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی۔ فون پر سنا گیا ایک جملہ جس نے ماضی کے ہر ایک زخم کو کریدنا شروع کردیا تھا اور بہروز کے اس تکلیف پر سے وقت کی دبیز تہہ اکھڑ رہی تھی

انہیں پھر اسی تکلیف نے کراہنے پر مجبور کردیا تھا جس کو وہ فراموش نہ کرتے ہوئے بھی نظریں چرائے بیٹھے تھے۔

زندگی کا کوئی بھی فیصلہ آسان نہیں ہوتا اور پھر جب اس فیصلے میں دل کی رضا شامل نہ ہو، کوئی ساتھ دینے والا بھی نہ ہو، اس فیصلے کے خلاف بغاوت کی ہمت بھی نہ ہو تو اس فیصلے سے ملنے والی تکلیف کی شدت کا اندازہ لگانا ناممکن ہوتا ہے۔ بہروز اس وقت نہ صرف اپنی بلکہ اس انسان کی تکلیف کو بھی محسوس کررہے تھے جس کی زندگی ان کی کم ہمتی کی وجہ سے آج آندھیوں کی زد میں تھی۔

"تم نے اپنی من مانی کا انجام دیکھ لیا ناں؟ اب بس جو میں کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔" چوہدری فضل الدین کے بارعب اور استحقاق سے بھرپور لب و لہجے نے بہروز کو گنگ کردیا تھا۔

"ابا جی میں تو....." بہروز نے پھر ایک کوشش کی۔

"اپنا نہیں تو اس کا سوچو، میرا بھی سوچ لو کتنے مان سے تمہیں کچھ کہہ رہا ہوں اور اس میں بھی تمہارا ہی مفاد ہے۔" چوہدری فضل الدین نے اس کے احتجاج کے سارے دروازے بند کرنے چاہے۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ابا جی....." انتہائی دھیمی آواز میں بہروز نے احتجاج کی ہمت کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔

"اب کوئی لیکن ویکن نہیں۔" بہروز کا احتجاج وہیں دم توڑ گیا اور پھر انہوں نے خاموشی سے ایک فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا لیکن آج وہی فیصلہ بہروز کے سامنے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر آ کھڑا ہوا تھا۔ بنا کوئی تفصیل جانے محض ایک جملے نے بہروز کے ماضی کو اتھل پتھل کردیا تھا۔

"کیوں..... کیوں..... کیوں....." کی گردان جاری تھی، ایک حقیقت کے ادراک نے نہ صرف بہروز بلکہ ریان کی زندگی کو بھی تہہ و بالا کردیا تھا، اس کی خاموش سسکیوں کو وہ اپنے اندر گونجتا محسوس کرنے لگے تھے۔

"کیا ہوا ابو؟" بہروز کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جارہی تھی جب مومنہ کی آواز نے انہیں چونکایا۔

"بیٹا..... وہ..... میں....." وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھے۔

"میں جانتی ہوں ابو کوئی بات آپ کو پریشان کررہی ہے اور آپ کو پتا ہی نہیں کہ آپ کی بیٹی اب بہت سمجھدار ہوگئی ہے۔" مومنہ نے نروٹھے لہجے میں انہیں اپنی پریشانی کا تذکرہ کرنے کا اشارہ دیا۔

"میں اپنی پریشانی کہہ کر اپنی ننھی سی سمجھدار بیٹی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔" بہروز نے رنجیدہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر مومنہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ امی کے رویے کی وجہ سے پریشان ہیں ناں؟" مومنہ نے اپنا خیال ظاہر کیا تو بہروز نے نفی میں سر ہلا کر جھکا دیا۔

"اگر امی کی وجہ سے پریشان نہیں ہیں تو مجھ سے کہہ لیں، ہوسکتا ہے میں آپ کو کوئی اچھا مشورہ دے سکوں۔" مومنہ نے مسکراتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہوئے کہا تو بہروز نے اسے سب بتانے کا ارادہ کرلیا، ویسے بھی وہ دیکھ رہے تھے کہ پچھلے کچھ عرصے سے مومنہ مسلسل بضد ہے کہ وہ اس سے اپنی الجھنیں شیئر کیا کریں۔

"اب اس سے پہلے کہ امی آجائیں آپ کہہ دیں جو کہنا ہے۔" مومنہ نے رازداری برتتے ہوئے کہا۔

"عالیہ کہاں گئی ہے؟" بہروز نے پوچھا تو مومنہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"امی آپ کو بتا کر نہیں گئیں؟" مومنہ کے پوچھنے پر بہروز نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"اچھا..... مجھے صحیح معلوم تو نہیں لیکن میرے خیال میں امی حسنین بھائی کے ساتھ کہیں باہر گئی ہیں۔" مومنہ نے بتایا تو بہروز نے گہری سانس لی۔

"بیٹا کبھی کبھی ایسے حالات بھی ہوجاتے ہیں کہ دو انسان ایک چھت تلے اجنبیوں کی طرح رہنے لگتے ہیں اور وہ اجنبیت یہ نہیں ہوتی کہ آپ ایک دوسرے سے بات نہیں

کرتے لیکن جذباتی طور پر آپ کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے دل کی کیفیات سے انجان رہتے ہیں، میرے اور تمہاری امی کے درمیان بھی ایسی ہی اجنبیت ہے، ایسا ہی ایک خلا ہے جس کو کبھی پر کرنے کی کوشش نہ میں نے کی نہ تمہاری امی نے۔"

بہروز مومنہ کے سامنے سر جھکائے بیٹھے بہت دھیمی آواز میں بولنے لگے تو مومنہ دم سادھے انہیں سننے لگی۔

اور پھر ایک ایک کرکے وہ ساری گرہیں کھولتے چلے گئے جو زندگی بھر انہیں کچوکے لگاتی رہی تھیں اور مومنہ پھٹی پھٹی نظروں سے وہ سب حقیقتیں سن رہی تھی جو اس کے وہم وگماں میں نہ تھیں اور نہ ہی کبھی ادراک ہوا تھا۔

"کتنی بار منع کیا ہے ہر وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا لڑکیوں کو زیب نہیں دیتا، سو کام پڑے ہیں اور تم یہاں بیٹھی وقت ضائع کررہی ہو۔" عالیہ کی تیز و تلخ آواز نے مومنہ اور بہروز کو چونکا دیا۔ مومنہ نے مدد طلب نظروں سے بہروز کو دیکھا لیکن وہ گہری سانس لیے سر جھکا چکے تھے۔ مجبوراً مومنہ بنا کوئی سوال کیے ان حقیقتوں کو پوشیدہ رکھنے کا جواز جانے بنا وہاں سے اٹھ گئی۔

"آپ کو سمجھ ہونی چاہیے اسے بیٹھا لیتے ہیں، لڑکی ذات ہے کل کو اگلے گھر جائے گی تو وہاں بھی ایسی عادتوں کو اپنائے رکھا تو خوب نام روشن کرے گی۔" مومنہ کے جاتے ہی عالیہ نے قہر آلود نظروں سے بہروز کو دیکھتے ہوئے ہاتھ نچا کر کہا۔

"تم ہر وقت اپنی بیٹی کو برا بھلا کہتی رہتی ہو اچھی تربیت کی ہے تو بھروسہ بھی رکھو، ہاں اگر تمہیں یہ خوف ستا رہا ہے کہ تم نے تو بے فائدہ گھومنے پھرنے میں وقت لگا دیا بیٹی کو کچھ سکھایا ہی نہیں تو....."

"واہ بہروز صاحب خوب کہی، اسی کو کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے اور آپ نے تو ہمیشہ ہی اپنی خطاؤں کا ملبہ میرے ہی سر پر ڈالا ہے، کہیں اور بس جو نہیں چلتا۔" عالیہ اک ذرا سی بات پر ہمیشہ کی طرح بھڑک اٹھی، بہروز کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی بدتمیزی اور تلخی سے بولی۔ بہروز نے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئے جانتے تھے کہ اب اگر انہوں نے کوئی بات کی تو بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ ان کے جاتے ہی عالیہ کتنی دیر تک کچھ نہ کچھ بڑبڑاتی رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

۲۵ فروری ۲۰۱۴ء

میری دوست جان!

زندگی بہت عجیب سی ہوگئی ہے، جاب کی مصروفیات نے تم سے رابطے میں خلل ڈال دیا اور میں جو تمہارے سنگ جینے لگا تھا ایک بار پھر جیسے زندگی ٹھہری گئی ہے، کوشش کرتا ہوں کہ مایوسیوں کو خیر باد کہہ کر فقط تمہاری یاد سے ہی جی کو بہلایا کروں لیکن اس سب سے بھی اب جی اوب چکا ہے، کوئی راستہ بتاؤ ناں کہ میں تمہارے سنگ اپنی زندگی شروع کرسکوں، کوئی تو ایسی ترکیب ہوگی ناں کہ میں تمہارے قریب ہوسکوں اور یہ ہر وقت کی ٹائپنگ سے اب میری انگلیاں دکھنے لگی ہیں۔ یہ کیسی محبت ہوئی بھلا کہ میسج کیے جاؤ، میلز نہ ہو تو ای میل لکھنے بیٹھ جاؤ۔ کیا اب ساری زندگی ایسے ہی محبت کروں گا۔ بس مجھے اب تمہارا ساتھ چاہیے صرف خیالوں میں نہیں حقیقت میں بھی۔

اپنا خیال رکھنا۔

اللہ حافظ

۲۵ فروری ۲۰۱۴ء

اوہو..... اوہو۔ یہ کیا؟ میرے سرکار بدلے بدلے کیوں نظر آرہے ہیں؟ اور یہ اتنی جھنجلاہٹ کیوں؟ اتنی جلد بازی کیوں؟ زندگی کہاں ٹھہری ہے میرے پاگل دوست زندگی تو اب چلنے لگی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی مجھے ای میل لکھتے یا میسج ٹائپ کرنے سے تمہارا جی کیوں اوب گیا؟ یہ تو کھلم کھلا تم اپنی بات سے مکرنے لگے ہو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا..... جب تم نے کہا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے تمہارا دل نہیں اکتائے گا۔ (روٹھا لہجہ) اب دل بھی تنگ پڑ گیا اور انگلیاں بھی دکھنے لگی ہیں۔ (اداسی) تم نے تو اپنی دوست جان کا دل ہی توڑ دیا۔

محبت کے پہلے قدم پر ہی گھبرا گئے ہو تو آگے کیا ساتھ نبھاؤ گے؟ (شرارتی لہجہ) تم کیوں اداس ہوتے ہو؟ یہ جھلی سوما تمہاری ہی ہے، تمہارے بنا ادھوری بھی اور اداس بھی..... بس تھوڑا سا تو وقت باقی ہے تم تھوڑے اور سیٹل ہو جاؤ پھر ہم تم ہوں گے بادل ہوگا، رقص میں سارا جنگل ہوگا (ہنسی) تم اس موڈ میں بالکل بھی ہینڈسم نہیں لگتے۔ اس لیے جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ میری اتنی ساری میلز کا بس ایک روکھا پھیکا سا جواب؟ تم ہی بتاؤ کیا یہ میری توہین نہیں؟ جی بالکل یہ میری توہین ہے۔ اللہ کا غضب میں ای میل لکھ لکھ کر آدھی نہیں رہی اور جواب دیکھو ذرا..... (غصہ)

اب اگر تم نے ایسی سڑے ہوئے کریلے جیسی شکل بنائی تو پھر ڈھونڈتے رہنا سوما کو۔ (دھمکی) جلدی سے اچھے سے خوشگوار موڈ کے ساتھ میری ای میل کا جواب دو۔ پتا ہے اللہ کو وہ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو اپنی زندگی کے ہر طرح کے حالات میں صبر کرتے ہیں، جو لوگ مایوسی سے اپنے ساتھ ساتھ اپنے پیاروں کو بھی اداس کر دیتے ہیں اللہ کو ایسے لوگ خاص پسند نہیں آتے۔ اگر اللہ کی طرف سے دیر ہو رہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سن نہیں رہا، اس کا مطلب ہے وہ ہمارے لیے بہترین کا انتخاب کر رہا ہے۔ بس وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ ہم کتنا صبر کر سکتے ہیں اگر بہترین چاہتے ہو تو اپنی شکل کو ٹھیک رکھو۔ دعا کرتے ہو تو جس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو اس پر بھروسہ بھی رکھو وہ ایسا رحیم و کریم ہے کہ گناہ گاروں کی جھولیاں بھر دیتا ہے اور پھر تم تو اچھے خاصے سدھرے ہوئے انسان ہو۔ بس اب کوئی مایوسی نہیں کوئی اداسی نہیں۔ (حکم)

اپنا بہت خیال رکھا کرو۔

تمہاری دوست جان سوما

۵ مارچ ۲۰۱۴ء

سوما!

نہیں، میں مایوس نہیں ہوں، شاید اکتا گیا ہوں، جی چاہتا ہے اب زندگی میں کوئی بدلاؤ آئے، کچھ ایسا ہو کہ شب و روز خوشگوار ہو جائے، میں اب چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو، میرے لیے، میری خوشی کے لیے مجھے تمہارا ساتھ چاہیے اور میں جانتا ہوں تم ہی ہو جو مجھے سمیٹ سکتی ہو، میری چھوٹی چھوٹی پریشانیوں کو چٹکیوں میں اڑا دینے کا ہنر تمہارے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، بس اب صبر سے انتظار کرنا ہے کہ کب وہ بادل چھٹتے ہیں اور کب وہ تبدیلی رونما ہوتی ہے جس کا انتظار برسوں سے ہے۔ میں انتظار سے گھبرانے والا نہیں ہوں لیکن جب سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ تمہیں بھی میرا ساتھ چاہیے، یہ اقرار سنا کہ تم میری محبت میں میرے سنگ ہو تو مجھ سے صبر کرنا مشکل ہو گیا، میں اپنی زندگی کو اب تمہارے ساتھ کے بنا ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب یہ انگلیوں کا کھیل ختم ہو اور ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں۔ تمہاری محبت کا ہاتھ تھامے میں نے اپنی پوری زندگی ترتیب دے لی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں وہی دن جی رہا ہوں لیکن جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی تو تم بہت فاصلے پر ہو تو میں..... سوما مجھ پر ایک تھکاوٹ طاری ہونے لگتی ہے پھر کہیں دل نہیں لگتا، مایوسیاں گھیرنے لگتی ہیں اور دل اداسیوں کا گھر بن جاتا ہے۔

تم میرے لیے اپنا خیال رکھنا۔ ہم جلدی ملیں گے۔

اللہ حافظ۔

۵ مارچ ۲۰۱۴ء

تم سا پاگل میں نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ میرے پاگل بھلا ایسے بھی کوئی محبت کرتا ہے؟ اپنے آپ پر قابو رکھو۔ ان شاء اللہ جلدی راستے آسان ہوں گے اور منزل ملے گی۔

تم بھی میرے لیے اپنا خیال رکھنا۔

تمہاری سوما

❁.....❁.....❁

ان دنوں خدیجہ بیگم اور سمیع اللہ کی کوشش تھی کہ کہیں بھی منتہا کا رشتہ طے ہو جائے، کسی اچھے گھر کی تلاش میں خدیجہ کی سوشل ایکٹیویٹیز بھی بڑھ گئی تھیں، جہاں کسی نے

اچھے گھرانے کا ذکر کیا فوراً معلومات لینے لگتیں لیکن کہیں کوئی بات بنتی نظر نہ آرہی تھی، خدیجہ کو اب ایک فکر بھی ستانے لگی تھی کہ منتہا کے ساتھ کی تقریباً ساری لڑکیوں کی منگنی یا شادی تک بات پہنچ چکی تھی لیکن منتہا کے لیے ابھی تک خدیجہ اور سمیع اللہ کو کوئی مناسب گھر نہیں مل رہا تھا۔

"کیا بات ہے آنٹی کچھ گم صم سی لگ رہی ہیں؟" سلمیٰ کا تو معمول ہی یہی تھا آئے دن منتہا کے ہاں پہنچ جاتی تھی، شام کا وقت تھا اور منتہا بوتیک سے واپسی پر سلمیٰ کو ساتھ لے آئی۔ سلمیٰ کافی دیر سے محسوس کررہی تھی خدیجہ خلاف معمول کچھ چپ چپ تھیں، منتہا کمرے میں گئی تو سلمیٰ نے جھٹ سے خدیجہ کی خاموشی کا سبب جاننا چاہا۔

"کچھ نہیں بیٹا بس ایسے ہی۔" خدیجہ کا انداز ٹالنے والا ہوا۔

"ایسے ہی کیا؟" سلمیٰ چونکتے ہوئے متوجہ ہوئی۔

"کچھ نہیں بیٹا بس منتہا کے لیے پریشان ہوں۔ میں اور تمہارے انکل چاہتے ہیں کہ اب منتہا اپنی زندگی میں سیٹل ہوجائے۔" خدیجہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن آنٹی منتہا تو ماشاء اللہ اچھی خاصی سیٹ ہے۔" سلمیٰ نے جان بوجھ کر بات کو دوسرے انداز میں بیان کیا۔

"ہاں بیٹا وہ تو شکر الحمدللہ لیکن ہم چاہتے ہیں اب منتہا اپنے گھر کی ہوجائے، شادی نہ سہی لیکن کہیں اس کی بات تو طے ہوجائے تاکہ ہمیں کچھ اطمینان تو ملے۔" خدیجہ نے اپنی پریشانی سلمیٰ کے سامنے بیان کی۔ یک دم سلمیٰ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہاں تو آنٹی کیا مشکل ہے، ہماری منتہا اتنی اچھی ہے کہ....."

"بیٹا منتہا تو اچھی ہے لیکن کوئی اچھا جیون ساتھی ملے تب ناں۔" خدیجہ نے سلمیٰ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا تو سلمیٰ کھل کر مسکرانے لگی۔

"آنٹی میں آپ کو ایک بات کہوں؟" سلمیٰ اٹھ کر خدیجہ کے پاس آکر بیٹھی اور رازدرانہ انداز میں کہنے لگی۔ خدیجہ ایک دم چونکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ہاں ہاں بیٹا کہو..... کیا بات ہے؟" خدیجہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"لیکن آنٹی آپ وعدہ کریں میرا نام نہیں آئے گا۔" سلمیٰ خدیجہ سے وعدہ لینے لگی۔

"بات کیا ہے؟ تم مجھے اب ہولا رہی ہو۔" ایک دم ہی خدیجہ کے چہرے پر فکر و پریشانی جھلکنے لگی۔

"نہیں نہیں..... آنٹی فکر والی کوئی بات نہیں۔" سلمیٰ نے بشاش لہجے میں انہیں تسلی دی۔

"پھر بھی بات کیا ہے؟" خدیجہ کو یہ اندازہ تو ہونے لگا کہ کوئی بات منتہا کے متعلق ہے لیکن یہ اندازہ نہ ہو رہا تھا کہ بات کیا ہوسکتی ہے۔

"کیا منتہا کسی کو پسند کرتی ہے؟" خدیجہ نے بنا کسی تمہید کے پوچھا۔

"نہیں آنٹی..... لیکن منتہا کو کوئی پسند کرتا ہے اور وہ اپنا رشتہ بھیجنا چاہتا ہے۔ منتہا مسلسل منع کررہی ہے۔" سلمیٰ نے وہی کہا جو سچائی تھی۔

"منتہا کیوں منع کررہی ہے؟" خدیجہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ پہلے اپنا مستقبل محفوظ کرنا چاہتی ہے پھر شادی کے حوالے سے کوئی فیصلہ لینا چاہ رہی ہے۔" سلمیٰ کی وضاحت پر خدیجہ نے سکون کا سانس خارج کیا۔

"کون ہے وہ؟" خدیجہ نے پوچھا۔

"بلال بھائی امریکہ والے۔" سلمیٰ نے بلا جھجک بتا دیا۔

"امریکہ والا بلال کون؟" خدیجہ پرسوچ انداز میں استفسار کرنے لگی۔

"شایان بھائی کے کزن۔ شادی پر جو امریکہ سے آئے تھے۔" سلمیٰ نے تعارف کرایا۔

"منتہا کو دیکھتے ہی اس پر لٹو..... میرا مطلب ہے فدا ہوگئے تھے۔" بولتے ہوئے خدیجہ کی نگاہوں کی سنجیدگی پر نظر دوڑائی تو سلمیٰ کو اپنے الفاظ کا اندازہ ہوا اور ایک دم بات بدل دی۔ خدیجہ ابھی تک سنجیدگی سے سلمیٰ کی بات کو سمجھنے

کی کوشش کررہی تھی۔

"مجھے تو یاد نہیں۔ شاید میں ملی نہیں۔" خدیجہ نے ذہن پر زور دینے کے باوجود بلال کی شکل نہ ابھری تو سلمٰی سے کہا۔

"آنٹی آپ ملی تھیں مجھے اچھی طرح یاد ہے، آپ تھوڑی کوشش کریں یاد آجائے گا۔"

"لیکن میں اتنی دور اپنی منتہا کو کیسے بھیج دوں؟ اس لیے رہنے دو، منتہا نے خود ہی منع کردیا تو اچھا ہی کیا ورنہ اتنی دور جانے کا سوچ کر ہی میرا دل ہولنے لگا ہے۔" خدیجہ نے کوئی خاص دلچسپی نہ ظاہر کی تو سلمٰی بدمزہ ہوئی۔

"آنٹی آپ کو تو واقعی یاد نہیں، انکل آنٹی تو لندن میں ہیں، بلال بھائی نیویارک اسٹڈیز کے لیے گئے ہیں واپس انہیں یہاں ہی آنا ہے۔" سلمٰی نے خدیجہ کو بتایا تو ایک دم خدیجہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اچھا واقعی؟" انہوں نے بے یقینی سے پوچھا تو سلمٰی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کہیں تو انکل آنٹی سے آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔" سلمٰی تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے چکروں میں تھی۔

"ہاں ضرور کروادو، ملنے ملانے میں کیا حرج۔"

"ہاں وہی تو..... ملنے ملانے میں کیا حرج ہے، یہی تو میں منتہا سے بھی کہتی ہوں لیکن....." سلمٰی نے تیزی سے کہا۔

"آنٹی پلیز اب میرا نام نہیں آنا چاہیے ورنہ منتہا مجھے کچا چبا جائے گی۔" سلمٰی نے منتہا کی انتہائی خوفناک صورت پیش کی تو خدیجہ ہنسنے لگیں۔

"تم فکر نہ کرو۔" وہ محبت سے بولیں اور وہاں سے اٹھ گئیں اور سلمٰی منتہا کا انتظار کرنے کے ساتھ ساتھ وعدے کے عین مطابق کہ وہ ہر ممکن طریقے سے بلال کی مدد کرے گی اب بلال کو بھی اپنے کارنامے سے آگاہ کرنے کے ساتھ چند ہدایات بھی دینے لگی تھی۔

منتہا کے آنے کے بعد کچھ دیر سلمٰی اس کے پاس ٹھہری رہی ادھر ادھر کی باتوں میں سلمٰی نے اسے بھنک بھی نہ پڑنے دی کہ بلال کی پیش قدمی کے بارے میں خدیجہ کو آگاہ کرکے بلال کو منتہا سے رابطہ کرنے کی ہدایات بھی دے چکی ہے۔ سلمٰی چلی گئی اور منتہا اپنے موبائل پر آئے بلال کے میسجز پر لب بھینچے انہیں کھول کر پڑھنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

اس کی ساری زندگی الٹ پلٹ گئی تھی، ایسی حقیقت سامنے آئی تھی کہ اس کی دنیا کو تہس نہس کردیا گیا تھا۔ اس طوفان میں نہ صرف اس نے اپنے پیاروں کو کھویا بلکہ اس کی ذات کی بھی دھجیاں اڑ گئی تھیں، سارے حق دعوے، سارے اختیارات، ساری محبتوں پر 'نفی' کی مہر لگ چکی تھی، ریان چوہدری نے اس ایکسیڈینٹ میں ارمان اور ال کو ہی نہیں اپنی پہچان کو بھی کھو دیا تھا، اپنے کمرے میں بند نہ جانے کب سے اپنا آپ تلاش کررہا تھا، ہر اس بات کو دہرا رہا تھا جو کبھی اسے اداس کیا کرتی تھی اور آج اسے ہر اک روک ٹوک کا جواز مل گیا تھا۔ ہر اک ڈانٹ کی وجہ مل گئی تھی۔

"جائیں یہاں سے مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی۔" مسلسل دستک پر ریان نے الجھ کر کہا۔

"تمہیں بات کرنی ہوگی۔" دستک میں کوئی کمی نہ آئی اور امینہ کی آواز سنائی دیتے ہی ریان نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھامے امینہ کے ساتھ ایان کو دیکھا اور پلٹ گیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" امینہ نے اندر قدم رکھا تو ریان نے بے انتہا سنجیدگی سے کہا۔

"بھوک نہیں تب بھی تھوڑا سا کھانا تو کھانا پڑے گا، ورنہ ان سب حالات کا مقابلہ کیسے کرو گے؟" امینہ کی بجائے ایان نے جواب دیا تو ریان خاموشی سے ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہارے بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں، جب تک جسمانی قوت نہ ہو ذہنی خلفشار کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔" امینہ نے جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے بنا کسی حیل وحجت کے پکڑ لیا۔

"دیکھو ریان جو کچھ امی نے کہا اس کو زیادہ سنجیدگی سے لینے کی ضرورت نہیں، تم اب کوئی چھوٹے بچے نہیں ہو نہ ہی خدانخواستہ ایسی حالت میں ہو کہ تمہیں کسی کا محتاج ہونا پڑے، اس لیے ڈٹ کر سب چیزوں کا مقابلہ کرنا ہی اس وقت کا تقاضہ ہے۔" ایان نے ریان کے پاس بیٹھتے ہوئے ملائمت سے بات شروع کی۔

"بھائی وہ....." ریاں نے جواب دینا چاہا لیکن بے تحاشہ آنسوؤں کے ریلے نے اس کے سارے الفاظوں کو بہادیا۔ وہ کچھ بول نہیں سکا تو ایان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"میں جانتا ہوں امی نے بہت بڑی بات کہہ دی، وہ یہ تک بھول گئیں کہ انہوں نے تمہیں پالا ہے، بے دلی سے ہی سہی تمہارے لیے راتوں کو جاگی ہوں گی اور کیسے لمحوں میں پرایا کردیا؟ پھر بھی اگر انہوں نے ایسا کہہ بھی دیا تو بھی تم کوئی غیر نہیں ہو یار کزن ہو، خون ہو ہمارا، اس لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ایان ہر ممکن طریقے سے اسے تسلی دینے کی کوشش کررہا تھا۔

"اپنا بنا کر پرایا کردیا۔" ریان نے انتہائی مدھم آواز میں کہا۔ امینہ نے اس کی سرگوشی سنی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"تم ایسے ہی پریشان ہورہے ہو۔ ضرور تایا کی کوئی مجبوری ہوئی ہوگی ورنہ کوئی اپنی اولاد کو ایسے نہیں دیتا۔" ایان نے کہا تو ریان نے چونک کر اسے دیکھا، ایک دم ایان نے نظریں ہٹالیں۔

"چھوڑو اب یہ اداسی، ارمان بھی نہیں ہے یوں سمجھ لو اللہ نے تمہیں ارمان کی جگہ ہمارا بھائی بنادیا ہے۔" ایان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اپنا بنا کر پرایا کردینے کا غم ایسا نہیں ہے بھائی کہ چٹکیوں میں اڑادیا جائے، میں تو نہ اُن کا رہا نہ اِن کا۔"

"تم ہمارے ہو یار۔ اب بس کوئی بحث نہ کرنا۔" ایان نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"اب کھانا کھالو اس سے پہلے کہ ٹھنڈا ہوجائے۔" امینہ نے مداخلت کی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ چلو ریان کھانا کھالیتے ہیں میں نے بھی ابھی تک نہیں کھایا۔" ایان بنا اس کی طرف دیکھے اٹھ کر کشن پر بیٹھ گیا جہاں امینہ نے کھانے کی ٹرے رکھ دی تھی۔ ریان خاموشی سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھا جہاں امینہ نے اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی تھی۔ انتہائی بے دلی سے ریان نے نوالہ منہ میں رکھا، صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا، دوائی بھی کھانی تھی اور سچ بات بھی یہی تھی کہ اگر کھائے گا نہیں تو ہمت کیسے آئے گی، اسی خیال کے تحت ریان نے ساری بیزاری کو پرے دھکیل کر معمول کے مطابق کھانا کھایا۔ ایان اور امینہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرادیے۔

"تم بہت باہمت لڑکے ہو ریان۔" ایان نے مسکراتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی۔

"جتنا اپنے آپ کو سنبھالو گے اتنا جلدی سب ٹھیک ہوسکے گا۔" امینہ نے بھی کہنا ضروری سمجھا۔

"ارمان بھائی اور امل بجو کو بہت چوٹیں آئی تھیں کیا؟" ریان نے بہت مدھم آواز میں پوچھا۔

"ان دونوں کی زندگی ہی اتنی تھی ریان، چوٹیں زیادہ آئی تھیں یا کم، ان کا وقت پورا ہوچکا تھا، تمہارا کوئی قصور نہیں ہے، ایسی باتیں سوچ کر خود کو تکلیف دینے کے سوا تم کچھ نہیں کرو گے۔ اس لیے بھول جاؤ یہ باتیں اور اپنی زندگی کو بہتر بناؤ۔" ایان نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"جی بھائی میں پوری کوشش کروں گا کہ امی کی ساری تلخ باتوں کو بھلا کر..... اپنی زندگی کو بہتر بنا سکوں۔" ریان کہتے ہوئے ذرا رکا۔

"گڈ بوائے..... اب آرام کرو۔" ایان اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا یہ تو ریان ہی جانتا تھا لیکن ایان کے چہرے پر ایک اطمینان جھلکنے لگا تھا۔ امینہ برتن لیے کمرے سے نکل گئی تو ایان بھی ریان کو آرام کا مشورہ دیتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ ریان نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کیں تو بھیگی پلکوں سے نمکین پانی کو بہنے دیا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے ریان جلدی سنبھل جائے گا؟"

امینہ نے ایان سے پوچھا۔

"نہیں..... جہاں تک میں جانتا ہوں اور جتنا حساس ریان ہے اس کے لیے امی کا یہ رویہ اور یہ حقیقت کہ وہ امی اور ابو کا بیٹا ہی نہیں ہے جوں جوں یہ حقیقت اس کے اندر گہری ہوتی جائے گی اس کی اداسی میں اضافہ کرتی جائے گی۔" ایان نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" امینہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں، ہم کیا کرسکتے ہیں، سوائے دعا اور ریان کو ہمت دلانے کے۔" ایان نے مدھم رنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بہروز انکل کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا، کر ہی دیا تھا تو پھر اب خالہ جان کا ردعمل بھی غلط ہے کیونکہ خالہ اور مختیار انکل بھی تو راضی ہوئے ہوں گے ناں کہ یہ بات کسی کو نہ بتائی جائے، اور میں تو حیران ہوں کہ کیسے راز رکھ لیا۔" امینہ کو سلیمہ بیگم کے ردعمل کا شدید صدمہ تھا۔

"کوئی بھی راز جو دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان ہوتا ہے راز نہیں رہ سکتا، کسی نہ کسی ذریعے سے دنیا کو پتا چل ہی جاتا ہے، کوئی معاہدہ ہوا تھا یا نہیں لیکن راز فاش ہوگیا۔" ایان نے کہا تو امینہ نے تائید کی۔

"ہاں لیکن جو ہوا اچھا نہیں ہوا۔" امینہ نے پھر اس فیصلے کی مذمت کی۔

"اللہ کرے گا سب جلد ٹھیک ہوجائے گا۔" ایان نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے قدرے عجلت کا مظاہرہ کیا۔

"مجھے باہر جانا ہے ایک دو ضروری کام کرنے ہیں تم پلیز ذرا دھیان رکھنا اور کچھ دیر بعد پھر ریان کی خبر لے لینا۔ امی کا بھی خیال رکھنا۔" ایان نے امینہ کو کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایان۔" امینہ نے جاتے ہوئے ایان کو پکارا۔ ایان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ ریان کے معاملے میں بہروز انکل سے رابطہ کریں؟" امینہ نے کافی دنوں کی سوچ کو الفاظ دیے۔

"میں ان سے رابطہ کرکے کیا کہوں؟ اب جب یہ بات پورے خاندان میں کھل ہی چکی ہے اصولی طور پر اب ان کو چاہیے تھا کہ وہ ریان سے رابطہ کرتے۔" امینہ کو ایان کے لہجے میں ہلکا سا ناگواری کا تاثر محسوس ہوا۔

"آپ بہروز انکل سے کہیں کہ ریان سے رابطہ کریں۔" امینہ نے جھجکتے ہوئے کہا، ایان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں کیسے کہوں کہ ریان سے رابطہ کریں؟ یہ تو ان کے اپنے سوچنے کی بات ہے ناں۔" ایان نے سنجیدگی سے کہا۔

"بالکل ہے، میری بات پر غور کریں اگر وہ کچھ کرسکتے تو کیا اتنا عرصہ تک یونہی خاموش رہتے؟ ریان سے بھتیجے کی صورت بھی تو پیار جتا سکتے تھے لیکن وہ تو....."

"خیر دیکھتے ہیں۔" ایان اس کی بات کاٹ کر بولا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ امینہ کچھ دیر کھڑی اپنی ہی بات کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر سر جھٹک کر سلیمہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

خدیجہ بیگم کو ایک امید تو بندھی تھی، جب سے سلمٰی نے انہیں بلال کی منتہا میں دلچسپی سے آگاہ کیا تھا، وہ تب سے ہی سوچ بچار میں مبتلا تھیں لیکن منتہا کی عدم دلچسپی کی خبر ایسی تھی جو انہیں کسی پیش رفت سے روک رہی تھی، وہ دل و جان سے چاہتی تھیں کہ منتہا کی کسی اچھے گھرانے میں بات طے ہوجائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں منتہا کی خوشی بھی عزیز تھی۔ منتہا ان دنوں اپنے سولوشو کی تیاریوں میں بے حد مصروف تھی، چاہنے کے باوجود خدیجہ کو وقت نہیں مل رہا تھا کہ اس سے کوئی بات کرسکیں۔

"منتہا بیٹا، بہت تھک گئی ہو کیا؟" منتہا شام کو واپس آئی تھکن سے نڈھال وجود کے ساتھ صوفہ پر بیٹھی خدیجہ کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"اب تو کام ختم ہی ہے۔ ایک دو دن کی بات ہے

بس۔" منتہا نے سستی سے جواب دیا۔

"کیوں اتنا کام کررہی ہو اور پھر اپنے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتی اب تو۔" اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے خدیجہ نے ممتا سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"مما..... یہ تو میرا شوق ہیں کام نہیں۔" منتہا ہنستے ہوئے بولی۔

"یہ کیسا شوق ہیں جو اتنا تھکا دیتا ہے۔" خدیجہ نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں مما میں تھکی نہیں۔" منتہا ایک دم اٹھ بیٹھی اور خدیجہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں..... آپ نے کوئی بات کرنی ہے کیا؟" منتہا نے ایک دم بھانپ لیا کہ اب خدیجہ کسی بات کی تمہید باندھ رہی ہیں۔

"نہیں کوئی ایسی بات تو نہیں بس میں چاہتی ہوں کہ....."

"اب تمہارا رشتہ طے ہو جائے، تمہارے ساتھ کی ساری لڑکیاں منگنی شدہ اور کچھ تو ایک ایک بچہ بھی گود میں لیے گھومتی ہیں۔" منتہا جو بغور انہیں دیکھ رہی تھی، خدیجہ کی بات پوری ہونے سے پہلے تیزی سے بولی تو خدیجہ اسے گھورنے لگی۔

"تمہیں کیسے پتا میں یہ کہنے لگی ہوں؟" خدیجہ کسی چھوٹے بچے کی طرح منہ بناتے ہوئے بولی تو منتہا نے ہنستے ہوئے دونوں بازو ان کی گردن میں حائل کرتے ہوئے لاڈ سے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

"پچھلے سوا سال سے آپ کی ایک ہی خواہش جیسے باقی رہ گئی ہے کہ جلدی سے مجھے اس گھر سے نکال باہر کریں۔ اس لیے اب جانتی ہوں کہ میری ڈارلنگ مما کس وقت کس بات کی تمہید باندھا کرتی ہیں۔" اگلے پل منتہا نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے؟ ہر ماں یہی تو چاہتی ہے کہ اس کی اولاد....."

"پرائی ہو جائے۔" منتہا نے ایک بار پھر شرارت سے ان کی بات کاٹ دی۔

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا لیکن بروقت اولاد کی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنا والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے، ایسے میں اولاد کو چاہیے کہ ہر بات کو کاٹ کر اپنی بات نہ کیا کرے۔" خدیجہ نے منتہا کی ذہانت اور برجستگی پر منہ بسور کر کہا تو منتہا نے قہقہہ لگایا۔

"آپ کی منتہا کی ذہانت کے چرچے تو دور دور تک پھیلے ہیں اور آپ ہیں کہ اس ذہانت سے نالاں نظر آرہی ہیں؟" منتہا نے ہنس کر کہا۔

"نہیں نالاں نہیں، تم تو ہمارا فخر ہو لیکن بیٹا میں چاہتی ہوں کہ....."

"مما جو آپ چاہتی ہیں وہ بھی ہو جائے گا پہلے ذرا مجھے اپنا آپ سیٹل تو کرنے دیں۔" ہر بار کی طرف اب بھی منتہا نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔

"اپنا مستقبل سیٹل کر کے کیا کرنا ہے؟ عورت کی اصل ترجیح اس کا گھر ہوتا ہے، یوں ہی باہر کے کاموں کے لیے بھاگتی رہو گی تو اپنے گھر پر توجہ کیسے دو گی؟" خدیجہ نے سنجیدگی سے کہا تو منتہا نے لب بھینچ لیے۔

"دیکھو بیٹا میں یہ نہیں کہتی کہ یہ سب نہ کرو لیکن اتنا نہ کرو کہ گھر بنانے کی پھر ہمت ہی نہ رہے۔" خدیجہ بہت نرم و ملائم لہجے میں منتہا سے مخاطب ہوئیں۔ منتہا سر جھکائے بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی۔

"تمہیں تو سب معلوم ہے بیٹا کہ عورت اگر باہر کے کاموں کے لیے بھاگتی رہے گی تو وہ کبھی سیٹل نہیں ہو سکے گی۔ ایک عورت کی اصل کامیابی یہی ہے کہ اس کے گھر میں اس کی دلچسپی رہے۔" خدیجہ کا مسکراتا لہجہ منتہا کو ایک سکون دے رہا تھا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں مما کہ آپ میری ماں ہیں، ایک بیٹی کے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی یہی ہوتی ہے کہ اس کی ماں اسے گھر بسانا سکھائے، میں یہ سب شوقیا کر رہی ہوں مما، تب تک جب تک مجھ پر کوئی بڑی ذمہ داری نہیں۔ ان شاء اللہ جیسے ہی مجھ پر اپنے گھر کی ذمہ

داری آئے گی میری ترجیح بھی صرف وہ گھر اور وہ رشتے ہوں گے۔" منتہا سر جھکائے مدھم لہجے میں بولی تو خدیجہ نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"تم بشیر انکل کی فیملی کو جانتی ہو ناں؟" اگلے پل خدیجہ کے سوال نے منتہا کو چونکایا۔

"بشیر انکل..... لندن والے؟" منتہا نے تصدیق کی تو خدیجہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نہیں زیادہ نہیں بس نام ہی سنا ہے۔" منتہا نے کہا تو خدیجہ نے پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" منتہا نے استفسار کیا۔

"ان کا بیٹا بلال جو امریکہ میں ہوتا ہے، مجھے پتا چلا ہے کہ وہ اس کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنا چاہتے ہیں۔" خدیجہ نے بتایا تو منتہا بدک کر پیچھے ہوئی۔

"کیسے پتا چلا مما..... میرا مطلب ہے کیا انکل آنٹی نے کوئی بات کی ہے آپ سے؟" منتہا ایک دم گھبرائی، اس کے تو وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ خدیجہ کبھی بھی بلال کے حوالے سے کوئی بات کر سکتی ہیں۔

"نہیں..... انہوں نے ایک دو لوگوں سے پوچھا ہے تمہارے بارے میں، تمہارے کام اور دیگر مصروفیات کے حوالے سے بھی کافی معلومات لی ہیں۔" خدیجہ، وعدے کے عین مطابق سلمٰی کا نام نہیں لینا چاہتی تھیں۔

"اچھا مطلب ابھی انہوں نے خود کوئی بات نہیں کی اور آپ ایسے ہی رشتہ جوڑنے بیٹھ گئیں۔" منتہا نے آسودگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹا مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ کسی اچھی فیملی نے تمہارے بارے میں معلومات لی، بشیر بھائی اور عابدہ کا شمار ہمارے حلقۂ احباب میں بہت اچھے لوگوں میں ہوتا ہے، میں نے ان کے بیٹے بلال کو دیکھا تھا شایان کی شادی میں لیکن اب ذہن میں نہیں۔" خدیجہ کو رضا مند دیکھ کر منتہا بدمزا سی ہوئی۔

"اونہہ..... بلی کو خواب میں چھیچھڑے۔" منتہا نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا لڑکی؟" خدیجہ نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اونہہ..... تو کون میں خوامخواہ۔" منتہا ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔

"ایک ذرا معلومات کیا لے لی آپ تو مجھے رخصت کرنے پر ہی راضی ہو گئیں۔ والدہ ماجدہ صاحبہ ایسے تھوڑی نہ میں اتنی آسانی سے یہاں سے نکل جاؤں گی۔" منتہا نے دھونس جماتے ہوئے کہا تو خدیجہ بھی ہنس دیں۔

"ارے پاگل ہو گیا؟ ایسے نہیں رخصت کروں گی اچھا خاصا دے دلا کر ہی وداع کروں گی پریشان نہ ہو۔" خدیجہ بھی مکمل مذاق کے موڈ میں بولیں تو منتہا نے آنکھیں پھیلا کر انہیں دیکھا۔

"مما....." منتہا چلائی تو خدیجہ ہنسنے لگی۔

"بشیر بھائی کی فیملی سے سلمٰی کا رابطہ ہے، اسی نے تو کنفرم کیا تھا کہ جو باتیں میں نے سنی ہیں وہ سچ ہیں۔"

"کیاااا.....! سلمٰی باجی نے یہ معلومات دیں؟" خدیجہ نے بلا ارادہ ہی سلمٰی کا نام جب لیا تو منتہا کے ردعمل نے انہیں بتا دیا کہ وہ وعدہ خلافی کر چکی ہیں۔

"نہیں نہیں..... اس نے نہیں معلومات دی ہیں نے اس سے کنفرم کیا، اس کا رابطہ ہر کسی سے ہے تو میں نے سوچا اسے معلوم ہوگا کہ اس معلومات کی اصل وجہ کیا ہے۔"

"ہاں اور آپ نے سلمٰی باجی سے تصدیق کی اور انہوں نے بلال کی پسندیدگی کی ساری معلومات آپ کے گوش گزار کر دیں اور آپ اپنی طرف سے ہاں کر کے بیٹھ گئیں۔" منتہا نے قدرے تیز و تلخ لہجے میں کہا تو خدیجہ بوکھلائیں۔

"نہیں تو..... بلال کی پسندیدگی کی تو کوئی بات نہیں پتا مجھے، یہ کیا قصہ ہے؟" خدیجہ نے ایک دم بات کا رخ بدل کر اپنی دلچسپی کو بلال کی پسندیدگی کی طرف مبذول کیا۔

"کوئی قصہ نہیں....." منتہا نے ناگواری سے کہا اور

تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

"بیٹا سنو تو..... منعہا بیٹا..... بات تو سنو....." خدیجہ پکارتی رہ گئیں لیکن منعہا سنی ان سنی کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی اور خدیجہ بیٹھی سرد آہیں بھرنے لگی تھیں۔

❁.....❁.....❁

وہ آنکھیں محبت کے حسین تاج محل کے زمین بوس ہونے سے خوف زدہ تھیں جس کے ملبے تلے محبت سسکتی، تڑپتی دم توڑ جاتی ہے، وہ آنکھیں ہر اک آہٹ پر خوف زدہ ہو جاتی تھیں کہیں جذبے تہی داماں نہ رہ جائیں، ان آنکھوں کے آنسو اب پتھر ہو چکے تھے، دھڑکنیں بھی ایک سوچ پر بے ہنگم انداز اپنا لیتی تو کبھی جب کوئی سوچ ذہن میں نہ آتی تو ساکت و جامد ہو جاتیں۔ کیسے یہ یقین کرنا ہوگا کہ جانے والے لوٹ کر نہیں آتے؟ جو اچانک بنا کسی آہٹ کے کھو جائیں ان کی واپسی کا انتظار محبت پر واجب ہو جاتا ہے لیکن کتنا انتظار اور کتنا انتظار..... آخر کب تک انتظار کرنا ہوگا، کب تک یوں ہی راہ تکنی ہوگی، کب یہ خبر ملے گی کہ یہ انتظار لاحاصل نہیں رہا، کب یہ معلوم ہوگا کہ محبت نے راستہ نہیں بدلا..... کب؟ جب پلکیں جھپکانا تکلیف دے قرار پایا، سانسوں کی ڈور اکھڑنے لگتی تو ایک امید جاگ جاتی..... تھوڑا انتظار اور کچھ دن سانسوں کے سلسلے کو بحال رکھو۔ جب انتظار کا وعدہ کیا تھا تو اب انتظار کرنا تھا چاہے آنکھیں پتھرا جائیں، چاہے سانسیں اکھڑنے لگیں، چاہے جذبے منجمد ہو جائیں اگر انتظار ہی محبت کی آخری شرط ہے تو وہ آنکھیں ہر شرط پوری کرنے پر آمادہ تھیں۔ وہ آنکھیں اس بات سے انجان نہ تھیں کہ محبت کا ہر موڑ ایک گہری کھائی کی مانند ہوتا ہے، یقین کی چھڑی کو مضبوطی سے تھام کر رکھنے سے ہی منزل کی نوید مل سکتی ہے۔ وہ پلکیں جھپکیں۔ نہ جانے کب کا جما ہوا آنسو پگھلا اور اپنی حد پار کرتے ہوئے رخساروں سے گزرتا کہیں جذب ہو گیا تھا۔

❁.....❁

قسمت نے ایک عجیب سی بے کلی اس کے شب و روز کا حصہ بنا دی تھی، نہ تو اسے کسی سے بات کرنے کا جی چاہتا تھا نہ اکیلے پن کے کچوکے برداشت ہوتے تھے۔ ایان نے جو کہا وہ ٹھیک تھا اسے کیا فرق پڑتا ہے وہ کوئی چھوٹا دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ پالنے والی نے ہاتھ جھٹک دیا تو وہ سنبھل نہ سکا لیکن ایسا کیوں کیا تھا کہ اس سے سلیمہ بیگم کا یہ رویہ نہ برداشت ہو رہا تھا اور نہ یہ سہہ پا رہا تھا کہ وہ سب رشتے جن پر وہ اپنے حق جتایا کرتا تھا وہ اس کے سگے ہیں ہی نہیں۔ وہ ہوش و حواس رکھنے والا اپنی کمائی کرنے والا کسی کا محتاج نہ تھا تو کیوں پھر ایسے ٹوٹ گیا، اسے کیوں پروا ہو رہی ہے اگر اسے پرایا کیا جا رہا ہے تو کیوں اتنا دکھ ہو رہا ہے؟ وہ چاہ کر بھی نہیں سمجھا پا رہا تھا کہ ہر انسان چاہے وہ کتنا ہی خود مختیار ہو جائے اندر سے وہ ایک چھوٹا بچہ ہی رہتا ہے، جو رشتوں کے کھو جانے اور اکیلے رہ جانے کے خوف سے ٹوٹ جاتا ہے، ایک ذرا سی ٹھوکر ایسی کاری ضرب معلوم ہوتی ہے جو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ ریان بھی ایسی ہی ایک کڑی چوٹ سے نڈھال پڑا تھا۔ اسے بے شمار شکوے ہونے لگے، اپنے آپ سے، اپنے ان اپنوں سے جو اسے اپنا بنا کر لائے اور پرایا کر دیا، اس اپنے سے جس نے اسے پرایا کر دیا اور کبھی پلٹ کر خبر نہ لی۔

"کیوں کیا ایسے..... کیوں مجھے چھوڑ دیا؟" وہ اس حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے تو اب کسی سہارے کی ضرورت نہیں پھر اس پرائے پن کا سوگ کیوں منا رہا ہے۔

"ایسی کیا مجبوری تھی کہ مجھے..... اپنے ہی بیٹے کو پرایا کر دیا۔" وہ دل ہی دل میں بہروز سے مخاطب ہوا۔

اس کا فون اس ایکسیڈینٹ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور تا حال نہ اسے اس بات کی پروا تھی کہ اس کے پاس ابھی تک فون نہیں نہ کسی نے اس جانب توجہ دی تھی۔ دن ہفتوں میں بدلے، ہفتے مہینوں میں اور اب مہینے سال میں بدلنے لگے تھے ریان ابھی تک سنبھلا تھا نہ کوشش کی کہ سنبھل سکے۔ ارمان اور ال کی جدائی کا دکھ، اپنے اوپر لگے الزام کا دکھ، اپنے پاؤں کے کٹ جانے اور ایک لکڑی کے سہارے کو تھام لینے کا دکھ، پرایا ہو جانے کا دکھ دن بدن وہ

ڈپریشن کا شکار ہونے لگا تھا، سلیہ بیگم مکمل لاتعلقی برتتے ہوئے ابھی تک ارمان اور ال کے غم میں آنسو بہاتے ہوئے ریان کو سہا کرتی تھیں۔ مختیار بھی خاموش تھے، ایان اور امینہ ریان کو حوصلہ دیتے رہتے تھے، جب بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو تھکنے لگے تھے۔ فرحان بھی کوشش میں تھا کہ کسی طرح ریان اپنی نارمل روٹین میں واپس آجائے لیکن تاحال اسے کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔

لاکھ ہمت کو مجتمع کر کے ان میں یہ حوصلہ پیدا ہوا تھا کہ ریان کے سامنے ایک بار اپنی وضاحتیں پیش کریں لیکن اس کوشش میں بھی ایک جھجک اور بیزاری تھی جس نے دن، ہفتے اور پھر مہینے گزار دیے۔ کمرے میں مکمل تاریکی میں اپنے آپ میں گم بیٹھے تھے ان کے وجود کی پوری دنیا ہی اندھیرے میں ڈوبی تھی، مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ ایک بڑے جرم کے مرتکب تھے کے اس کا کوئی ازالہ ممکن ہی نہ تھا۔ وہ بھولے نہ تھے لیکن کبھی یاد نہ کرنے کی شرمندگی آج بہروز چوہدری کو شرمساری میں مبتلا کر رہی تھی۔ مومنہ کے سامنے ساری حقیقت بیان کرنے کا مقصد اپنے آپ کو اس جرم سے بری الذمہ قرار دینا تھا لیکن ایسا بھی نہ ہو سکا تھا۔

"ابو....." مومنہ نے بہروز کو پکارا جو نہ جانے کب سے آنکھیں موندے لیٹے ہوئے تھے۔

"جی بیٹا..... کیا ہوا؟" نیم وا آنکھوں سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کب رابطہ کریں گے آپ ریان بھائی سے؟" ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے ان کا سر دباتے ہوئے مومنہ نے پوچھا۔

"کوشش کرتا ہوں کہ جلدی کرلوں۔" وہ مدھم لہجے میں بولے۔

"جلدی کب؟ پچھلے تین ماہ سے تو آپ ایسے ہی کہہ رہے ہیں، ہوسکتا ہے ریان بھائی انتظار کر رہے ہوں، ہوسکتا ہے انہیں اس وقت آپ کے ساتھ کی ضرورت ہو؟ اگر آپ ایسے خاموشی کا مظاہرہ کریں گے تو ریان بھائی آپ سے مزید بدظن ہو جائیں گے۔" مومنہ نے کہا تو بہروز ایک دم اٹھ بیٹھے۔

"کیا اس نے کچھ کہا..... تمہاری بات ہوئی؟" انہوں نے بے قراری سے استفسار کیا۔

"نہیں ابو میری بات نہیں ہوئی لیکن امینہ بھابی سے بات ہوتی رہتی ہے، وہ بتا رہی تھیں کہ ریان بھائی کسی سے بات کرتے ہیں نہ اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہیں۔ بہت زیادہ ڈپریشن میں ہیں، میں نے کہا بھی تھا کہ میری بات کرائیں لیکن ابھی تک ریان بھائی نے بات نہیں کی۔" مومنہ نے انہیں تفصیل بتائی۔

"تم سے بات نہیں کی تو مجھ سے کیسے کرے گا۔" بہروز بیزاری اور مایوسی سے گویا ہوئے۔

"آپ کی بات الگ ہے ابو، آپ کوشش تو کریں۔" مومنہ نے ان کی مزید ہمت بندھائی۔ بہروز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر ہم ریان بھائی کو یہاں بلالیں گے۔" اگلے پل مومنہ خوشی سے چہکی۔

"کیوں؟ یہاں کون سے لنگر لگے ہیں جو ریان بھائی کو یہاں بلالوگی؟" عالیہ کی تیز و تلخ آواز پر مومنہ نے یک دم بہروز کے فق چہرے کی طرف دیکھا۔

"کیوں امی..... ریان بھائی یہاں کیوں نہیں آسکتے؟" مومنہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں سے سوال کیا۔

"اس لیے کے یہ میرا گھر ہے اور میرے گھر میں کون آئے گا اس فیصلے کا اختیار صرف میرے پاس ہے۔" عالیہ نے قہر آلود نظروں سے مومنہ کے بدلے انداز کو دیکھ کر کہا۔

"گھر تو یہ ابو کا بھی ہے امی۔" مومنہ نے بہروز کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو عالیہ نے انتہائی غصیلے تیوروں سے اس کی جانب پیش قدمی کی۔

"اگر حسنین بھائی یہاں رہ سکتے ہیں تو ریان بھائی کا بھی پورا حق ہے کہ وہ یہاں آئیں۔" عالیہ اس کے پاس پہنچی تو مومنہ نے اپنی بات مکمل کی۔ عالیہ ایک دم طیش میں

آ گئی۔

"تم کیوں اتنی پٹر پٹر کر رہی ہوں؟ یادر کھنا مزید بکواس کی تو زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔" مومنہ کو تھپڑ رسید کرتے ہوئے عالیہ نے دانت پیستے ہوئے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا کر رہی ہو عالیہ؟ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا بیٹی پر ہاتھ اٹھا رہی ہو۔" بہروز سے عالیہ کا رویہ برداشت نہ ہوا تو غصے سے بولے۔

"آپ کی پڑھائی ہوئی بیٹی ہوگی ورنہ اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی اپنی ماں سے بدتمیزی کرنے کی۔" عالیہ غصے سے گویا ہوئی۔

"کون سی بدتمیزی کی؟ کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہے، میں ہی بزدل تھا اور ہوں جو بڑوں کے فیصلے اور تمہاری شرطوں کو مان کر اپنے ہی بیٹے کو دربدر کر دیا۔" بہروز زندگی میں پہلی بار عالیہ سے اس انداز میں بات کر رہے تھے۔

"واہ بہت خوب بہروز صاحب۔ جب تک اپنا مفاد تھا تب تک سب ٹھیک تھا اب جب مختیار بھائی نے اسے ٹھکرایا تو سارا قصور میرا ہو گیا۔" عالیہ اپنی ازلی جہالت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے لڑاکا انداز میں بولی۔

"میرا کوئی مفاد نہیں تھا مجبوری تھی۔" بہروز تلخی سے بولے۔

"اونہہ مجبوری تھی، مرد کی مجبوریاں عورت کو زندگی کے کسی بھی حصے میں ذلیل و خوار کر سکتی ہیں۔" عالیہ نے بھی کڑوے لہجے میں بہروز کی مجبوریوں کا مذاق اڑایا۔

"تمہارے سامنے ہی سارے حالات تھے، بڑوں کے فیصلے تھے اور میں اگر اس وقت تمہاری طرف سے ایسی کوئی شرط نہ رکھی جاتی تو شاید آج ایسے حالات نہ ہوتے، کسی اور کے بیٹے کو آسرا دینے کی جدوجہد میں، میں نے اپنے ہی بیٹے کو بے سہارا کر دیا اور سب کی مان لی کہ کبھی اس بات کا ذکر ہی نہیں کرنا۔" بہروز کے لہجے میں دنیا جہان کا پچھتاوا در آیا تو عالیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"واہ بہروز صاحب، احسان کر کے اس عمر میں طعنہ دے ہی دیا۔" بہروز نے چونک کر عالیہ کو دیکھا۔

"امی ابو نے تو کوئی طعنہ نہیں دیا۔" مومنہ حیرت سے بولی۔

"تو چپ کر، بڑی آئی ابو کی طرف دار....." عالیہ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا پھر روتے ہوئے بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئی۔

"عالیہ میں نے تو..... عالیہ....." بہروز اسے پکارتے ہی رہ گئے لیکن وہ رکی نہ پلٹ کر دیکھا۔ بہروز نے مدد طلب نظروں سے مومنہ کو دیکھا۔

"آپ کو امی کی عادت کا تو پتا ہی ہے ناں۔" مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا تو بہروز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بس آپ درگزر کر دیں اور ریان بھائی سے بات کریں اور انہیں سارے حالات بتا کر انہیں اپنے پاس آنے کا کہیں۔" مومنہ، عالیہ کی بیٹی ہونے کے باوجود اس سے یکسر مختلف عادات کی مالک تھی، اسے رشتوں کی قدر تھی اور وہ مل کر رہنے کی قائل تھی۔

"کیا وہ مان جائے گا، میرا یقین کر کے یہاں آجائے گا؟" بہروز کے دل میں ابھی تک بہت سے خوف تھے۔

"آپ کوشش تو کریں، آپ کی مومنہ آپ کے ساتھ ہے اور پھر ہم ایان بھائی اور امینہ بھابی کی مدد بھی لے سکتے ہیں لیکن پہلا قدم آپ نے اٹھانا ہے ابو۔" مومنہ اپنی عمر سے زیادہ بڑی باتوں سے بہروز کو حیران کر رہی تھی۔

"اللہ تمہارے نصیب بہت اچھے کرے، اپنے باپ کے حصے کی ساری خوشیاں اللہ تمہاری جھولی میں ڈال دے۔" بہروز اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بہت محبت سے بولے۔

"تھوڑی خوشیوں کی دعا ریان بھائی کے لیے بھی رہنے دیں، میں تو پھر بھی ایک مکمل زندگی جی رہی ہوں ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔" مومنہ نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

مومنہ اپنی بات کہہ کر اور انہیں بہت ساری ہمت دلا کر وہاں سے جا چکی تھی اور بہروز بیٹھے الفاظ ترتیب دے رہے

تھے کہ کیسے ریان سے بات کریں گے۔

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" سوچ کے تحت انہوں نے ایان کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل بج رہی تھی اور ان کے دل کی دھڑکن تیز بھی ہو رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ مسلسل اس کی قہر آلود نظروں کو محسوس کر کے نظر انداز کر رہی تھی لیکن لاتعلق بنی بیٹھی رہی تھی، جانتی تھی اب جب وہ بولے گی تو کفن پھاڑے گی۔

"مجھ معصوم، دلنشین حسینہ سے کیا خطا سرزد ہوگئی کہ آپ جناب مجھے یوں ترچھی نگاہوں کا شرف بخش رہی ہیں۔" جب کافی دیر تک اس کی طرف سے یوں ہی گھورنا برقرار رہا تو سلمیٰ کی نظر انداز کرنے کی ہمت بھی جواب دے گئی اور بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"""کیا میں آج بہت پیاری لگ رہی ہوں؟" منتہا اتنے غصے میں تھی کہ اس کے پوچھنے پر بھی نہ بولی تو سلمیٰ نے پھر استفسار کیا۔

"پیاری نہیں زہر سے بھی زیادہ بری۔" دانت کچکچاتے ہوئے منتہا نے حتی المکان کوشش کی کہ اس کا شدید غصہ ظاہر ہو جائے۔

"ہیں.....! وہ کیوں، آخر وجہ کیا ہے اور میں نے کیا کر دیا ہے اب؟" سلمیٰ سارا کام چھوڑ چھاڑ کر پوری طرح منتہا کی طرف متوجہ ہوئی جس کے تیور خاصے خطرناک حد تک بگڑے ہوئے تھے۔

"سلمیٰ باجی آخر آپ کو کیا ضرورت تھی مما سے اس بلال کے بارے میں معلومات دینے کی؟" منتہا نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جاناں۔ میں نے کچھ نہیں بتایا۔" اگر خدیجہ اپنی غلطی کے بارے میں سلمیٰ کو بتا نہ دیتی تو یقیناً اس وقت وہ اچھی خاصی نروس ہو رہی ہوتی۔

"اچھا تو انہیں کیا الہام ہوا ہے؟" منتہا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"ماؤں کو اکثر ایسے الہام ہوتے ہی رہتے ہیں۔" سلمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سلمیٰ باجی۔" منتہا نے بے بسی سے فقط اتنا ہی کہا۔

"دیکھو تم نے کہا تھا تمہیں اور کوئی پسند نہیں....." سلمیٰ کے سوال پر منتہا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"بلال بھائی دل و جان سے اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح تم ان کے لیے ہاں کہہ دو، وہ بہت اچھے اور شریف انسان ہیں، پڑھے لکھے ہیں، اچھے فیملی سے تعلق ہے، تمہیں چاہتے ہیں تو کیا مسئلہ ہے یار؟" سلمیٰ نے قدرے رعب سے اور زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"سلمیٰ باجی میں نے کب کہا کہ کوئی مسئلہ ہے؟" منتہا نے منہ بسور کر کہا۔

"تو پھر اتنے نخرے کیوں دیکھا رہی ہو؟" سلمیٰ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو بس یہ کہہ رہی کہ آخر ایسی کیا جلدی ہے؟" منتہا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ان سب کو سمجھائے۔ کیسے انہیں بتائے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟

"دیکھو تمہیں کس نے کہا کہ ابھی، اگلے ہفتے یا مہینے بھر میں شادی کر لو، رشتہ طے ہو جائے بلال بھائی تقریباً دو سال تک شادی نہیں کر سکتے تم بھی تب تک سیٹل ہو جاؤ گی۔" سلمیٰ نے اسے قائل کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

منتہا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"عجیب منطق ہے، دو سال تک شادی نہیں کرنی تو ابھی کس کیڑے نے کاٹا ہوا جو رشتہ طے کرنے کی رٹ لگا رکھی ہے؟" منتہا نے ناگواری سے پوچھا تو سلمیٰ کو بھی احساس ہوا کہ واقعی یہ کوئی ایسی عقل مندانہ بات نہ تھی۔

"دو سال سے پہلے بھی ہو سکتی ہے، بلال بھائی کو بس یہ تسلی چاہیے کہ تم کہیں اور شادی نہیں کرو گی۔" سلمیٰ نے کہا تو منتہا اب کے خاموش رہی۔

"تم ایک دفعہ بلال بھائی کے بارے میں سوچ کر تو دیکھو۔" سلمیٰ نے اسے قائل کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"اوکے..... میں کوشش کروں گی اس سے بات کر لیا کروں۔" منتہا سمجھ چکی تھی کہ جتنا وہ انکار کرے گی اتنا ہی

اسے اس کے لیے قائل کرنے کے بہانے بنائے جائیں گے، بات کرنے کی حامی بھر کر منتہا نے اپنی جان چھڑائی چاہی لیکن وہ جانتی نہ تھی کہ جان چھوٹی نہیں ہامی بھر کر اس نے اپنی جان پھنسالی ہے۔

سلمٰی کو جلدی جانا تھا وہ چلی گئی، اس کے جاتے ہی بلال کی طرف سے آیا میسج اسے اطلاع دے گیا کہ سلمٰی نے خبر نشر کردی ہے۔

"ہیلو..... السلام علیکم۔" میسج کے جواب میں منتہا نے کال کی، آدھی بیل بجتے ہی کال ریسیو کی گئی، بلال کی طرف سے پھر دیکھائی گئی پھرتی پر منتہا سٹپٹا گئی۔

"وعلیکم السلام۔" منتہا کو سلام کا جواب دینا ہی تھا۔

"کیسی ہیں؟" بلال کے ارد گرد شور تھا منتہا کو اندازہ ہوا شاید وہ کہیں مصروف ہے۔

"الحمدللہ ٹھیک ہوں۔" منتہا نے بہت ٹھہرے لہجے اور مدھم آواز میں جواب دیا۔

"میں بھی ٹھیک ہو۔" اطلاع پر منتہا کو اس کے لہجے کی شوخی کا بخوبی علم ہوا۔

"آپ کی طرف کافی شور سنائی دے رہا ہے مصروف تو نہیں آپ؟" منتہا نے پوچھا تو بلال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"نہیں..... ہوا بھی تو میں نہیں کہوں گا کہ مصروف ہوں، ویسے آپ نے کیسے یاد کرلیا؟" بلال نے ایک دم موضوع بدلا مبادا وہ کہہ ہی نہ دے مصروف ہیں تو بعد میں بات ہوگی۔

"آپ کا میسج آیا تو میرا ٹائپنگ کا موڈ نہیں تھا اس لیے سوچا کال ہی کرلوں۔" منتہا نے صاف گوئی سے کہا تو بلال گہری سانس خارج کرتے ہوئے ہنس دیا۔

"بہت اچھا کیا۔" بلال کے بشاش لہجے سے اس کی خوشی جھلک رہی تھی اور منتہا سوچ رہی تھی کہ اب وہ کیا بات کرے۔

"آپ مجھ سے دوستی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟" منتہا نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

"میں آپ سے دوستی نہیں شادی کرنا چاہتا ہوں، ہاں اس کے بعد دوستی اور ایسی دوست جو میری خیر خواہ ہو جو میرے ساتھ مخلص ہو، جو اپنی اداسیاں، اپنی خوشیاں میرے ساتھ بانٹے۔" بلال نے بنا کسی تمہید کے اصل بات کہی۔

"لیکن کیوں؟" منتہا صحیح معنوں میں الجھنے لگی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسے بلال کی اچھائی یا اس کی فیملی ریپوٹیشن سے انکار تھا لیکن نہ جانے کیوں بلال کے ذکر پر وہ الجھ جاتی تھی۔

"پتا نہیں، بس آپ کو دیکھتے ہی لگا میری زندگی آپ کے ہمراہ بہت اچھی گزر سکتی ہے، آپ وہ دوست بن سکتی ہیں جس کی مجھے تلاش ہے۔" بلال کی باتیں اسے فخر میں نہیں ایک فکر میں مبتلا کرنے لگی تھیں۔

"آپ تو مجھے جانتے بھی نہیں؟" منتہا نے پھر سوال کیا۔

"نہیں جانتا۔ اسی لیے تو جاننا چاہتا ہوں۔" بلال کے مسکراتے انداز منتہا کو کچھ سوچنے پر مجبور کررہے تھے۔

"لیکن میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرنا چاہتا، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ پر کوئی زبردستی فیصلہ مسلط کیا جائے۔" بلال نے بہت سلجھے انداز میں اپنے احساسات اس تک پہنچائے۔

"آپ کچھ بھی پوچھ سکتی ہیں۔" بلال نے اس کی خاموشی پر کہا۔

"میں آپ سے کیا پوچھوں؟" منتہا پرسوچ لہجے میں بولی۔ وہ اسے بتا نہیں سکی کہ اس کے سامنے وہ اپنی ساری شوخیاں بھولنے لگتی ہے۔

وہ کال جو نہایت بددلی سے کی گئی تھی بلال کی باتوں اور اس کے سوالوں کی بدولت ایک دلچسپ کال ثابت ہونے لگی تھی۔ منتہا نے زیادہ دیر اپنے خول میں مقید رہنا مناسب نہ سمجھا اور کوشش کرنے لگی کہ اپنی ذات کے حوالے سے تھوڑی بہت باتیں کرسکے۔ بلال سے کچھ پوچھ سکے تاکہ مستقبل قریب میں اسے فیصلہ کرنے میں

آسانی ہو۔ تقریباً ایک گھنٹے کی کال میں کافی باتوں کے بعد بلال اور منتہا کے درمیان مختلف عادت پہ گفتگو نے منتہا پر واضح کیا تھا کہ بلال ویسا نہیں ہے جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ کال کے ختم ہونے پر اگلی کال کا وعدہ بھی لیا گیا، وعدہ کیا بھی گیا لیکن ایک انجانی الجھن اور خوف کہیں موجود رہا۔ جسے منتہا چاہا کر بھی دل سے نہ نکال پا رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"اہل بجو آپ نے اچھا نہیں کیا۔ یہ تو کھلم کھلا بے ایمانی ہے۔" وہ پیر پٹختا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے تیوروں کو دیکھتے ہوئے اہل کے چہرے پر ایک شریر مسکراہٹ ابھری تھی۔

"لیکن میں نے کیا کیا ہے؟" اہل نے ہنستے ہوئے اپنے آپ کا دفاع کیا تھا۔

"یہ میری اکلوتی اور لاڈلی شرٹ تھی۔" ریان ہاتھ میں ایک ہلکے پیلے رنگ کی شرٹ اٹھائے خاصے جھنجلائے انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

"شرٹ نہ ہوئی بیوی ہوگئی اکلوتی اور لاڈلی تھی۔" اہل نے بے تحاشہ ہنستے ہوئے اسے چڑایا تھا۔

"اکلوتی اور لاڈلی بیوی کی طرح ہی سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔" ریان نے کڑی نظروں سے اس کی ہنسی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تو میری کیا غلطی..... لیکن تم یہ تو دیکھو اس شرٹ پر رنگ کیسا پیارا چڑھا ہے کہیں کوئی جھول نہیں۔" اہل نے اس کے ہاتھ سے شرٹ لیتے ہوئے پھیلائی اور ڈھٹائی سے ارمان کی شرٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن بجو....." ریان کو حقیقتاً اپنی سفید شرٹ کے پیلا پڑنے کا دکھ ہوا تھا۔

"سنو اس پر کالے رنگ کے بٹن لگوا لو۔ ماں قسم کیا اسٹائلش شرٹ بن جائے گی۔" اہل نے ٹپوری انداز میں ہاتھ لہرا کر ایک دم حل پیش کیا۔

"ساتھ کوئی گوٹہ کناری بھی لگا دینا اور اچھی لگے گی۔" ریان نے تپ کر کہا۔

"تم یہ مجھے دو میں ٹھیک کر دوں گی۔ تم دیکھنا پہچان ہی نہ سکو گے کہ یہ وہی پیلی پڑی شرٹ ہے۔" اہل مسلسل شرارت کے موڈ میں اسے چھیڑ رہی تھی۔

"لیں..... ٹھیک کر کے ارمان بھائی کو پہنا دینا۔" ریان نے شرٹ سے مکمل دستبردار ہوتے ہوئے کہا۔

"ناراض ہوگئے ہو؟" اہل نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں....." ریان منہ بسورتے ہوئے کسی چھوٹے بچے کی طرح سر ہلانے لگا۔

"اوہو میرا پیارا سا بھائی، اچھا میں تمہیں اچھی اچھی شرٹس لا دوں گی پھر بھی راضی نہ ہوئے تو ارمان سے سفارش کروں گی، ان کی تو مان جاؤ گے ناں؟" اہل کے لالچ پر بھی ریان منہ بسورے بیٹھا رہا تو اہل مزید بولی۔

"روٹھنے اور منانے کا سلسلہ فقط دو لوگوں کے درمیان ہو تو ہی محبت سے سرانجام پاتا ہے جب اس لڑائی میں کوئی تیسرا شریک ہو جائے تو پھر منا لینے کے سارے بھرم ٹوٹ جاتے ہیں۔" ریان نے بہت گہری بات کہی تھی۔ اہل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میری غلطی نہیں مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ ارمان کی شرٹ واشنگ مشین میں پڑی ہے میں نے اپنی طرف سے تمہاری شرٹ اکیلی ہی ڈالی تھی۔" اہل نے صفائی پیش کی تھی۔

"تم کبھی ہوش سے کوئی کام کیوں نہیں کرتی ہو؟" اچانک ہی سلیمہ بیگم کی آمد ہوئی اور اہل کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا تھا۔

"نہیں خالہ جان میں..... وہ....." اہل نے مدد طلب نظروں سے ریان کو دیکھا تھا جو مکمل لاتعلقی برتتے ہوئے اہل کو شرٹ خراب کرنے کی سزا دینے لگا تھا مدھم مسکراہٹ پر اہل نے اسے گھورا تھا۔

"میں..... وہ کیا؟ ارمان کی بھی دو تین شرٹس ایسے ہی مختلف رنگوں میں رنگ کر خراب کر چکی ہو۔" سلیمہ بیگم کو تو اہل کی لاابالی پن پر نکتہ چینی کا بہانہ چاہیے ہوتا تھا۔

"خالہ جان بس ایک دفعہ تو ایسے ہوا تھا اور وہ بھی

شرٹ تھی، یہ تو ریان مجھے شرٹ دے رہا ہے بٹن لگانے کے لیے۔ پوچھ لیں بے شک۔ ہے ناں ریان؟" اہل نے دانت دباتے ہوئے ریان سے تائید چاہی۔

"جی بالکل، اہل بجو آپ پریشان نہ ہوں ہماری امی کو بہانہ چاہیے ہوتا ہے بہو کی برائیاں کرنے کا۔" ریان نے سلیمہ بیگم کو تنگ کرنا چاہا تھا۔

"نہ میں نے کب برائیاں کیں؟ اب اگر کوئی کام خراب ہوگا تو کیا اس پر کہوں بھی نہ، کل کو لوگ مجھے ہی برا بھلا کہیں گے کہ خود تو اتنی سلیقہ مند ہے اور بہویں ایسی پھوہڑ لائی ہے۔" سلیمہ بیگم بہت کم مذاق کی بات کو سمجھا کرتی تھیں، ابھی بھی ریان کی بات پر اچھی خاصی ناگواری سے کہا تھا۔

"نہیں خالہ جان ریان تو ایسے ہی آپ کو تنگ کر رہا ہے۔" اہل نے ریان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈانٹتے ہوئے سلیمہ کو بتایا تھا۔

"یہ انو کھا لاڈلا ہے ماں کے ساتھ کون ایسے مذاق کرتا ہے۔" سلیمہ بیگم نے کہا تو ریان نے ہنستے ہوئے باہر کی طرف قدم بڑھائے اور اہل بھی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"اہل بجو....." سیڑھیاں چڑھتی اہل کا پاؤں مڑا تو ریان چلایا۔ اس پکار کے ساتھ ہی اس کی ساری محویت ٹوٹی۔ آنکھیں موندے ریان کی زندگی جیسے انہی یادوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ گزرا وقت یاد کرنا اور ان باتوں کو دہرانا جن کے دم سے زندگی ہنستی مسکراتی رہتی تھی اس کا کم اثاثہ قرار پائی تھی۔ دروازے کی ہلکی سی دستک نے اسے حال میں لا پٹخا تھا جہاں آج نہ خوشی تھی، نہ زندگی کی رونقیں۔

"ریان۔" ایان ہاتھ میں فون لیے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" ریان کے متوجہ ہونے پر ایان نے پوچھا۔

"بھائی اب کافی بہتر ہوں۔" ریان رنجیدگی سے

"کیا اب یہاں ایسے ہی پڑے رہنے کا ارادہ ہے؟ کوئی کام یا کہیں گھومنا پھرنا کب شروع کرو گے؟" ایان نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی جی ہی نہیں چاہتا۔" ریان بے دلی سے گویا ہوا۔

"دیکھو ایسے زندگی گزرتی تو دنیا کا ہر دوسرا شخص یوں ہی دنیا سے کنارہ کشی کیے زندگی گزار دیتا۔ حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر خوشیوں کا دور گزر گیا تو غم کا دور بھی گزر جائے گا لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ ہم زندگی سے مایوس نہ ہوں۔" ایان وقتاً فوقتاً ریان سے ایسی باتیں کیا کرتا تھا لیکن تاحال اس پر ایان کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

"مجھے نہیں بھولتے ارمان بھائی، اہل بجو کی باتیں ان کی ہنستی کھلکھلاتی زندگی کیسے پلک جھپکتے ہی ختم ہوگئی اور میں کچھ بھی نہ کر سکا۔" ارمان اور اہل کی موت کا دکھ کسی سے بھی بھلایا نہ جا رہا تھا اور پھر ان کے جانے سے تو ریان کی ساری زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی وہ کیسے بھول جاتا۔

"ہم نے کیا کر لیا جو تم کچھ نہیں کر سکے؟ دیکھو ریان یہ قانون قدرت ہے جب انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہاتھوں سے ہاتھ چھڑا لیتے ہیں، ہم کچھ نہیں کر پاتے، ہمارا رونا تڑپنا سب بے معنی رہ جاتا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا حکم نامہ جاری ہو چکا ہوتا ہے اور ہم بے بسی سے سب سہہ جاتے ہیں۔" ایان کے لیے بھی ارمان کی جدائی ایک ناقابل یقین سانحہ تھی۔

"ہمارے تو گھر کا جیسے شیرازہ ہی بکھر گیا لیکن میرے بھائی ہم ساری عمر ایسے نہیں گزار سکتے ناں؟ ہمیں زندہ بھی رہنا ہے اور دنیا کے کام بھی کرنے ہیں۔" ایان نے ریان کا ہاتھ پکڑ کر بہت نرم و ملائم لہجے میں اسے ہمت دلائی کہ اسے اب اپنے آپ کو سنبھال لینا چاہیے۔

"بہروز تایا تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے بات کرو، ان کی بات سنو اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرنا۔ بعض اوقات ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا اور ہمارا اپنا ہماری خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا ہوتا ہے۔" ایان نے کہا تو ریان نے

چونک کر اسے دیکھا، پچھلے کچھ دنوں سے وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اسے بہروز تایا سے بات کر کے اپنی الجھن کو سلجھا لینا چاہیے۔ ریان نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ لو میں تمہارے لیے موبائل لے آیا ہوں، ہم سب کے نمبرز کے ساتھ بہروز تایا کا نمبر بھی میں نے سیو کر دیا ہے۔" ایان موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

ریان نے خاموشی سے موبائل لے لیا۔ ایان چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ ریان کچھ دیر موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر لیٹ گیا۔

❁.....❁.....❁

۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

پیاری سوہا!

یہ دن بھی کتنے عجیب ہوتے جا رہے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ٹھہر گئے ہوں، جیسے وقت رک سا گیا ہو، یوں لگتا ہے تم کبھی مجھے مل ہی نہ سکو گی، کبھی وہ وقت آئے گا ہی نہیں کہ تم میرے پاس ہو اور میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین لڑکا تصور کروں کہ جس نے اپنی چاہت کو اپنا لیا ہے۔ شاید میری محبت کی شدت میں ہی کوئی کمی ہے کہ میرے تم تک پہنچنے کے راستے ہموار ہوتے ہی نہیں، ایک بار پھر میرے اندر اداسیوں نے گہرے سایوں کے پر پھیلانے شروع کر دیے ہیں، میں کیا کروں؟ تم بھی تو اتنے مہینوں سے خاموش ہو، تم کہتی ہو صبر کروں اور صبر کرتے کرتے سالوں بیت گئے ہیں اور کتنا صبر کروں؟ تم بس اب کسی بھی طرح سے میری زندگی میں آ جاؤ۔

میں تمہارا راستہ دیکھ رہا ہوں۔ منتظر ہوں تمہارا۔

۲۵ اپریل ۲۰۱۶ء

تمہیں یہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد دورے کیوں پڑنے لگے ہیں؟ صبر کا پھل بھی تو میٹھا ملتا ہے ناں۔ اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں اجازت دیتی ہوں تم اب آ جاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اتنا پریشان ہو کہ جب میں تمہاری زندگی میں آؤں تو تم مجھ سے بیزار ہو چکے ہو۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی حجاب

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

23000 روپے

مڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

21500 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام و ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

81 صفیر بریکس ہائی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم روڈ آنچل پریس کراچی 75510

فون نمبر: +922-35620771/2

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com

تمہاری منتظر تمہاری دوست جان سوما۔

۲۵ اپریل ۲۰۱۶ء

کیا..... کیا کہا تم نے؟ میں..... میں..... اوخدایا سوما تم نے آج مجھے بہت بڑی خوشی دے دی ہے۔

۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

پاگل انسان۔ زیادہ خوش نہ ہو۔ تمہاری زندگی میں آگئی تو اپنی بے تکی باتوں سے تمہارا جینا دوبھر کردوں گی۔

۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

تمہارے سنگ میرا جینا دوبھر نہیں ہوگا۔ میں آج ہی گھر میں بات کرتا ہوں۔

۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

گڈ لک۔ (ہنسی) میں انتظار کررہی ہوں۔

❁.....❁.....❁

بلال اور منہا کے درمیان رابطہ طویل ہوتا جارہا تھا، بلال جو منہا کی محبت میں پہلے دن سے ہی گرفتار تھا اس کی باتیں سنتے ہوئے اب منہا بھی اس سے متاثر ہونے لگی تھی۔

"اگر تم اجازت دو تو میں گھر بات کروں؟" بلال نے بنا کسی تمہید کے منہا سے پوچھا۔

"کیسی بات؟" منہا نے سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھنے کی اداکاری کی۔

"مجھے پسند نہیں کہ بنا کسی تعلق کے ہم ایسے ہر روز گھنٹوں باتیں کریں، اگر ہمارے درمیان ایک جائز تعلق بن جائے تو....."

"لیکن آپ نے تو کہا تھا دو سال تک ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" منہا نے ایک بار پھر اعتراض کیا۔

"نکاح تو ہوسکتا ہے ناں؟" بلال نے حل پیش کیا تو ایک پل میں منہا کا دل جیسے زور سے دھڑک کر رکا تھا۔

"میں سوچ کر بتاؤں گی۔" منہا نے تیزی سے کہا اور مزید کوئی بات کیے بنا فون بند کردیا۔

بلال خوش تھا کہ اس نے منہا کا دل جیت لیا اور منہا کو سمجھ نہیں آرہا تھا جو وہ کررہی ہے وہ اس کی خوشی ہے یا محض بلال کو سمجھنے کی ایک کوشش کا بہانہ۔

❁.....❁.....❁

ریان اپنا نیا موبائل سائیڈ پر رکھ کر ایک بار پھر آنکھیں بند کیے لیٹ چکا تھا۔ کافی دیر گزر گئی۔ پچھلے تقریباً پونے دو سال سے ماضی کی بھول بھلیاں اسے چین نہ لینے دے رہی تھیں۔ کبھی کوئی سی یاد دستک دیتی تو کبھی کوئی سی یاد دروازے کھٹکھٹانے لگتی۔ بند آنکھوں کے باوجود اس کے چہرے کے متزلزل تغیر و تبدل اس کی دلی کیفیت کے انتشار کو واضح کررہے تھے۔ پیشانی پر بے شمار سلوٹیں تھیں اور جسم و جان میں ایک کہرام برپا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ کوئی یاد تھی جو پچھلے اٹھارہ ماہ سے ذہن کے دریچے تک نہ پہنچی تھی لیکن کواڑوں کھڑکیوں سے جھانک کر بے چین کیے دے رہی تھی۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

ذہن پر زور دیا تو یک دم ایک کھلکھلاتی ہنسی اور شوخ سا لہجہ سماعت میں گونجا۔ ریان نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ایک دم آنکھیں کھول دیں۔

"دوست جان۔" ایک پکار بے ساختہ تھی۔

❁.....❁.....❁

انتظار کرتی آنکھوں کی محویت ٹوٹی تھی، ایک پکار، ایک احساس نے جیسے زندگی کی نوید سنائی تھی اور وہ آنکھیں جو انتظار کرتے کرتے پتھرا چکی تھیں ان آنکھوں کی قندیلیں روشن ہونے لگی تھیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

سعید

www.naeyufaq.com

اے نگارِ وفا

فرح بھٹو

وہ اپنی متورم چھلتی آنکھیں بار بار ٹشو سے صاف کررہی تھی۔ ستواں ناک رونے کی وجہ سے لال ہوگئی تھی۔ گلابی لب دانتوں سے کچلتی وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ حمنہ کو اس پر رحم آیا۔

"بتاؤ حمنہ اور کتنا سہوں اور کتنا برداشت کروں؟ اب تو حد ہی ہوگئی ہے۔ وہ راتوں کو بھی گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔" زمر نے بے بسی سے سوال کیا تو حمنہ ہمیشہ کی طرح اس کو صبر کرنے کا بھی نہ کہہ پائی۔

"تم اس کی عادتوں سے واقف تو ہو۔ سالوں سے گزارا کررہی ہو تو اب عادی ہوجاؤ ناں۔ بہن۔ چھوڑو یہ جلنا کڑھنا، اپنے بچوں پر توجہ دو، ان کے مستقبل کی فکر کرو۔"

حمنہ نے اپنی دوست کا ہاتھ تھام کر ہمدردی سے سمجھانا چاہا۔

"کیسے عادی ہوجاؤں؟ تمہیں کیا پتا حمنہ اپنی بدفطرتی سے وہ مجھے کیسے کچوکے لگاتا ہے۔" زمر کی آنکھیں پھر بہنے لگیں۔

"زمر تم کتنی بار لڑی ہو ان باتوں پر اس سے، اس پر کبھی اثر ہوا؟ وہ بگڑا ہوا ہے اور وہ خود کو تمہارے یا اپنے بچوں کے لیے سدھارنے کی کوشش بھی نہیں کررہا۔ اب ایسے انسان کا کوئی کیا کرے۔" حمنہ نے اس بار اپنے آنچل سے اس کے آنسو سمیٹے۔

"تمہارے پیچھے مضبوط میکہ ہوتا یا تم اپنے پیروں پر کھڑی ہوتیں تو بچے لے کر نکل جاتیں اس شخص کی زندگی سے لیکن تمہارے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں۔ بالفرض ہوتی بھی تو ایک اکیلی عورت کو بچوں کو اچھا مستقبل دینے کے لیے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر بھی ان کی شخصیت میں بھی باپ کی کمی کا خلا رہ جاتا ہے۔" حمنہ نے پیار سے اس کے الجھے بال سہلائے۔

"اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسید تمہارے ساتھ جیسا بھی ہے اپنے بچوں سے وہ بہت پیار کرتا ہے، ان کو ہر سہولت دی ہوئی ہے۔ اچھے اسکولوں میں پڑھتے ہیں، اچھے ماحول میں رہتے ہیں۔" حمنہ نے اس کو تصویر کا مثبت رخ دکھایا تو زمر نے اثبات میں ہلکا سا سر ہلایا۔

"وہ ایک اچھا باپ ہے حمنہ لیکن اچھا شوہر بالکل نہیں۔ عجیب عاشقانہ مزاج ہے بیوی کے ہوتے ہوئے سوا فیئر ز چلاتا ہے۔ دن رات بس اپنی دنیا میں مگن ہے۔ ایسی دنیا جہاں بیوی نام کی کسی چیز کا وجود نہیں۔ آفس سے گھر آ کر بھی موبائل پکڑے دھڑا دھڑ میسجز و فون کالز۔ ڈھیٹ اتنا ہے کہ بیوی یہ دیکھ کر جل بھن کر ختم ہو جائے مگر اسے پروا نہیں۔ کتنا روکوں کتنا روؤں..... کوئی اثر نہیں اس پر۔" زمر کی آواز آنسوؤں میں دب گئی۔

"ایک تو ان سائنسی ایجادات نے جہاں سہولیات فراہم کی ہیں، وہیں لوگوں کو برائی کے رستے پر چلنے کی آسانیاں بھی دے دی ہیں۔ تم شوہر کو روتی ہو وہ تو مرد ہے۔ آج کل تو بعض عورتیں بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ بڑی تعداد وڈیو کال، وائس چیٹنگ کا غلط استعمال کر رہی ہے..... اب اسید بھائی بھی جن لڑکیوں سے رابطے میں ہیں وہ مریخ کی تو نہیں ہیں ناں اسی معاشرے سے تعلق ہے ان کا..... ایک شادی شدہ مرد سے باتیں اور ملاقات کر کے کیا ملتا ہے انہیں؟ ان کی بھی تو فیملی ہوگی گھر والدین پھر سوچو ان کی فیملی کے لیے ایسی لڑکیاں کیسا عذاب ہوں گی..... آج کل تو والدین کو اولاد کی حرکات کا پتا بھی نہیں ہوتا کہ اگر لڑکی موبائل گھنٹوں استعمال کر رہی ہے تو کیوں؟ ایسی لڑکیاں شادی کے بعد شوہر سے وفادار رہ سکیں گی؟ ہرگز نہیں۔ ان کو لت لگ چکی ہے غیر مردوں سے دوستی کی پھر جن مردوں کے نکاح میں آئیں گی وہ بھی تو سر پکڑ کر روئیں گے ناں؟" حمنہ نے زمینی حقائق بتا کر آخر میں ہنس کر کہا تو زمر بھی مسکرائی۔

"ایسا ہی ہونا چاہیے، ایسے مردوں کو کردار سے عاری بیویاں ہی ملیں۔ مرد کون سا دودھ کے دھلے ہوتے ہیں۔" زمر نے تلخی سے کہا تو حمنہ چپ سی ہو گئی۔

"تم تو میری سب سے قریبی سہیلی ہو، تم گواہ ہو میرے کردار کی..... میں نے کبھی آنکھ اٹھا کر غیر مرد کو غور سے نہیں دیکھا۔ اپنے ہونے والے شوہر کو ہی اپنی عصمت کا حق دار مانا۔ دوستی تو دور کی بات ہے ڈھنگ سے بات تک نہ کرتی تھی لڑکوں سے۔ پیار محبت تو یہ سب کچھ نکاح میں آئے مرد کے لیے سنبھال کر رکھا تھا۔ کسی لڑکے سے نرمی سے بات بھی نہ کرتی تھی کہ کہیں یہ خیانت نہ ہو جائے اور اس کے بدلے میں کیا ملا مجھے؟ اپنے محرم کی میٹھی نظر سے بھی محروم ہوں۔ الفت کی باتیں ایک طرف وہ تو مجھ سے ڈھنگ سے کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ بس میاں بیوی کا تعلق ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا، جو محبت اسے مجھ سے کرنی چاہیے وہ ادھر ادھر لٹاتا ہے اور میں اپنا خالی تشنہ دامن لے کر دیکھتی رہ جاتی ہوں۔" زمر ایک بار پھر ڈپریس ہوئی۔

"تم نے غلط سوچ کے خود کو نامحرموں سے دور رکھا۔ تم اگر ہونے والے شوہر کی امانت میں خیانت کے خیال کے بجائے صرف یہ سوچ کر غیر لڑکوں سے گریز کرتیں کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ نامحرموں سے دور رہا جائے۔ ان سے نرمی سے بات نہ کی جائے تاکہ ان کے دل میں کوئی جذبہ نہ پنپ سکے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو تم آج سکون سے ہوتیں۔ یہ بے چینی اسی لیے ہے کہ تم ایک انسان کے لیے یہ قربانی دے رہی تھیں اور انسان کبھی بھی اچھا بدلہ نہیں دیتا۔ بدلہ تو صرف اللہ ہی دیتا ہے۔" حمنہ کی بات اس کے دل لگی تھی، زمر نے لب کاٹ کر سر جھکا لیا۔

"اور اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسید کو ویسا ہی بدلہ دوں جو اس نے میرے ساتھ آج تک کیا۔" زمر کی بات پر حمنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ بھی میری طرح تڑپے، بے چین ہو اور میں اسی کے جیسی اپنی الگ دنیا بسا لوں۔" زمر کے لہجے سے بغاوت چھلک رہی تھی۔

"کیا مطلب زمر؟ تم کیا کرنا چاہتی ہو، ایسا ویسا سوچنا بھی نہیں۔ تم اپنے بچوں پر توجہ دو، ان کو مقصد بناؤ۔ اب

ہماری اور تمہاری عمر گزر چکی۔ ہمیں جو ملنا تھا مل گیا۔ اب ان کی باری ہے، ان کا مستقبل ہے جو تمہیں سنوارنا ہے۔" حمنہ نے اس کی بغاوت پر بند باندھنے کی اپنی سی کوشش کی مگر وہ اپنی بات کہتی رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہے عارب نام کا ایک لڑکا یونیورسٹی میں مجھ پر کیسے مرتا تھا۔" یکا یک زمر نے پوچھا تو حمنہ سوچ میں پڑ گئی پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ کردار کا بھی کتنا اچھا تھا۔ اس بات کی گواہی تو تم بھی دو گی کہ وہ صرف مجھے ہی دیکھتا تھا۔ میری ہی توجہ چاہتا تھا، ورنہ اتنے ہینڈسم لڑکے پر کئی لڑکیاں فدا تھیں مگر میں نے کسی اور کو اس کے قریب نہیں دیکھا۔" زمر نے اپنے یونیورسٹی کے دنوں کو دہرایا تو حمنہ حیران ہوئی۔ اتنے سالوں بعد وہ لڑکا عارب اس کو کیسے یاد آ گیا تھا۔

"حمنہ..... وہ مجھ سے واقعی محبت کرتا تھا۔ میں نے اس کا بہت دل دکھایا، کبھی ڈھنگ سے بات تک نہ کی۔ پتا ہے آخری سمیسٹر میں وہ مجھے کہنے لگا اپنے والدین کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ بس ہر صورت اپنے والدین کو راضی کر لیجے گا ورنہ میری زندگی مشکل ہو جائے گی لیکن میں نے اسے کہا کہ جو میرے والدین چاہیں گے وہی میرا فیصلہ ہوگا۔ میں آپ کے رشتے کے لیے بہ طور خاص ان پر دباؤ نہیں ڈالوں گی۔ تب اس کا چہرہ پتا ہے کیسا ہو گیا تھا..... جیسے کسی چمنی سے دھواں نکلتا ہو سیاہ بگولے جیسا۔" وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں بول رہی تھی۔

"مجھے معلوم تھا۔ اماں بابا اپنی ذات اور اپنے مسلک کو ترجیح دیں گے تو میں نے اس سے یہ بھی بتا دیا تھا کہ رشتہ بھیج کر اس کا وقت ضائع ہی ہوگا۔ حمنہ وہ میری بات پر ایک دم خاموش سا ہو گیا تھا پھر اس نے بس یہی کہا کہ آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ میں آپ کو کتنا چاہتا ہوں۔ کاش آپ یہ محسوس کر لیتیں..... اس کے لہجے میں اس وقت ٹوٹے کانچ سی کرچیاں بول رہی تھیں..... جو تب مجھے سنائی نہیں دی تھیں۔ اب سوچتی ہوں تو....."

"تم کیوں سوچتی ہو؟ وہ ماضی کا قصہ تھا..... زندگی آگے بڑھ چکی ہے۔ وہ آج کے زمانے کا لڑکا ہے۔ تمہاری خاطر جوگ لے کر نہیں بیٹھا ہوگا۔ کہیں شادی کر لی ہوگی اس نے اور بچے بھی ہوں گے۔" حمنہ نے اس کی بات کاٹ کر اس کو جیسے نیند سے جھنجھوڑا تھا۔

"کاش میری اسی سے شادی ہو جاتی۔ مجھے محبت تو ملتی۔" زمر نے آہ سی بھری۔

"جو نہیں ہوا وہ اللہ کی مصلحت ہے۔ تم چھوڑو اب گزری باتوں کو آؤ کچن میں چل کر بچوں کے لیے اسنیکس بنائیں۔" حمنہ نے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بھی ناچار اٹھ کھڑی ہوئی پھر کچن میں آ کر حمنہ نے دانستہ اس کو اپنے ساتھ مصروف رکھا تا کہ اس کا ذہن پراگندہ سوچوں سے نجات حاصل کر لے۔

زمر بھی حمنہ سے دل کا احوال کہہ کر کچھ ہلکی ہو گئی تھی اور یہ تو اکثر ہی ہوتا تھا جب وہ انتہائی ذہنی دباؤ کا شکار ہوتی تو اپنی بچپن کی عزیز جان سہیلی کے پاس چلی آتی تھی۔ حمنہ نا صرف اس کی پریشانیاں توجہ سے سنتی بلکہ اس کو حوصلہ اور تسلی بھی دیا کرتی اور حمنہ کو دل کا درد سنا کر وہ کافی حد تک مایوسی کے گرداب سے نکل آتی تھی۔ آج بھی وہ اپنی عزیز ترین سہیلی کے گھر ایک اچھی شام گزار کر بچوں کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

گھر آ کر وہی بے دلی اور مایوسی اس پر پھر حملہ آور ہوئی، حمنہ نے ہائی ٹی کا اہتمام کیا تھا، سو بچے ڈنر کے موڈ میں نہ تھے بلکہ حمنہ کے بچوں کے ساتھ اتنا کھیلے کودے تھے کہ سونے کے لیے آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ زمر بچوں کو بیڈروم میں سلا کر اسید کے کمرے میں چلی آئی۔

صاف ستھرا کشادہ بیڈروم، عمدہ فرنیچر سے آراستہ۔ آرام دہ فل سائز بیڈ جس پر بچھی چادر اتنی بے شکن تھی جیسے کسی نے چھوا تک نہ ہو۔ زمر کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔ اس نے ریموٹ سے اے سی آن کیا اور بیڈ پر رکھا تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔ ابھی رات کے نو بجے تھے۔ اسید آفس کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ نکل جاتا تھا۔

دوست جن میں لڑکیاں بھی تھیں پھر اپنی مرضی سے گھر آتا جب چاہتا۔ شادی کے اولین دنوں میں زمر کو یہ بہت عجیب لگا کرتا تھا۔ وہ فون کر کے پوچھتی رہتی تھی۔

"کہاں رہ گئے آپ؟" اور جواب میں وہ کہتا۔

"سنگت کے ساتھ ہوں دوبارہ فون مت کرنا۔" یہ تھوڑی بہت شائستگی جو کال پر دکھاتا گھر آ کر وہ بالکل ختم ہو جاتی اور زمر کو وہ باتیں سناتا کہ زمر کانوں پر ہاتھ رکھ کر آئندہ کال کر کے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھا لیتی مگر یہ قسم اگلے دن بھول جایا کرتی کہ وہ اتنے بڑے گھر میں اکیلی صبح سے آدھی رات تک ہولتی رہتی تھی۔ زمر نے بے شکن بیڈ شیٹ پر ہاتھ پھیر کر اپنے ماضی کو سوچنا شروع کر دیا تھا۔

اماں بابا نے اپنے تئیں اس کے لیے بہت اچھا بر ڈھونڈا تھا۔ لڑکا خوب صورت جوان اور اچھے عہدے پر تھا آگے پیچھے صرف ایک بڑی آپا جو شارجہ میں مقیم تھیں۔ ایک مہینہ بھائی کے پاس رہنے آئیں اور مختصر مدت میں اس کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان لے کر بھائی ڈھونڈو مہم پر نکلیں۔ رشتہ والی بوا نے زمر کا بتایا تو وہ اسے دیکھنے چلی آئیں۔ زمر ان کو دل و جان سے بھا گئی تھی۔ انہوں نے فوراً رشتہ طے کر دیا تھا۔

دوسری طرف اماں بابا کو بھی یہ رشتہ بہت پسند آیا تھا، اسید سے مل کر اور اس کا شاندار گھر دیکھ کر تو وہ اپنی بیٹی کی قسمت پر جھوم اٹھے تھے اور زمر نے تو ہمیشہ سے ہی یہ فیصلہ اپنے والدین پر چھوڑ رکھا تھا۔ سو اسید کی تصویر دیکھ کر وہ راضی ہو گئی کہ بہ ظاہر اس میں کوئی برائی نظر نہ آئی تھی۔ ویسے بھی وہ مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور سمجھتی تھی کہ اس کلاس کی بیٹیوں کو والدین بڑی مشکل سے پال پوس کر تعلیم دلواتے ہیں اور ان کی سوچ بس یہی ہوتی ہے کہ لڑکی عزت کے ساتھ اپنے گھر کی ہو جائے۔

زمر کا خیال ماسٹرز کر کے کمیشن کا امتحان دینے کا تھا۔ اگر اسید کا رشتہ نہ آتا تو وہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنا سکتی تھی مگر اس کے بعد دو بہنیں اور تھیں اماں بابا کو زمر کو بیاہ کر ان کا بھی سوچنا تھا۔ اسی لیے وہ ان کے لیے رکاوٹ نہ بنی اور خاموشی سے شادی کے لیے ہاں کہہ دی۔ اسید کی آپا نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا لیکن بابا اور بڑے بھائی سے جو بن پڑا انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق زمر کو دے کر عزت سے رخصت کر دیا تھا۔ یوں ایک مہینے کے اندر اندر وہ بیاہ کر اسید کے ہمراہ اس کے گھر چلی آئی تھی۔

منگنی اور شادی کے درمیانی وقفے میں اسید صرف ایک بار ان کے گھر آیا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ اور لیے دیئے بیٹھا رہا تھا۔ زمر سے ملنے یا بات کرنے کی خواہش نہ اس نے ظاہر کی نہ ہی بابا ایسا چاہتے تھے۔ اسی لیے رخصتی کے وقت زمر اندر ہی اندر کچھ نروس ہو رہی تھی۔ اسید کی آپا سے بات چیت بھی اس وجہ سے ڈھارس تھی۔

اسید کا گھر واقعی شاندار تھا۔ آپا اس کو کار سے اتار کر احتیاط سے تھام کر اندر لے کر آئیں تھیں تو پورچ سے بیڈ روم تک کے سفر میں زمر کو گھر کا انٹیریئر، فرنیچر، وال پیپرز ہر چیز دیکھنے پر مجبور کرتی رہیں۔ بیڈ روم بھی عمدہ طریقے سے سجایا گیا تھا۔ اس کا کریڈٹ بھی وہ خود کو دے رہی تھیں۔ گھر میں کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہ تھا۔ بس آپا اور اسید ہی تھے۔ آپا اس کو بیڈ پر بٹھا کر خود پاس ہی بیٹھ گئیں اور دانستہ اسید کے اکیلے پن اس کی لاپروائی اور دوستوں میں زیادہ وقت گزارنے کا قصہ چھیڑ دیا۔

"اسید نے عمر کا بڑا حصہ اکیلے گزارا ہے، ماں ہماری دنیا سے چلی گئیں تو پاپا اور اسید اکیلے رہ گئے تھے۔ میری شادی کے بعد اسید کا گھر میں دل نہ لگتا تھا کوئی عورت ذات نہ تھی جس کی کشش اس کو روکتی۔ ہمارے پاپا وکیل تھے۔ اپنی وکالت میں گم رہتے تھے۔ وہ تعلیم مکمل کر کے جاب پر لگا تو پاپا بھی چل بسے۔ بس پھر تو اکیلے گھر میں وہ صرف سونے کے لیے آتا تھا۔ میں شارجہ میں اس کی وجہ سے پریشان رہتی تھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ بھائی کی خیر خبر بھی تب ملتی جب وہ چاہتا۔ اگر فون اٹینڈ نہ کرتا تو دونوں فکر مند رہتی۔ اس دفعہ پکا ارادہ کر کے آئی تھی کہ موصوف کو کسی کھونٹے سے باندھنا ہے۔ رشیدہ بوا کے توسط سے جب

دوست جن میں لڑکیاں بھی تھیں پھر اپنی مرضی سے گھر آتا جب چاہتا۔ شادی کے اولین دنوں میں زمر کو یہ بہت عجیب لگا کرتا تھا۔ وہ فون کر کے پوچھتی رہتی تھی۔

"کہاں رہ گئے آپ؟" اور جواب میں وہ کہتا۔

"سنگت کے ساتھ ہوں دوبارہ فون مت کرنا۔" یہ تھوڑی بہت شائستگی جو کال پر دکھاتا گھر آ کر وہ بالکل ختم ہوجاتی اور زمر کو وہ باتیں سناتا کہ زمر کانوں پر ہاتھ رکھ کر آئندہ کال کر کے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالیتی مگر یہ قسم اگلے دن بھول جایا کرتی کہ وہ اتنے بڑے گھر میں اکیلی صبح سے آدھی رات تک ہولتی رہتی تھی۔ زمر نے بے شکن بیڈ شیٹ پر ہاتھ پھیر کر اپنے ماضی کو سوچنا شروع کر دیا تھا۔

اماں بابا نے اپنے تئیں اس کے لیے بہت اچھا بر ڈھونڈا تھا۔ لڑکا خوب صورت جوان اور اچھے عہدے پر تھا آگے پیچھے صرف ایک بڑی آپا جو شارجہ میں مقیم تھیں۔ ایک مہینہ بھائی کے پاس رہنے آئیں اور مختصر مدت میں اس کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان لے کر بھابی ڈھونڈو مہم پر نکلیں۔ رشتہ والی بوا نے زمر کا بتایا تو وہ اسے دیکھنے چلی آئیں۔ زمر ان کو دل و جان سے بھا گئی تھی۔ انہوں نے فوراً رشتہ طے کر دیا تھا۔

دوسری طرف اماں بابا کو بھی یہ رشتہ بہت پسند آیا تھا، اسید سے مل کر اور اس کا شاندار گھر دیکھ کر تو وہ اپنی بیٹی کی قسمت پر جھوم اٹھے تھے اور زمر نے تو ہمیشہ سے ہی یہ فیصلہ اپنے والدین پر چھوڑ رکھا تھا۔ سو اسید کی تصویر دیکھ کر وہ راضی ہوگئی کہ بہ ظاہر اس میں کوئی برائی نظر نہ آئی تھی۔ ویسے بھی وہ مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور سمجھتی تھی کہ اس کلاس کی بیٹیوں کو والدین بڑی مشکل سے پال پوس کر تعلیم دلواتے ہیں اور ان کی سوچ بس یہی ہوتی ہے کہ لڑکی عزت کے ساتھ اپنے گھر کی ہوجائے۔

زمر کا خیال ماسٹرز کر کے کمیشن کا امتحان دینے کا تھا۔ اگر اسید کا رشتہ نہ آتا تو وہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنا سکتی تھی مگر اس کے بعد دو بہنیں اور تھیں اماں بابا کو زمر کو بیاہ کر ان کا بھی سوچنا تھا۔ اسی لیے وہ ان کے لیے رکاوٹ نہ بنی اور خاموشی سے شادی کے لیے ہاں کہہ دی۔ اسید کی آپا نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا لیکن بابا اور بڑے بھائی سے جو بن پڑا انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق زمر کو دے کر عزت سے رخصت کر دیا تھا۔ یوں ایک مہینے کے اندر اندر وہ بیاہ کر اسید کے ہمراہ اس کے گھر چلی آئی تھی۔

منگنی اور شادی کے درمیانی وقفے میں اسید صرف ایک بار ان کے گھر آیا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ اور لیے دیے بیٹھا رہا تھا۔ زمر سے ملنے یا بات کرنے کی خواہش نہ اس نے ظاہر کی نہ ہی بابا ایسا چاہتے تھے۔ اسی لیے رخصتی کے وقت زمر اندر ہی اندر کچھ نروس ہو رہی تھی۔ اسید کی آپا سے بات چیت تھی اس وجہ سے اسے ڈھارس تھی۔

اسید کا گھر واقعی شاندار تھا۔ آپا اس کو کار سے اتار کر احتیاط سے تھام کر اندر لے کر آئیں تھیں تو پورچ سے بیڈ روم تک کے سفر میں زمر کو گھر کا انٹیریئر، فرنیچر، وال پیپرز ہر چیز دیکھنے پر مجبور کرتی رہیں۔ بیڈ روم بھی عمدہ طریقے سے سجایا گیا تھا۔ اس کا کریڈٹ بھی وہ خود کو دے رہی تھیں۔ گھر میں کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہ تھا۔ بس آپا اور اسید ہی تھے۔ آپا اس کو بیڈ پر بٹھا کر خود پاس ہی بیٹھ گئیں اور دانستہ اسید کے اکیلے پن اس کی لاپروائی اور دوستوں میں زیادہ وقت گزارنے کا قصہ چھیڑ دیا۔

"اسید نے عمر کا بڑا حصہ اکیلے گزارا ہے، ماں ہماری دنیا سے چلی گئیں تو پاپا اور اسید اکیلے رہ گئے تھے۔ میری شادی کے بعد اسید کا گھر میں دل نہ لگتا تھا کوئی عورت ذات نہ تھی جس کی کشش اس کو روکتی۔ ہمارے پاپا وکیل تھے۔ اپنی وکالت میں گم رہتے تھے۔ وہ تعلیم مکمل کر کے جاب پر لگا تو پاپا بھی چل بسے۔ بس پھر تو اکیلے گھر میں وہ صرف سونے کے لیے آتا تھا۔ میں شارجہ میں اس کی وجہ سے پریشان رہتی تھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ بھائی کی خیر خبر بھی تب ملتی جب وہ چاہتا۔ اگر فون اٹینڈ نہ کرتا تو دنوں فکر مند رہتی۔ اس دفعہ پکا ارادہ کر کے آئی تھی کہ موصوف کو کسی کھونٹے سے باندھنا ہے۔ رشیدہ بوا کے توسط سے جب

تمہیں دیکھنے آئی تو پہلی نظر میں اندازہ کرلیا کہ تم وہی لڑکی ہو جو میرے بگڑے بھائی کو سنوار سکتی ہو۔ تم سے دو چار ملاقاتوں میں میرا یقین پختہ ہوگیا کہ تم ہر ماحول میں ایڈجسٹ کرلینے والی باحوصلہ لڑکی ہو۔ مڈل کلاس کی لڑکیاں گھر بسانے والی ہوتی ہیں۔" وہ زمر کا ہاتھ پکڑ دھیمے انداز میں بول رہی تھیں۔ ان کی بہت ساری باتیں زمر کو کھٹک رہی تھیں لیکن یہ سوال پوچھنے کا وقت نہ تھا۔ وہ بس سنتی رہی تھی۔

"اب تم سے یہی امید ہے کہ تم میرے بھائی کی لاپروائیوں سے صرف نظر کرکے اس کو سچے ساتھی کی طرح سمیٹ لوگی۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر اٹھیں اور ساتھ ایک بڑی ذمہ داری زمر کو سونپ گئی تھیں۔ زمر سوچ میں پڑ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اسید چلا آیا۔ وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس اپنی دراز قامت اور مردانہ وجاہت کے ساتھ زمر کو اچھا لگا تھا۔ وہ بیڈ پر زمر کے بالکل سامنے تکیہ رکھ کر لیٹ گیا پھر بغور زمر کو دیکھا تو زمر کچھ سمٹ گئی۔ وہ اسید کی جانب سے کسی ستائشی جملے کی منتظر تھی۔

"کتنی لڑکیوں کے دل ٹوٹے ہیں آج..... زمر اسید خان آپ کو خبر بھی ہے۔" وہ اپنی براؤن آنکھیں اس پر جما کر ٹھنڈی آہ بھر کے بولا تو زمر نے حیرت سے اس سے دیکھا تھا۔

"ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو ایک دنیا مرتی ہے اسید خان پر..... تم سے نکاح کیا تو سب کے جذبات پر اوس پڑ گئی۔" وہ ایک دم آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔

"وہ کیا ہے کہ میں اپنی آپا کا دل نہیں توڑ سکتا ہوں ناں۔ آپا کا حکم تھا شادی ان کی پسند کی لڑکی سے کرنی ہے اس لیے مان لیا۔ دراصل ان کو میرے سرکل کی ساری لڑکیاں فضول لگتی ہیں اسی لیے ہاہا....." وہ بات کے اختتام پر قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

زمر کا منہ اتر سا گیا۔ یہ باتیں اس کے لیے غیر متوقع تھیں۔ اچانک موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی تھی۔ اسید نے جیب سے سیل نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی پھر کان سے لگایا تھا۔

"یار اب وائف کے ساتھ دو باتیں تو کرنے دو۔" وہ سید حالیٹا بے تکلفی سے بولا۔

"ہاں کرلی شادی..... تم سے تو مرتے دم تک نہیں کرنی تھی۔ تم ایسا پیس ہو جو سب انجوائے کرتے ہیں۔ کسی ایک کا نوالہ نہیں ہو تم ہاہا۔" وہ انتہائی خوشگوار موڈ میں بول رہا تھا۔

"تم جل کیوں رہی ہو۔ بڑا نقصان ہوگیا ہے تمہارا..... ٹشو کے چار باکس سرہانے رکھ کر سونا۔ آج کی رات بہت بھاری گزرے گی تم پر۔" وہ کسی لڑکی سے مخاطب تھا۔ زمر کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ لڑکی کچھ بول رہی تھی اور اسید ہنستا رہا۔

"او کے ناں..... اب وائف کو ٹائم دینے دو ورنہ صبح آپا سے شکایت لگائے گی تو وہ میری کلاس لیں گی۔" اسید نے مسکراتے ہوئے کال منقطع کی پھر زمر کو دیکھا جو خاموشی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"فرینڈ ہے میری۔ تھوڑی ادھر سے خالی ہے۔" اسید نے کنپٹی پر انگلی رکھ کر بجائی تو زمر بے تاثر نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔

"ویسے ماننا پڑے گا آپا کا انتخاب لاجواب ہے۔" پھر اسید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جیب سے ایک ڈائمنڈ رنگ نکالی اور اس کی انگلی میں پہنا دی۔ زمر ساکت سی بیٹھی رہی تھوڑی دیر پہلے والے جذبات نجانے کہاں جا سوئے تھے۔

❁.....❁.....❁

نئی زندگی کی شروعات بہت عجیب احساسات کے ساتھ ہوئی تھی۔ ولیمے کے بعد چند دن اور گزار کر آپا شارجہ واپس چلی گئیں اور اسید بھی اپنی پرانی جون میں پلٹ گیا تھا۔ جس کا اشارہ آپا نے باتوں ہی باتوں میں کر دیا تھا۔ اس کی روٹین نئی نویلی بیوی کے آجانے سے ذرا نہ بدلی تھی۔ وہ اسید کمال خان یاروں کا یار تھا اور یاروں کی کمپنی میں ہی خوشی محسوس کرتا۔ زمر کو ذرا بدستور شاک لگا جب اس کے مرد دوستوں کے ساتھ بڑی تعداد عورتوں کی معلوم

ہوتی تھی۔

دن رات کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، موج مستی سب ان ہی کے ساتھ گھر میں وہ صرف سونے کے لیے آتا تھا۔ زمر کو تو گھر لا کر وہ بھول ہی گیا تھا۔ وہ ایک فالتو سامان کی طرح پڑی رہتی مگر وہ توجہ نہ دیتا۔ آپا کی شرم میں جو کچھ دن زمر کو وقت دیا وہ دھواں بن کر اڑ چکا تھا اور اس دھویں کی جلن زمر کی آنکھوں میں چبھتی رہتی۔ وہ سمجھ نہ پاتی اپنا دکھ کس کے ساتھ بانٹے۔ اماں بابا کے مطمئن چہرے دیکھ کر کچھ بتانے کی ہمت نہ پڑتی۔ وہ بہت خوش تھے اونچے گھر میں اپنی بیٹی بیاہ کر آپا کو کال کر کے بتانے کی کوشش کی تو وہ الٹا زمر کو سمجھانے لگیں تھیں۔

"گھر عورت کو بنانا ہوتا ہے، تم خود میں وہ خوبیاں پیدا کرو کہ اسید تمہارا دیوانہ ہو جائے۔ تیار ہو کر بیٹھو، اچھے پکوان پکا کر اسے کھلاؤ۔ اس کا ہر کام خود کرنے کی کوشش کرو۔ اس کو اپنا عادی بنالو۔ مرد کو اپنا عادی بنانے والی عورت ہی کامیاب ہوتی ہے۔ پھر وہ ادھر ادھر منہ مارنا بند ہو جاتا ہے۔" اور زمر کو سمجھ نہ آتی کہ وہ اس بے تھے بیل کو اپنا عادی بنائے تو کیسے؟ وہ تو ہاتھ ہی نہ آتا تھا نہ گھر میں وقت گزارتا نہ زمر کا پکایا کچھ کھاتا۔ ناشتہ کر کے جو گھر سے نکلتا تو کہیں رات کو واپسی ہوتی اور زمر تیار ہو کر ڈنر کا انتظام کیے اس کے انتظار میں ہی سو جاتی۔ وہ گھر واپس آتا تو الٹا اس کو ڈانٹ دیتا کہ جب تمہیں پتا ہے میں باہر سے کھا کر آتا ہوں تو تم کیوں انتظار میں بیٹھی رہتی ہو۔ وہ اس کی تیاری کو بھی تنقید کا نشانہ بناتا۔ یوں زمر خون کے گھونٹ بھر کر چپ ہو جاتی پھر زمر نے ایسا کرنا ہی چھوڑ دیا۔ ان ہی بوجھل دنوں میں اس کو اپنے ماں بننے کی خبر ملی۔ وہ عجیب سے احساس سے دوچار ہو گئی تھی۔ اسید کو بتایا تو اس نے اس بات کو نارمل لیا۔

"آپ کو یہ بات سن کر خوشی نہیں ہوئی۔" وہ ہنوز بے تاثر انداز میں لیپ ٹاپ پر مصروف رہا تو وہ پوچھ بیٹھی۔

"اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔ ظاہر ہے شادی کی ہے تو بچے بھی ہوں گے۔" اسید نے لاپروائی سے کہا تو زمر خاموش سی رہ گئی تھی۔

اس کی طبیعت اب گری گری سی رہتی تھی۔ بیزاری اور بے نام سی تھکن اعصاب پر سوار رہتی۔ اسید نے اس کا اتنا خیال کیا کہ ایک کل وقتی ملازمہ رکھ دی تھی ورنہ گارڈ اور چوکیدار کے علاوہ ایک جز وقتی ملازمہ صفائی کر کے اور برتن دھو کر چلی جاتی تھی۔ خانساماں کو زمر نے پہلے ہی چھٹی دے دی تھی۔ اسید گھر پر کھاتا نہ تھا اور زمر کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

پھر ایک دن تخلیق کے جان لیوا مرحلے سے گزر کر زمر نے دو جڑواں صحت مند بچوں کو جنم دیا تھا۔ سیزر کے بعد جب وہ ہوش میں آئی تو اماں نرس کے ساتھ خوشی خوشی دونوں کو اٹھا کر اس کے پاس لے آئی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اللہ نے اس کو بیک وقت بیٹا بیٹی سے نواز دیا تھا۔

"اماں ان کو اسید نے دیکھا کیا؟" اس نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"ابھی کہاں، ان دونوں کو نرسری میں رکھا تھا ڈاکٹروں نے۔" اماں نے بتایا۔ اتنے میں اسید چلا آیا تو زمر نے جھلمل آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا۔

"بیٹا..... بہت مبارک ہو اللہ نے ایک ساتھ نعمت اور رحمت عطا کی ہیں۔" اماں نے بلند آواز سے مبارک دی تو وہ مسکرا دیا۔

"خیر مبارک اماں۔" وہ دونوں بچوں کو باری باری پیار کرنے لگا تھا۔

"ماشاء اللہ، دونوں بچے بالکل تمہاری شکل ہیں۔" اماں نے کہا تو وہ یوں ہی مسکراتا اس کے قریب آیا تھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" اسید نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر پوچھا تو زمر خوشی و حیرت سے آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی تھی پھر اسید نے والٹ سے کئی نوٹ نکال کر زمر اور بچوں پر وار کر صدقے کی نیت سے اسپتال کے سویپرز میں بانٹ دیے۔ میل ایمپل

نرسوں کو الگ سے رقم دی اور مٹھائی الگ بانٹیں۔

زمر اس کے رویے سے شاد ہوگئی اس کو پورا یقین تھا کہ دو فرشتوں کی آمد کے صدقے میں اللہ اس کا دل ضرور بدل دے گا اور آثار بھی نظر آرہے تھے لیکن کچھ خوشیاں وقتی ہوتی ہیں۔ یہ خوشی بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔

❁ ❁ ❁

اسید نے چند روز ذمہ داری نبھائی پھر اپنے معمولات پر واپس چلا گیا۔ ایک بار پھر زمر اکیلی رہ گئی تھی۔ دو بچوں کو بیک وقت سنبھالنا زمر کے لیے آسان نہ تھا اس صورت میں جبکہ سیزر کے دوران وہ خون کی کمی کا شکار ہو چکی تھی۔ اماں نے اس کو اپنے گھر لے جانا چاہا تو اسید نے صاف منع کردیا کہ وہاں سہولتوں کا فقدان ہے۔ اماں بھی بابا کی خراب طبیعت کے پیش نظر رہ نہ سکیں اور یوں زمر اکیلی دو بچوں کو سنبھالنے میں ہلکان ہونے لگی تھی۔ دن میں تو ملازمہ ساتھ دیتی لیکن ساری رات کا جاگنا اور فیڈ کروانا تو زمر کے ذمہ تھا۔ بچے بھی رات بھر ریں ریں کرتے رہتے تھے۔ اسی بات سے تنگ آکر اسید الگ کمرے میں سونے لگا تھا۔

زمر کو بہت غصہ آیا ایک رات ہی تو تھی جب وہ پاس ہوتا تھا۔ اب وہ بھی میسر نہ رہی تھی۔ وہ بے حد نقاہت اور چڑچڑاہٹ کے زیر اثر رہنے لگی تھی۔ اسید پر بے حد تاؤ چڑھتا اس کی لاپروائی پر کڑھتی رہتی۔ بچوں کو چپ کرواتے ہوئے خود بھی رو دیتی تھی۔ عجیب حساس طبیعت ہوتی جارہی تھی۔ دوسری طرف اسید ہنوز اپنی زندگی میں مست تھا۔

❁ ❁ ❁

دن یوں ہی بے کیف گزرتے رہے تھے، بچوں کی وجہ سے گھر میں بہت رونق ہوگئی تھی اور زمر مصروف بھی ہوگئی تھی مگر زمر کے اندر کی تنہائی ویسی ہی تھی۔ اب تو وہ اسید سے لڑنے بھی لگی تھی۔ وہ رات کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس جاتا وہ دھنائی اس کے سر پر پہنچ جاتی۔ اس سے دن بھر کا حساب مانگتی، کبھی غصے میں چلائی ہوئی اس پر حملہ آور ہوتی اپنے ناخنوں سے اس کو کھسوٹتی۔ اسید اپنی طبیعت کے برخلاف خاموش رہتا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پکڑ لیتا..... زمر چیخ چلا کر خود ہی تھک جاتی اور وہ اس کو اپنی قربت کے کچھ پل عنایت کردیتا۔ وہ واپس بچوں کے پاس آتی تو پھر سے غصہ عود کر آجاتا۔

"یہ کیسی ازدواجی زندگی تھی؟ یہ کیسا تعلق تھا جس میں محبت، وفا اور اخلاص سب بے معنی تھا۔" سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگتا تھا۔ وہ مایوسی کی نجانے کس منزل پر تھی۔ جب حمنہ کا ایک دن فون آیا تھا۔

"اس کے میاں کی ٹرانسفر ملتان سے کراچی ہوگیا ہے اور یہ کہ وہ اب اسی شہر میں رہے گی۔" زمر کو یہ سن کر جیسے نئی زندگی ملی تھی، وہ دیر سے ہی دن اپنی اکلوتی بیسٹ فرینڈ سے ملنے چلی گئی تھی۔ دونوں کئی سالوں سے بچھڑی سہیلیاں جب روبرو ملیں تو مانو عید ہوگئی تھی۔ زمر فون پر اس سے رابطے میں تھی لیکن ملاقات پر حال احوال سنانا الگ بات تھی۔ وہ اپنی رازداں دوست کے آگے کھل کر روئی، ہر دکھ تفصیل سے کہہ سنایا، حمنہ گلے لگا کر پیار سے تھپکتی رہی، تسلی کے پھائے اس کے رستے زخموں پر رکھتی رہی اور جب زمر اس کے گھر سے واپس آئی تو بہت ہلکی پھلکی تھی۔

❁ ❁ ❁

اور آج حمنہ کو کراچی شفٹ ہوئے بھی چار سال ہو چکے تھے۔ زمر کی زندگی ویسی ہی گزر رہی تھی۔ گھر بچے مصروفیت اور بے پروا، بے راہ روی میں گم شوہر۔ اسید کی فطرت وہی تھی لیکن زمر کی کیفیت ان پانچ سالوں میں بدلتی رہی تھی۔ پہلے پہل اس کو اسید کی حرکتوں کی وجہ سے اپنا وجود ارزاں لگتا تھا، وہ خود کو مظلوم عورت سمجھتی جس کو برا شوہر مل گیا تھا پھر اس کو اسید پر بے انتہا غصہ آنا شروع ہوا وہ اس کو بدبخت سمجھنے لگی جو ایک وفا شعار بیوی اور دو بچوں کو نظر انداز کرکے لہو لعب میں پڑا ہے اور اب کچھ عرصے سے زمر پر عجیب کیفیت طاری تھی وہ اسید کی نظر اندازی اور غیر عورتوں سے تعلقات پر اس کو ویسا ہی بدلہ دینا چاہتی تھی۔ آخر یک طرفہ وفا کب تک؟ کب تک ایک ایسے انسان سے مخلص رہا جاسکتا ہے، جس کو سرے سے آپ کی مخلصی کی

نرسوں کو الگ سے رقم دی اور مٹھائی الگ بانٹیں۔

زمر اس کے رویے سے شاد ہوگئی اس کو پورا یقین تھا کہ دو فرشتوں کی آمد کے صدقے میں اللہ اس کا دل ضرور بدل دے گا اور آثار یہی نظر آرہے تھے لیکن کچھ خوشیاں وقتی ہوتی ہیں۔ یہ خوشی بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔

❁.....❁.....❁

اسید نے چند روز ذمہ داری نبھائی پھر اپنے معمولات پر واپس چلا گیا۔ ایک بار پھر زمرا کیلی رہ گئی تھی۔ دو بچوں کو بیک وقت سنبھالنا زمر کے لیے آسان نہ تھا اس صورت میں جبکہ سیزر کے دوران وہ خون کی کمی کا شکار ہو چکی تھی۔ اماں نے اس کو اپنے گھر لے جانا چاہا تو اسید نے صاف منع کر دیا کہ وہاں سہولتوں کا فقدان ہے۔ اماں بھی بابا کی خراب طبیعت کے پیش نظر رہ نہ سکیں اور یوں زمرا کیلی دو بچوں کو سنبھالنے میں ہلکان ہونے لگی تھی۔ دن میں تو ملازمہ ساتھ دیتی لیکن ساری رات کا جاگنا اور فیڈ کروانا تو زمر کے ذمہ تھا۔ بچے بھی رات بھر ریں ریں کرتے رہتے تھے۔ اسی بات سے تنگ آ کر اسید الگ کمرے میں سونے لگا تھا۔

زمر کو بہت غصہ آیا ایک رات ہی تو تھی جب وہ پاس ہوتا تھا۔ اب وہ بھی میسر نہ رہی تھی۔ وہ بے حد نفاست اور چڑچڑاہٹ کے زیر اثر رہنے لگی تھی۔ اسید پر بے حد تا و چڑھتا اس کی لاپروائی پر کڑھتی رہتی۔ بچوں کو چپ کرواتے ہوئے خود بھی رو دیتی تھی۔ عجیب حساس طبیعت ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف اسید ہنوز اپنی زندگی میں مست تھا۔

❁.....❁.....❁

دن یوں ہی بے کیف گزرتے رہے تھے، بچوں کی وجہ سے گھر میں بہت رونق ہوگئی تھی اور زمر مصروف بھی ہوگئی تھی مگر زمر کے اندر کی تنہائی ویسی ہی تھی۔ اب تو وہ اسید سے لڑنے بھی لگی تھی۔ وہ رات کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس جاتا وہ دندناتی اس کے سر پر پہنچ جاتی۔ اس سے دن بھر کا حساب مانگتی، کبھی غصے میں چلاتی ہوئی اس پر حملہ آور ہوتی اپنے ناخنوں سے اس کو کھسوٹتی۔ اسید اپنی طبیعت کے برخلاف خاموش رہتا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پکڑ لیتا..... زمر چیخ چلا کر خود ہی تھک جاتی اور وہ اس کو اپنی قربت کے کچھ پل عنایت کر دیتا۔ وہ واپس بچوں کے پاس آتی تو پھر سے غصہ عود کر آ جاتا۔

"یہ کیسی ازدواجی زندگی تھی؟ یہ کیسا تعلق تھا جس میں محبت، وفا اور اخلاص سب بے معنی تھا۔" سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگتا تھا۔ وہ مایوسی کی نجانے کس منزل پر تھی۔ جب حمنہ کا ایک دن فون آیا تھا۔

"اس کے میاں کی ٹرانسفر ملتان سے کراچی ہوگیا ہے اور یہ کہ وہ اب اسی شہر میں رہے گی۔" زمر کو یہ سن کر جیسے نئی زندگی ملی تھی، وہ دوسرے ہی دن اپنی اکلوتی بیسٹ فرینڈ سے ملنے چلی گئی تھی۔ دونوں کئی سالوں سے بچھڑی سہیلیاں جب روبرو ملیں تو مانو عید ہوگئی تھی۔ زمر فون پر اس سے رابطے میں تھی لیکن ملاقات پر حال احوال سنانا الگ بات تھی۔ وہ اپنی رازداں دوست کے آگے کھل کر روئی، ہر دکھ تفصیل سے کہہ سنایا، حمنہ گلے لگا کر پیار سے تھپکتی رہی، تسلی کے بجائے اس کے رستے زخموں پر رکھتی رہی اور جب زمر اس کے گھر سے واپس آئی تو بہت ہلکی پھلکی تھی۔

❁.....❁.....❁

اور آج حمنہ کو کراچی شفٹ ہوئے بھی چار سال ہو چکے تھے۔ زمر کی زندگی ویسی ہی گزر رہی تھی۔ گھر بچے مصروفیت اور بے پروا، بے راہ روی میں گم شوہر۔ اسید کی فطرت وہی تھی لیکن زمر کی کیفیت ان پانچ سالوں میں بدلتی رہی تھی۔ پہلے پہل اس کو اسید کی حرکتوں کی وجہ سے اپنا وجود ارزاں لگتا تھا، وہ خود کو مظلوم عورت سمجھتی جس کو برا شوہر مل گیا تھا پھر اس کو اسید پر بے انتہا غصہ آنا شروع ہوا وہ اس کو بدبخت سمجھنے لگی جو ایک وفا شعار بیوی اور دو بچوں کو نظر انداز کر کے لہو لعب میں پڑا ہے اور اب کچھ عرصے سے زمر پر عجیب کیفیت طاری تھی وہ اسید کی نظر اندازی اور غیر عورتوں سے تعلقات پر اس کو ویسا ہی بدلہ دینا چاہتی تھی۔ آخر یک طرفہ وفا کب تک؟ کب تک ایک ایسے انسان سے مخلص رہا جا سکتا ہے جس کو سرے سے آپ کی مخلصی کی

نرسوں کو الگ سے رقم دی اور مٹھائی الگ بانٹیں۔

زمر اس کے رویے سے شاد ہوگئی اس کو پورا یقین تھا کہ دو فرشتوں کی آمد کے صدقے میں اللہ اس کا دل ضرور بدل دے گا اور آثار یہی نظر آرہے تھے لیکن کچھ خوشیاں وقتی ہوتی ہیں۔ یہ خوشی بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔

❁.....❁.....❁

اسید نے چند روز ذمہ داری نبھائی پھر اپنے معمولات پر واپس چلا گیا۔ ایک بار پھر زمرا کیلی رہ گئی تھی۔ دو بچوں کو بیک وقت سنبھالنا زمر کے لیے آسان نہ تھا اس صورت میں جبکہ سیزر کے دوران وہ خون کی کمی کا شکار ہو چکی تھی۔ اماں نے اس کو اپنے گھر لے جانا چاہا تو اسید نے صاف منع کر دیا کہ وہاں سہولتوں کا فقدان ہے۔ اماں بھی بابا کی خراب طبیعت کے پیش نظر رہ نہ سکیں اور یوں زمرا کیلی دو بچوں کو سنبھالنے میں ہلکان ہونے لگی تھی۔ دن میں تو ملازمہ ساتھ دیتی لیکن ساری رات کا جاگنا اور فیڈ کروانا تو زمر کے ذمہ تھا۔ بچے بھی رات بھر ریں ریں کرتے رہتے تھے۔ اسی بات سے تنگ آ کر اسید الگ کمرے میں سونے لگا تھا۔

زمر کو بہت غصہ آیا ایک رات ہی تو تھی جب وہ پاس ہوتا تھا۔ اب وہ بھی میسر نہ رہی تھی۔ وہ بے حد نفاست اور چڑچڑاہٹ کے زیر اثر رہنے لگی تھی۔ اسید پر بے حد تا و چڑھتا اس کی لاپروائی پر کڑھتی رہتی۔ بچوں کو چپ کرواتے ہوئے خود بھی رو دیتی تھی۔ عجیب حساس طبیعت ہوتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف اسید ہنوز اپنی زندگی میں مست تھا۔

❁.....❁.....❁

دن یوں ہی بے کیف گزرتے رہے تھے، بچوں کی وجہ سے گھر میں بہت رونق ہوگئی تھی اور زمر مصروف بھی ہوگئی تھی مگر زمر کے اندر کی تنہائی ویسی ہی تھی۔ اب تو وہ اسید سے لڑنے بھی لگی تھی۔ وہ رات کو گھر آتے ہی اپنے کمرے میں گھس جاتا وہ دندناتی اس کے سر پر پہنچ جاتی۔ اس سے دن بھر کا حساب مانگتی، کبھی غصے میں چلاتی ہوئی اس پر حملہ آور ہوتی اپنے ناخنوں سے اس کو کھسوٹتی۔ اسید اپنی طبیعت کے برخلاف خاموش رہتا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پکڑ لیتا..... زمر چیخ چلا کر خود ہی تھک جاتی اور وہ اس کو اپنی قربت کے کچھ پل عنایت کر دیتا۔ وہ واپس بچوں کے پاس آتی تو پھر سے غصہ عود کر آ جاتا۔

"یہ کیسی ازدواجی زندگی تھی؟ یہ کیسا تعلق تھا جس میں محبت، وفا اور اخلاص سب بے معنی تھا۔" سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگتا تھا۔ وہ مایوسی کی نجانے کس منزل پر تھی۔ جب حمنہ کا ایک دن فون آیا تھا۔

"اس کے میاں کی ٹرانسفر ملتان سے کراچی ہوگیا ہے اور یہ کہ وہ اب اسی شہر میں رہے گی۔" زمر کو یہ سن کر جیسے نئی زندگی ملی تھی، وہ دوسرے ہی دن اپنی اکلوتی بیسٹ فرینڈ سے ملنے چلی گئی تھی۔ دونوں کئی سالوں سے بچھڑی سہیلیاں جب روبرو ملیں تو مانو عید ہوگئی تھی۔ زمر فون پر اس سے رابطے میں تھی لیکن ملاقات پر حال احوال سنانا الگ بات تھی۔ وہ اپنی رازداں دوست کے آگے کھل کر روئی، ہر دکھ تفصیل سے کہہ سنایا، حمنہ گلے لگا کر پیار سے تھپکتی رہی، تسلی کے بجائے اس کے رستے زخموں پر رکھتی رہی اور جب زمر اس کے گھر سے واپس آئی تو بہت ہلکی پھلکی تھی۔

❁.....❁.....❁

اور آج حمنہ کو کراچی شفٹ ہوئے بھی چار سال ہو چکے تھے۔ زمر کی زندگی ویسی ہی گزر رہی تھی۔ گھر بچے مصروفیت اور بے پروا، بے راہ روی میں گم شوہر۔ اسید کی فطرت وہی تھی لیکن زمر کی کیفیت ان پانچ سالوں میں بدلتی رہی تھی۔ پہلے پہل اس کو اسید کی حرکتوں کی وجہ سے اپنا وجود ارزاں لگتا تھا، وہ خود کو مظلوم عورت سمجھتی جس کو برا شوہر مل گیا تھا پھر اس کو اسید پر بے انتہا غصہ آنا شروع ہوا وہ اس کو بدبخت سمجھنے لگی جو ایک وفا شعار بیوی اور دو بچوں کو نظر انداز کر کے لہو لعب میں پڑا ہے اور اب کچھ عرصے سے زمر پر عجیب کیفیت طاری تھی وہ اسید کی نظر اندازی اور غیر عورتوں سے تعلقات پر اس کو ویسا ہی بدلہ دینا چاہتی تھی۔ آخر یک طرفہ وفا کب تک؟ کب تک ایک ایسے انسان سے مخلص رہا جا سکتا ہے جس کو سرے سے آپ کی مخلصی کی

ضرورت ہی نہ ہو۔ اتنے سال تک وہ اس سے وفادار رہی کیا صلہ ملا؟ نہ اس کا دل بدلا نہ وہ اپنی فطرت سے ہٹا۔

زمر کا جلنا کڑھنا صرف اسی کو نقصان پہنچاتا رہا۔ وہ رقابت کی آگ میں جل جل کر مر رہی تھی۔ پھر راکھ ہوئی پھر دھواں۔ اپنی ذات میں دھواں بن جانا اس کے کس کام آیا؟ وہ سوچتی رہتی اور یہی بات آج حمنہ کے سامنے بھی کردی جس پر وہ بے چین ہوگئی اس کو زمر کے لہجے میں پہلی بار بغاوت محسوس ہوئی تھی اور اسی بات نے حمنہ کو پریشان کردیا تھا۔

❁.....❁.....❁

زمر بچوں کے بے حد اصرار پر ان کو "کڈز ورلڈ" لے آئی تھی۔ اسید تو چھٹی والا دن بھی بستر پر گزارتا تھا۔ اس کو فیملی کے ساتھ باہر آؤٹنگ پر جانا پسند نہ تھا۔ زمر خود ہی بچوں کو آؤٹنگ کروانے باہر لے آئی تھی۔ اب بھی وہ دونوں سلائڈنگ کرتے خوش ہو رہے تھے اور وہ ایک طرف کرسی پر بیٹھی شیشے کے پار ان دونوں کو اچھل کود کرتے دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" ایک بھاری آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو زمر نے چونک کر گردن گھمائی۔ براؤن کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس مسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ کھڑے اس شخص کو دیکھ کر زمر چونکی۔

"کیسی ہیں زمر آپ؟" اس نے ایک ہاتھ میز پر رکھے جھک کر اس سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" زمر کے لبوں سے نکلا۔

"اگر برا نہ مانیں تو کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" اس نے اجازت طلب کی تو زمر کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا تھا۔

"شکریہ..... آج اتنے سالوں بعد آپ کو دیکھا تو رہ نہ سکا۔ حال احوال پوچھنے کو دل کیا۔ کیسی گزر رہی ہے، شادی ہوگئی آپ کی؟" عارب نے بے تکلفی سے پوچھا تو زمر نے لب کاٹے۔

"جی ہوگئی۔"

"آپ آج بھی ویسی ہی ہیں ریزورڈ اور ڈیسنٹ، انٹیلیکٹ آپ کی یہی خوبی مجھے بہت پسند تھی۔" وہ بے اختیار کہہ بیٹھا پھر خاموش ہوا۔

"آپ نے شادی کی؟" زمر نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"جی بالکل کی۔ پسند سے نہ سہی لیکن کرلی۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"پھر کیسی گزر رہی ہے؟ اپنی وائف سے ملوائیں۔" زمر نے کچھ تجسس کے تحت ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

"یہ میرا شہزادہ ارسم ہے۔ بیٹا ادھر آؤ۔" اس نے ایک گول مٹول سے بچے کو پاس بلایا۔

"جی پاپا۔"

"بیٹا یہ آنٹی ہیں پاپا کی یونیورسٹی فیلو ان سے ملو۔" اس نے بیٹے کو بتایا تو اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" زمر نے اس کا ننھا سا ہاتھ تھام لیا۔

"اب جاؤ اپنا کھیل انجوائے کرو۔" عارب کے کہنے پر وہ اپنی میز کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ میری بیوی کچھ اختلافات کے بنا پر ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ اب یہ ہی میری کل کائنات ہے۔" عارب نے سنجیدگی سے بتایا تو زمر کو دکھ سا ہوا۔

"اور آپ کی لائف تو سیٹ ہے ناں؟" اس کے سوال پر زمر کی آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا۔ اس نے آنکھیں جھکائیں مبادا دل کا درد عیاں نہ ہو جائے۔

"اوہ..... اس کا مطلب قسمت آپ پر بھی مہربان نہیں۔" اس کی تیز نظروں سے زمر کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ زمر اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخانے لگی۔

"مما..... بس اب ہم تھک گئے۔" اتنے میں میرب اور مشعال ان کی طرف چلے آئے تھے۔

"یہ میرے بچے....." زمر کی آنکھوں میں ممتا کی روشنی بھر گئی۔

"ماشاءاللہ جڑواں ہیں؟ بہت خوب صورت ہیں آپ کی

طرح۔ کیسے ہو بچوں؟" عارب نے دونوں سے ہاتھ ملایا۔

"فائن۔" میرب اور مشعال نے ایک ساتھ کہا۔

"اوکے زمر آپ کا بہت ٹائم لیا۔ یہ میرا وزٹنگ کارڈ ہے کبھی رابطہ کرنا چاہیں تو ضرور کیجیے گا۔ میں منتظر رہوں گا انفیکٹ ہم یونیورسٹی فیلو ہیں۔" وہ اس کو کارڈ دے کر بولا تو زمر نے وہ لے کر اس پر الوداعی نظر ڈالی، وہ اپنی میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔ زمر کارڈ کو دیکھنے لگی۔ وہ کسی بینک میں منیجر کے عہدے پر فائز تھا۔ نیچے موبائل نمبر درج تھا۔ زمر نے کارڈ پرس میں رکھ لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

پھر کئی دن گزر گئے وہ عارب کے دیئے کارڈ کو اگرچہ یاد رکھے ہوئے تھی مگر رابطے کا خیال نہ آیا۔ بس ایک پچھتاوا سا دل میں پھر سے سر اٹھانے لگا کہ کاش اسی سے قسمت مل جاتی جو دل سے چاہتا بھی تھا۔ اس رات بھی وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ زمر کو عجیب سی گھٹن نے آ گھیرا تھا۔ اس نے بچوں کو دیکھا جو بے خبر سوئے ہوئے تھے پھر وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ برابر والا کمرہ اسید کا تھا۔ زمر نے ہینڈل گھمایا تو وہ لاک تھا۔ اندر سے اسید کی آواز ابھری۔

"جانی..... اب کافی رات ہوگئی ہے سو جاؤ صبح مجھے آفس بھی جانا ہے۔" وہ کسی سے فون پر مخاطب تھا۔ زمر چونکی۔

"تم میری دوست ہو یا بیوی؟ میرا مشورہ ہے دوست بن کر ہی رہو بیوی بننے کی کوشش کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی ہاہا۔" وہ کھل کر ہنسا۔ زمر کا ہاتھ ہینڈل پر جم سا گیا تھا۔

"وہ دوسرے کمرے میں سو رہی ہے..... میں نے یہ بوجھ سر سے اتارا ہوا ہے۔ کسی سے بات کرلوں تو سو سوال، کون ہے، آدھی رات کو کس سے بات کر رہے ہو، فلاں فلاں۔ بیوی تو ایک عذاب ہے میرا مشورہ مانو تو کبھی کسی کی بیوی نہ بننا۔" وہ پھر ہنسا تو زمر نے لب بھینچ لیے اور واپس پلٹ آئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر سائیڈ دراز کھول کر کارڈ نکالا وزٹنگ کارڈ نائٹ بلب کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ کسی احساس کے تحت اس نے موبائل اٹھا کر عارب کا نمبر ڈائیل کیا۔ تیسری بیل پر کال اٹھالی گئی۔

"عارب اسپیکنگ۔" اس کی بھاری آواز خاموشی میں ارتعاش پیدا کر گئی مگر وہ خاموش رہی۔

"ہیلو بات کریں۔" زمر نے نمبر ملا تو لیا تھا لیکن اب سمجھ نہیں پا رہی تھی کیا کہے۔

"عارب..... میں زمر بول رہی ہوں۔" اس کی آواز پر عارب بری طرح چونکا۔

"زمر آپ کیسی ہیں، اس وقت فون کیا، سب خیریت تو ہے ناں؟" اس کی بات پر زمر شرمسار ہوئی۔

"وہ میں یوں ہی....." اسے جواب نہ بن پڑا۔ "اچھا اللہ حافظ۔" زمر نے فون کاٹ کر بند ہی کر دیا اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"اف کیوں میں نے اس بندے کو اس وقت تنگ کیا؟ بے چارا سو رہا ہوگا پریشان ہوگیا ہوگا۔" وہ شرمندگی سے یہی سوچتی نجانے کب سو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

دوسرے دن وہ دوپہر کا کھانا پکا رہی تھی کہ موبائل بجنے لگا۔

"حمنہ ہوگی۔" وہ سوچتے ہوئے کچن سے نکل کر تیزی سے ڈائننگ میز تک آئی اور سیل اٹھایا اسکرین پر اجنبی نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ہیلو۔" زمر نے محتاط ہو کر کہا۔

"عارب بات کر رہا ہوں زمر۔" عارب کی آواز ابھری تو زمر کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"آپ..... سوری کل رات میں نے یوں ہی آپ کو تنگ کیا۔" زمر نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"ارے ایسی بات نہیں۔ کل آپ بہت ٹینس لگ رہی تھیں اور پریشانی میں اپنوں کو یاد کیا جاتا ہے اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔"

"جی....." زمر اس کے اندازے پر حیران رہ گئی۔

"آپ اپنی پریشانیاں مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں زمر۔

میں تو چاہتا تھا کہ آپ سے اپنی لائف شیئر کروں مگر بعض اوقات قسمت ہماری خواہشوں کو پورا نہیں ہونے دیتی اور تا زندگی وہ ادھوری خواہش پھانس بن کر چبھتی رہتی ہے۔" وہ آہ بھر کر بولا تو زمر کا دل دھڑکا۔

"آپ جانتی ہیں میں نے زندگی میں صرف ایک ہی لڑکی کو شریک حیات بنانا چاہا اور وہ ہی میری نہ بن سکی۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی کرچیاں کھنک رہی تھیں، زمر کا سانس رکنے لگا تھا۔

"آپ سن رہی ہیں ناں زمر؟ خیر میں بھی کیسی باتیں لے بیٹھ گیا اگر آپ بات نہیں کرنا چاہتیں تو میں کال کاٹ دیتا ہوں۔" وہ اس کی خاموشی سے نتیجہ نکال کر کہنے لگا تو زمر فوراً بولی۔

"نہیں میں سن رہی ہوں۔" اس نے کہا تو عارب ہنس دیا۔

"پھر اپنی موجودگی کا احساس تو دیں ناں۔" اس نے شوخی سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"جی بولیں۔" پھر عارب سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ایک گھنٹہ گزر گیا پتا نہ چلا اور جب زمر نے کال منقطع کی تو وہ مسکرا رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

زندگی ایک دم ہی خوب صورت ہوگئی تھی۔ کسی کی آواز آپ کی زندگی کے کینوس میں ایسے بھی رنگ بھر سکتی ہے زمر کو سوچ کر حیرت ہونے لگتی۔ عارب کی حس مزاح بہت کمال کی تھی وہ روتے کو ہنسانے کا ہنر جانتا تھا۔ اس کا بھاری دھیما لہجہ دل میں اترتا محسوس ہوتا۔ وہ زمر کی ہر بات کو توجہ سے سنتا۔ اس کے دکھ پر دکھی اور خوشی میں خوش ہوتا۔ اس کو زمر کا پریشان رہنا بالکل پسند نہ تھا اور زمر اب خوش رہنے لگی تھی۔ وہ خود پر توجہ دینے لگی تھی۔ اسید کی طرف سے جلنا کڑھنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی خوشی عارب سے دن میں ایک گھنٹے کی بات چیت تھی۔ وہ ایک گھنٹہ اس کو باقی کے تیئس گھنٹے خوش رکھتا تھا۔ اس نے صحیح غلط کا ہر سبق بھلا دیا تھا۔

کبھی وہ بچوں کو آؤٹنگ پر لے جاتی تو عارب بھی اپنے بیٹے کے ساتھ وہاں پہنچ جاتا۔ بچے کھیلتے رہتے اور یہ دونوں نہ ختم ہونے والی باتوں میں مصروف ہو جاتے۔ پہلی بار زمر کو جینے کا لطف آیا تھا۔ پہلی بار اس نے زندگی کو مسکراتے قبول کیا تھا۔ اس نے حمنہ سے دانستہ یہ بات چھپالی تھی کہ وہ عارب سے بات کرتی یا ملتی ہے۔ اس کو اب نصیحتیں نہیں چاہیے تھیں، وہ جس چیز کی طلب گار تھی وہ اس کو اب عارب سے مل رہی تھی اور وہ تھی توجہ اور محبت۔

❁.....❁.....❁

"آپا پاکستان آرہی ہیں۔" ایک دن اسید نے بتایا۔

"اچھا....." زمر نے خاص توجہ نہ دی۔

"تم ہمیشہ کی طرح آپا کی آمد پر خوش نہیں ہوئیں۔" اسید نے فوراً محسوس کرلیا۔

"خوش ہوں، اظہار کرنا ضروری تو نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"پہلے تو کرتی تھیں۔" اسید نے اس کی بے نیازی کو اچنبھے سے دیکھا، وہ موبائل پر کوئی گیم کھیلنے میں مگن تھی۔

"تمہارے ساتھ رہ کر میرے جذبات سرد ہو گئے ہیں..... کسی بات کی خوشی محسوس ہی نہیں ہوتی نہ اظہار کر پاتی ہوں۔" زمر نے اسی انداز میں کہا۔

"بڑی بات ہے۔" اسید نے کندھے اچکائے۔

"نہیں اب تو کافی چھوٹی بات ہوگئی ہے۔" اس نے موبائل ایک طرف رکھ کر اپنے کھلے بال لپیٹ کر کیچر لگایا اور صوفہ سے اٹھی۔

"تم کہیں جارہے ہو تو میں دروازہ بند کروں۔" زمر نے اسے حسب عادت نک سک سے تیار دیکھ کر پوچھا۔

"آہاں..... جا تو رہا ہوں۔" وہ کسی خیال سے چونکا پھر آگے بڑھا۔ زمر نے اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کیا پھر پلٹ کر اندر آئی اور موبائل اٹھا کر دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گئی۔

❁.....❁.....❁

آپا کی آمد ہمیشہ کی طرح ہنگامہ خیز رہی تھی..... اسید حسب سابق ان کے آتے ہی شرافت کے جامے میں

آ گیا تھا۔ آپا کی موجودگی میں اس کی شعوری کوشش ہوتی تھی کہ ان کو اس کی طرف سے کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے۔ آفس کے بعد سیدھا گھر آنا۔ آپا کو پورا وقت دینا ان کے اور بچوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کے پروگرام ترتیب دینا..... زمر یہ سب اپنی شادی کے وقت سے دیکھ رہی تھی سال میں ایک مرتبہ آپا کی آمد کے وسیلے سے اس کو ایک بالکل سدھرا ہوا میاں ایک ماہ کے لیے مل جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ آپا کے آنے سے بہت خوش ہوا کرتی تھی..... ان دنوں اس کی ہنسی کا عجب ہی رنگ ہوا کرتا تھا۔ اس نے اسید کا اصلی چہرہ آپا کو دکھانے کی کوشش ترک کردی تھی، شادی کے پہلے سال اس نے ان کو اسید کا رویہ بتانے کی کوشش کی تھی مگر آپا نے پوری بات سننے سے پہلے اسی کو ہی نصیحتیں کرنا شروع کردی تھیں..... اس کے بعد زمر نے ان کو کچھ بتانا ہی چھوڑ دیا۔ ویسے بھی وہ اپنے بھائی کو اچھے سے جانتی تھیں لیکن اس دفعہ زمر کو آپا کے آنے پر کسی قسم کی خوشی محسوس نہ ہوئی بلکہ وہ انتہائی بیزار سی نظر آ رہی تھی۔ کوکنگ اور دیگر مہمان داری کے کام بھی جیسے مارے باندھے کرتی، ان کے کسی پکنک پروگرام میں شریک بھی نہ ہوتی بلکہ کوئی بہانہ بنا کر گھر رک جاتی..... آپا تو آپا اسید نے بھی اس کی ذات میں یہ واضح تبدیلی نوٹ کرلی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تم اس بار آپا سے اکھڑی اکھڑی اور بیزار کیوں نظر آ رہی ہو؟ وہ سال میں ایک بار ہم لوگوں کی محبت میں ہم سے ملنے وطن آتی ہیں، ان سے ایسا رویہ رکھ کر تم ان کو ہرٹ کر رہی ہو۔" اسید نے اس رات زمر کو کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میری طبیعت ان دنوں کچھ بوجھل ہے..... میں خود سے ہی بیزار ہوں دوسروں کو کیا خوش رکھوں۔" زمر نے میگزین کے صفحے پلٹتے ہوئے عجیب انداز میں جواب دیا جو اس کا خاصہ نہیں تھا۔

"اور اس طبیعت کے بوجھل پن کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اسید نے بیڈ پر نیم دراز زمر کو دیکھا۔

"وجہ معلوم ہوتی تو علاج نہ کروا لیتی۔" زمر نے میگزین میز پر رکھا اور بیڈ لیٹ گئی۔

"یہ طبیعت کا بوجھل پن کہیں کسی گڈ نیوز کا اشارا تو نہیں۔" پکا یک اسید نے دھیان گیا۔

"پتا نہیں....." زمر نے جان چھڑوانے والے انداز میں کہا۔

"مطلب ایک بار پھر ٹوئنس کی توقع رکھوں۔" اسید کا موڈ اچانک بدلا، اس نے زمر کا بازو پکڑ کر خود سے قریب کرتے ہوئے کہا تو زمر بلش ہوگئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں اسید، ابھی مجھے خود کنفرم نہیں۔" زمر کو وضاحت دینی پڑی ورنہ وہ اس بہانے اپنے سرد رویے کو چھپانا چاہ رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں تو ہو جائے گی۔" اسید نے گمبھیر سی سرگوشی کی۔

زمر کا دل پگھلنے لگا..... وہ بہت کم زمر سے رومانٹک ہوتا تھا اور اس وقت وہی مہربان گھڑی تھی۔ وہ اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتا محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسید کی یہ وارفتگی اسے اچھی لگ رہی تھی۔ دفعتاً موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی اسید فوراً زمر سے نظر ہٹا کر ادھر متوجہ ہوا سیل اٹھا کر کال پر چمکتے نمبر کو دیکھا پھر کچھ سوچ کر کال کاٹ دی۔

"کس کی کال ہے؟" زمر نے پوچھا اسید نے جواب نہیں دیا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔

موبائل ایک بار پھر بجا پر اس بار اسید نے پروا نہ کی۔ سیل فون خاموش ہوا پھر بجنے لگا..... زمر کو سر درد ہونے لگا۔

"اسید کال اٹینڈ کرلو۔" وہ جانتی تھی اس کی کسی فرینڈ کی کال ہے سو لہجہ خود بخود تلخ ہوگیا۔

"جانے دو۔" اسید بے مزہ ہو کر بولا۔

"نہیں اٹینڈ کرو کہیں کال کے دوسری طرف تمہاری فرینڈ کو ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے۔" وہ اس کی بانہوں سے نکل کر کچھ دور ہوئی۔ اسید نے اس کا برہم چہرہ دیکھا پھر موبائل کو اٹھا کر پاور آف کردیا۔

"لو کردی اس کی راگنی ختم۔" پھر اس نے زمر کے قریب آتے کہا۔

"اتنی جلدی کچھ بھی ختم نہیں ہوتا اسید..... نہ یہ راگنی نہ اس کو بجانے والی۔" وہ چیخ کر بولی اور بیڈ سے اٹھ کر صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اب یہ کیا حرکت ہے؟" اسید جھنجلایا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اپنی دوستوں کو ٹائم دو جو تمہارے رات کے اس پہر کی مجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔" زمر سکڑ سمٹ کر صوفے پر لیٹ گئی۔

"یار..... میں یہ ٹائم آج تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ آؤ ادھر شاباش۔" اسید نے نرم لہجے میں پچکارا۔

"مجھے خیرات میں ملاوقت نہیں چاہیے..... آپا کی وجہ سے یہ جو تم میرے ساتھ ایک کمرے میں رہنے کے ڈرامے کر رہے ہو انہیں دکھانے کے لیے، مجھ سے پیار جتانے اور انڈر اسٹینڈنگ کے ڈھونگ کر رہے ہو ان باتوں سے اب میں عاجز آ گئی ہوں۔ معاف کرو مجھے، نہیں چاہیے مجھے یہ وقتی توجہ کے جھوٹے سچے ڈرامے۔" زمر نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے تک لے جا کر زہریلے لہجے میں کہا تو اسید کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ اتنا تلخ وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"زمر..... میں نے کہا میرے پاس آ کر بیٹھو۔" اسید نے حیرت پر قابو پا کر کچھ غصے سے کہا۔

"میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔" زمر نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے کروٹ دوسری طرف کر لی۔ اسید لب بھینچے گہری نظروں سے اس کی پیٹھ گھورنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

"پھوپو اس میں پیچ کلر کرتے ہیں۔" میرب نے پھوپو سے کہا۔

"نہیں پھوپو یہ کرٹن بلو کلر کے اچھے لگیں گے۔" مشعال فوراً بولا۔

لاؤنج کے بیچوں بیچ میز پر اسکرب اور اسکیچ بکس کے ساتھ ڈھیروں کلرز بکھرائے وہ دونوں آپا کے ساتھ قالین پر بیٹھے آرٹ اور کرافٹ میں مصروف تھے۔ زمر کچن سے نکل کر ستانے کے لیے صوفہ پر بیٹھ گئی، اسید ریلیکس انداز میں صوفہ پر تقریباً نیم دراز ریموٹ سے ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔

"نہیں کرٹن پیچ کلر کے ہوں گے۔" میرب نے پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔

"بلو....." مشعال ٹھنکا۔

"پیچ....." میرب زور سے بولی۔

"مشعال، میرب! کیا ہو رہا ہے..... کیوں لڑ رہے ہو؟" اسید نے سیدھے ہو کر انہیں کہا۔

"پپا..... ہم نے اپنا ہوم سوئیٹ ہوم بنایا ہے، اب یہ میرے بیڈ روم میں لگے کرٹن کو پیچ کلر نہیں کرنے دے رہا۔" میرب نے منہ لٹکا کر شکایت کی۔

"یہ روم میرا بھی تو ہے اس میں بلو کلر کے کرٹن لگیں گے۔" مشعال نے مچل کر کہا۔

"ارے میں سلجھاتی ہوں تم دونوں کی مشکل..... بیڈ روم کی دو کھڑکیاں ہیں دونوں پر الگ رنگ کے کرٹن کلر کرتے ہیں اب خوش۔" آپا نے حل نکالا تو دونوں سر ہلانے لگے۔

"مجھے دکھاؤ کیا بنایا ہے۔" اسید اپنی جگہ سے تھوڑا کھسک کر میز پر جھکا۔

"پاپا..... یہ ہمارا گھر....."

"میں بتاؤں گی پاپا کو۔" میرب نے مشعال کی بات اچک لی۔

"پاپا..... یہ ہمارے گھر کے چار کمرے، یہ آپ کا بیڈ روم، یہ ہم دونوں کا، یہ ڈرائنگ روم، یہ گیسٹ روم، یہ کچن ہے۔" میرب پینسل کی نوک سے نشاندہی کر رہی تھی۔

"واہ..... گھر تو بہت عمدہ بنایا ہے۔" اسید نے بے اختیار تعریف کی۔

"تھینک یو پاپا..... پھوپو نے بھی ہیلپ کروائی ہے۔" میرب بہت خوش ہوئی۔

"یہ سیخ سلائی جیسی عورت کون ہے؟" اسید نے پتلے

پتلے بازو اور ٹانگوں والی ایک خاتون جو کہ کچن میں کھڑی تھی کو دیکھ کر شرارتاً پوچھا۔

"یہ عورت نہیں مما ہیں۔" مشعال نے احتجاج کیا۔

"کیا مما عورت نہیں ہوتی۔" اسید نے قہقہہ لگایا۔

"مما تو مما ہوتی ہے۔" میرب نے سمجھداری سے جواب دیا۔

"اچھا یہ چھوٹا سا ہرا لان ہے۔ اس میں یہ کون سی عجیب خلقت جھولے لے رہی ہے۔" اسید بدستور شرارتی موڈ میں تھا۔

یہ ہم دونوں ہیں پاپا۔" میرب نے برا منا کر جتایا۔

"اوہ..... اچھا۔" اسید نے جیسے سمجھ کر سر ہلایا آپا مسکرا کر بھائی کی شرارت ملاحظہ فرما رہی تھیں۔

"اچھا اس گھر میں بھلا میں کہاں ہوں؟" وہ فل اسکیپ صفحہ پر نظریں دوڑانے لگا۔

"آپ یہاں نہیں ہو۔" میرب نے دوپٹی والا سر نفی میں ہلایا۔

"پھر میں کہاں ہوں؟" اسید نے تعجب سے بیٹی کو دیکھا۔

"آپ گھر پر ہوتے کہاں ہو پاپا۔" میرب نے فوراً کہا تو اسید سناٹے میں رہ گیا۔

"مم..... میں ابھی گھر پر ہی تو ہوں۔" اسید نے آپا کی خشمگیں نگاہوں سے نظریں چرائیں۔

"یہ تو پھوپو آئی ہیں تب ہی آپ گھر پر ہیں۔" میرب بھی اسی کی بیٹی تھی منہ پھٹ اور نڈر۔

"میں ہر سنڈے کو گھر پر ہوتا ہوں بیٹا۔" اسید نے دھیمی آواز میں اپنا دفاع کیا۔

"سارا دن سوئے ہوتے ہیں پاپا۔" مشعال نے یاد دلایا تو اسید شرمندگی کے مارے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بچے سچ بولتے ہیں۔" دور بیٹھی زمر نے اونچی آواز میں لقمہ دیا۔ اسید اور آپا نے بیک وقت اسے دیکھا جو منہ بنا کر کچن کی طرف جا رہی تھی۔

"چلو بچوں آج کی ڈرائنگ کمپلیٹ ہوئی..... کل پھر آرٹ ورک کریں گے۔" آپا نے میز پر بکھرا سامان سلیقے سے سمیٹ کر ایک بیگ میں رکھا اور بچوں کے حوالے کیا۔

"اوکے پھوپو۔" وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف بھاگے اور آپا اٹھ کر اسید کے قریب بیٹھ گئیں۔

"میں سمجھتی تھی بیوی بچوں کے بعد تمہاری لاپروائیاں اور لاابالی حرکتیں ٹھیک ہو جائیں گی لیکن تم اب بھی ویسے ہی ہو اسید..... میرے آنے پر شرافت کا لبادہ اوڑھ کر بیٹھ جاتے ہو افسوس ہو رہا ہے بہت۔" انہوں نے بھائی کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"وہ آپا....." اسید سے کوئی جواب نہ بن پڑا سر جھکا کر ہاتھ ملتا رہا۔

"اتنی اچھی بیوی ملی ہے، دو پیارے بچے دیے ہیں اللہ نے اور کیا کمی رہ گئی ہے جو تم گھر سے باہر پوری کرنے جاتے ہو؟" آپا نے دبے دبے غصے سے پوچھا۔

"اس بار مجھے زمر کے تیور بہت خراب لگ رہے ہیں اسید..... وہ مجھ سے اکھڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ تم سے تمہاری حرکتوں سے بیزار ہو گئی ہے اور تمہارے ہی حوالے سے مجھ سے بے نیازی برت رہی ہے۔" آپا کے انکشاف پر اسید نے چونک کر ان کو دیکھا۔

"عورت کب تک شوہر کا تغافل برداشت کر سکتی ہے اسید، وہ بھی انسان ہے، اس کو بھی چاہے جانے کی خواہش ہو گی، اس گھر میں وہ خالی دیواروں سے سر پھوڑنے تو نہیں آئی۔ تمہارے ساتھ ایک رشتے میں بندھ کر آئی ہے۔" آپا نے دھیمی مگر دبنگ آواز میں اسید کو مزید لتاڑ کر بغور دیکھا جو بالکل خاموش سا کچھ سوچ رہا تھا۔

"اب بھی وقت ہے سدھر جاؤ، بیوی بیزار ہو کر گئی تو سمجھو بچے بھی ہاتھ سے گئے..... جب بیوی بچے اپنے نہ رہیں۔ مرد کی سالوں کی ریاضت پر پانی پھر جاتا ہے۔" انہوں نے لوہا نرم دیکھ کر مزید چوٹ کی۔

"میرے بچے مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں آپا..... میں وقت نہیں دے پاتا مگر ان کی ہر ضرورت، ہر خواہش

پوری کرتا ہوں۔" اسید نے سنجیدگی سے کہا۔

"وقت دینا ہی تو اہم ہے میرے بھائی..... وقت دے کر ہی تم ان کو اپنی محبت کا احساس دلا سکتے ہو، ضرورتوں اور خواہشوں کی تکمیل کرنے سے دل کے تار نہیں جوڑے جاتے۔ اس نازک احساس کے لیے جسمانی موجودگی اور پیار کے لمس کی ضرورت ہوتی ہے۔" آپا کی باتیں اسید کے دل کو عجیب سی سوچوں میں لے جا رہی تھیں، اتنے دنوں سے زمر کا بے نیاز سا رویہ ویسے بھی اسے مخمصے میں ڈالے ہوئے تھا۔ اس کی سوچتی نظریں کچن کی کھڑکی پر ٹک گئیں جہاں کام کرتی زمر کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"کیا کر رہی ہو زمر؟" آپا نے اچانک آ کر کچن کی سلیب صاف کرتی زمر کو چونکا دیا۔

"کچھ نہیں آپا۔" اس نے کپڑا دھو کر نچوڑا اور اسٹینڈ پر لٹکا دیا۔

"تمہیں بھی میری طرح رات کو کچن کو سمیٹ کر صاف ستھرا کر کے سونے کی عادت ہے۔" وہ ہنس کر بولیں تو زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"زمر..... ایک کپ چائے بنا دو بہت طلب ہو رہی ہے بلکہ اپنے لیے بھی بنا لو دونوں چائے ساتھ پیتے ہیں۔" آپا نے فرمائش کی تو زمر نے ناچاہتے ہوئے بھی قینچی اٹھا کر اس میں پانی ڈالا۔

"میں باہر صحن میں بیٹھی ہوں چائے وہیں لے آنا۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

زمر چائے کے کپ ٹرے میں رکھ کر صحن میں چلی آئی جہاں بہار کی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور آپا کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپا چائے۔" اس نے چمچہ کپ سے بجا کر انہیں متوجہ کیا جو سر اٹھا کر چڑیا کا گھونسلہ دیکھ رہی تھیں۔

"یہ منکی جیسا گھونسلہ اسید نے یہاں لٹکایا ہے؟" انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی..... لان میں بہت درخت ہیں مگر یہ چڑیوں کا جوڑا اسی صحن میں چکر لگاتا رہتا تھا، کچن کی چمنی کا پچھلا حصہ جس میں کشادہ سا سوراخ ہے اس میں یہ دونوں دن رات گھانس پھونس بھرتے تھے تو اسید کو میں نے بتایا تو وہ انہوں نے یہ منکی لا کر یہاں لٹکا دی اور چمنی کا سوراخ صاف کر کے بند کر دیا۔ اس میں گھانس موجود تھی مگر یہ چڑیا اپنی چونچ میں بھر بھر کر نہ جانے کیا کچھ لا کر اس میں بھرتی رہتی ہے۔" زمر نے نہ جانے کیوں تفصیل سے بتایا حالانکہ آپا سے مختصر بات کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

"پھر انڈے دیے چڑیا نے؟" آپا نے بھی دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں دیے ناں..... انڈوں سے دو تین بچے نکلے ہیں، کبھی کبھار میں گھونسلے میں جھانک لیتی ہوں، گھونسلہ چونکہ اونچائی پر ہے تو ذرا مشکل ہوتی ہے پھر یہ چڑیاں بھی بہت غصہ کرتی ہیں۔" زمر آپا کی دلچسپی دیکھ کر پھر تفصیل بتانے پر مجبور ہوئی۔

"اللہ کی شان ہے زمر..... یہ چڑا اور چڑیا بھی اپنی نسل کی بقا کے لیے کتنے فکر مند ہیں، اس جوڑے نے دن رات کا حساب بھلا رکھا ہے، دیکھو تو رات کے اس پہر بھی بیوی بچوں کی حفاظت کی خاطر چڑا گھونسلے کے باہر چکرا رہا ہے اور چڑیا بچوں کی دیکھ بھال کے لیے اندر موجود ہے۔" آپا نے کہا تو زمر نے سر ہلایا۔

"انسان بھی اپنے بچوں کی خاطر قربانی دیا ہی کرتے ہیں زمر..... ایک انسانی جوڑا بھی اس ہی طرح ایک ساتھ بچوں کے لیے مضبوط پناہ گاہ ہے، ماں گھر کے اندر رہ کر ان کی پرورش کرتی ہے اور باپ گھر سے باہر جا کر رزق کا انتظام کرتا ہے اور یوں وہ دنیا کے سرد و گرم سے محفوظ رہتے ہیں مگر جب یہ دونوں کسی وجہ سے الگ ہو جائیں تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ بچوں پر برا اثر پڑتا ہے زمر..... بچے بکھر جاتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں خلا آ جاتا ہے۔" آپا نے زمر کو بغور دیکھتے گہری بات کی۔ زمر نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"یہ بات صرف عورت ہی کیوں سوچے مرد کیوں نہیں

سوچتا۔" زمر نے تلخ سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ صرف عورت سوچے..... دونوں کو ہی یہ بات سمجھنی چاہیے زمر..... جس طرح یہ چڑا چڑی سمجھتے ہیں۔" انہوں نے رسان سے کہا تو زمر چپ ہوگئی۔

"یہ چڑا آوارہ مزاج اور دل پھینک نہیں ہے آپا..... اپنی چڑیا سے وفادار ہے۔" پھر اس نے دھیمی آواز میں جتایا..... آپا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"تمہیں کیسے پتا..... کیا خبر یہ ادھر ادھر جھانکتا تانکتا بھی ہو۔"

"نہیں اتنے دنوں سے اسی چڑیا کے ساتھ مل کر تنگ و دو میں مصروف ہے۔" زمر نے پرزور انداز میں نفی کی۔

"لو کے..... او کے ہوسکتا ہے۔" آپا نے ہار مانی۔

"خیر میری بات کا مقصد یہ تھا کہ ازدواجی زندگی میں اپنے بچوں کے لیے میاں بیوی دونوں کو ہی قربانی دینی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ باتیں اسید کو بھی سمجھایا کریں۔" زمر پھر تلخ ہوئی۔

"سمجھایا ہے اسے بھی..... اللہ کرے تم دونوں سمجھ جاؤ۔" آپا ایک سانس بھر کر اپنی نشست سے اٹھی تو زمر بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں اندر کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔

❁.....❁.....❁

ایک ماہ جیسے پلک جھپکتے گزر گیا تھا اور میمونہ آپا نے واپسی کی راہ لی تھی۔ ان کے جاتے ہی گھر میں پھر سے وہی روٹین شروع ہوگئی تھی، زمر جو ان دنوں عارب سے زیادہ باتیں نہیں کر پا رہی تھی پھر سے اس سے رابطے میں جڑ گئی تھی۔ اس ویک اینڈ ملاقات کا پروگرام بھی طے ہوگیا تھا..... وہ اب کچھ کھل کر سانس لے رہی تھی ورنہ آپا کی کھوجتی نظریں اسے بہت بری محسوس ہوتی تھیں۔

"اپنے بھائی کو سمجھا نہیں سکتیں بس میرے پیچھے پڑی ہیں۔" زمر نے سر جھٹک کر سوچا اور عارب سے واٹس ایپ پر چیٹنگ کرنے لگی، رات میں اپنے بیٹے کی ڈسٹربنس کے خیال سے وہ کال نہیں کرتا تھا، اس کا بیٹا اس کے بازو پر سر رکھ کر سوتا تھا سو وہ کمرے سے باہر بھی نہیں جاسکتا تھا جبکہ زمر کے بچے دوسرے روم میں سوتے تھے حتیٰ کہ شوہر بھی اپنے بیڈ روم میں آرام کرتا تھا، زمر نے جب یہ بات عارب کو بتائی تو وہ افسوس ہی کرتا رہا کہ اسید کو اتنی اچھی بیوی کی قدر نہیں پھر اس نے یہ بھی کہا کہ میں اسید کی جگہ ہوتا تو کبھی تم جیسی بیوی سے بے رخی نہ برتتا..... یہ سنتے ہی زمر کو نئے سرے سے اسید پر غصہ چڑھا تھا۔

اب بھی وہ ٹیکسٹ کے ذریعہ اس کی تنہائی بانٹ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا اور موبائل تکیے کے نیچے رکھ کر بیڈ سے اٹھی۔

"بچوں میں سے کوئی نیند سے جاگ گیا ہوگا۔" اس نے سوچ کر دروازہ کھولا تو سامنے اسید کھڑا تھا۔

"تم.....!" زمر نے ذرا سا حیران ہوکر اسے دیکھا جو اندر داخل ہوکر بیڈ پر بیٹھا اور جھک کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔

یقیناً دوستوں کی سنگت سے اس کی واپسی اسی وقت ہوئی تھی، اس کے پاس بیرونی دروازے کی چابی ہمیشہ موجود رہتی تھی، زمر کو گیٹ کھولنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی تھی مگر وہ باہر سے آ کر سیدھا اپنے روم میں جا کر سوتا تھا پر آج زمر کے پاس چلا آیا تھا۔ حیرت کی بات تو تھی۔

"زمر پانی پلا دو یار۔" پھر وہ بیڈ پر رکھا تکیہ اپنی کمر کے پیچھے لگاتے بولا تو زمر نے واٹر ڈسپنسر سے ایک گلاس پانی بھر کر اسے دیا۔

"کھڑی کیوں ہو، دروازہ لاک کر کے آؤ، سونا نہیں ہے کیا؟" اسید نے سہولت سے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا تو زمر کسی خیال سے چونکی پھر دروازہ بند کر کے بیڈ کے دوسری طرف آ کر لیٹ گئی۔ اپنے تکیے پر سر رکھتے ہی اس کو موبائل کی وائبریشن محسوس ہوئی۔ یقیناً عارب ٹیکسٹ کر کے اس کی اچانک آف لائن ہونے کی وجہ پوچھ رہا ہوگا۔

زمر نے اسید کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا۔ اسید نے ایک دم ہی اپنا بازو زمر کے تکیہ تک پھیلایا تو

زمر کا دل دھڑک اٹھا اس نے فوراً اپنا سر اسید کے بازو پر رکھا اور اپنا تکیہ دور سرکا دیا۔

"آج بہت جلدی میرا اشارا سمجھ لیا ورنہ اس رات تو....." اسید کچھ کہتے ہوئے رکا اور زمر کے گرد دونوں بازو پھیلا دیے۔

"میں نے سوچا دوستوں سے بچا کچا کچھ وقت خیرات کی طرح میری جھولی میں ڈالنا ہی چاہتے ہو تو اس خیرات سے میں بھی لطف لے لوں اس کے لہجے میں طنز تھا۔" زمر نے اسی تلخ لہجے میں طنز کیا جو آج کل اس کا خاصا تھا۔

"بہت جذباتی ہوتی جارہی ہو میری جان..... بات کیا ہے؟" اسید نے دلبری سے پوچھا۔

"تمہیں میرے جذبات کی کب پروا رہی ہے۔ میں مروں یا جیوں۔ تم اپنی مستی میں مگن رہو۔" زمر کی آواز نہ جانے کیوں بھیگ گئی تھی۔

"خیر اب ایسی بات بھی نہیں۔" اسید نے اسے اپنے مزید قریب کیا تو زمر نے بختی سے اپنی بہتی آنکھیں میچ لی تھیں۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن اس کی آنکھ دیر سے کھلی، گھڑی پر نظر پڑی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی دن کے ساڑھے نو بج رہے تھے، آج اتوار کا دن تھا لیکن وہ کب دیر تک سوتی تھی، بچے چھٹی والے دن بھی جلدی جاگ جاتے اور وہ اٹھ کر ان کو ناشتہ بنا کر دیتی تھی، اسید البتہ سارا دن سوتا رہتا تھا۔ اسید کا خیال آتے ہی اس نے بستر پر نظر دوڑائی تو اسے خالی پایا۔ مزید حیرت ہوئی کہ اسید جلدی اٹھ گیا، وہ بالوں کو ہاتھوں سے لپیٹتی کچھ حیران سی بستر سے نکلی پھر واش روم سے فریش ہو کر عجلت میں کمرے سے باہر آئی اس کا رخ کچن کی طرف تھا مگر لاؤنج کے بیچوں بیچ اس کے قدم رک گئے سامنے ہی ڈائننگ میز پر اسید اور دونوں بچے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔

"مما..... آپ اٹھ گئیں، آئیں ہمارے ساتھ بریک فاسٹ کریں۔" میرب نے ہانک لگائی تو زمر دھیمے قدموں سے میز تک آئی۔

"مما..... پاپا بازار سے حلوہ پوری لائے ہیں، بہت ٹیسٹی ہے۔" مشعال نے چہک کر بتایا تو زمر نے اسید کو دیکھا جو دونوں کو نوالے بنا بنا کر کھلا رہا تھا۔

"مما..... اب ہم بڑے ہو گئے ہیں ناں مگر پاپا ہمیں ڈیمپر بے بی سمجھ کر خود ناشتہ کروا رہے ہیں۔" میرب نے کھلکھلا کر ماں کو بتایا تو مشعال بھی زور زور سے ہنسنے لگا۔

"مستی نہیں..... خاموشی سے ناشتہ کرو۔" اسید نے پیار سے دونوں کو ٹوکا، زمر حیران سی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ یہ منظر اس کے لیے کسی خواب جیسا تھا۔

"زمر..... ناشتہ کرو۔" اسید نے اس کے آگے رکھی پلیٹ میں ایک پوری اور تھوڑا سا لن ڈالا۔

"پاپا..... مما کو بھی نوالے بنا کر کھلائیں۔" مشعال نے شرارت سے اسید سے کہا وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔

"پاپا..... آپ نے صرف ہمیں کیوں ڈیمپر بے بی کی طرح ٹریٹ کیا..... مما کو بھی کریں۔" میرب نے باقاعدہ منہ پھلا کر باپ سے شکوہ کیا۔

"او کے بابا انہیں بھی کھلاتا ہوں..... زمر بھئی منہ کھولو۔" اسید نے فوراً ایک نوالہ بنا کر زمر کے منہ کے آگے کیا تو وہ جھجک سی گئی۔

"کیا کر رہے ہو اسید مجھے نہیں کھانا۔" زمر نے اس کا ہاتھ پرے کیا۔

"بھئی بچوں اب تمہاری مما ہی راضی نہیں تو میں کیا کروں۔" اسید وہی نوالہ اپنے منہ میں رکھ کر چبانے لگا۔

"یہ فاؤل ہے مما، پاپا کے ہاتھ سے کھائیں۔" وہ ضد کرنے لگے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے میرب مشعال..... چپ کر کے اپنا ناشتہ فنش کرو۔" زمر نے دونوں کو گھورا تو وہ دبک کر بیٹھ گئے۔ ناشتہ کر کے زمر نے میز سے پلیٹیں سمیٹی اور کچن میں آ کر چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔

وہ چائے تیار کر کے باہر نکلی تو لاؤنج میں کوئی موجود نہیں تھا۔ البتہ باہر لان سے آوازیں آ رہی تھیں۔ زمر اپنی

اور اسید کی چائے لے کر وہیں آ گئی۔ اسید لان میں بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ زمر یہ منظر دیکھ کر ساکت سی رہ گئی..... آج مسلسل حیرانی کا دن تھا۔ اس نے برآمدے کی میز پر ٹرے رکھی اور کرسی پر بیٹھ کر اپنا چائے کا کپ اٹھا لیا پھر چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے وہ اسید میں آئی اس ناقابل یقین تبدیلی پر غور کرنے لگی۔ اچانک ٹھک سے بال اس کے کپ سے ٹکرائی اور پرچ اس کے ہاتھ میں رہ گئی۔ وہ بے یقینی سے فرش پر گری ہوئی چائے اور کپ کے ٹکڑوں کو دیکھنے لگی۔

"سوری مما..... میں نے اچھا شارٹ نہیں مارا۔" مشعال بیٹ ہاتھ میں اٹھائے دوڑا آیا۔

"ٹو ینگ مین تم نے چھکا مارا ہے چھکا۔ جلدی واپس پچ پر آؤ۔" اسید نے آواز لگائی تو وہ خوشی سے دوڑتا واپس چلا گیا۔

"چھکا مارا ہے..... میرا چائے کا کپ توڑ دیا یہ چھکا ہے۔" زمر نے پرچ میز پر پٹخی اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے۔

"اگر میرا کپ توڑا ہوتا تو یہ چوکا ہوتا۔" اسید ماں کے ری ایکشن سے گھبرائے ہوئے مشعال کا کندھا تھپکتے بولا۔

زمر جھک کر کپ کی کرچیاں سمیٹنے لگی پھر اس کا سارا دن ہی ان مصروفیات کی نذر ہوا..... عارب سے وہ چند منٹ کے لیے بھی بات نہ کر سکی۔ آج کسی جگہ ان کو ملنا بھی تھا مگر اسید کی روٹین کے اچانک بدلنے پر سب چوپٹ ہو گیا تھا۔ بچوں کی چہکاریں اور کھلکھلاہٹیں زمر کو اچھی بھی لگ رہی تھیں..... وہ باپ کی توجہ کو بہت انجوائے کر رہے تھے۔

"کاش یہ پل ہمیشہ زندگی سے جڑے رہیں۔" زمر نے بے اختیار دعا کی، بچوں کی خوشی ہر چیز سے بڑھ کر تھی۔

رات میں اسید ان کو اچھا سا ڈنر کروانے باہر لے گیا تھا..... وہاں بھی بچے بے حد خوش تھے، ایسی خوشی میرے ساتھ باہر نکلتے ان کے چہرے پر کبھی نہیں آتی تھی۔ زمر نے گہرائی میں جا کر سوچا تھا۔

❁.....❁.....❁

اسید کے مزاج اور روٹین میں تبدیلی ایک دن کی نہیں تھی نجانے کیسے مگر وہ بدل رہا تھا۔ اس کا پیشتر وقت آفس کے بعد اب زمر اور بچوں کے ساتھ گزرتا..... زمر کو شروعات میں حیرانی ہوئی پھر الجھن، وہ منتظر رہی کہ اسید کب اپنے روٹین میں واپس جاتا ہے لیکن وہ منتظر ہی رہی اسید اسے حیران اور پریشان کرنے پر تلا ہوا تھا۔

عارب سے زمر کا رابطہ کم ہونے لگا تھا..... وہ شادی کے اتنے برسوں بعد صحیح معنوں میں اب حقیقی ازدواجی زندگی گزارنے لگی تھی جب میاں اور بچوں کے کاموں کی ڈھیر ساری مصروفیات ہوتی ہیں، شوہر کے دفتر کے آنے سے پہلے اس کے پسندیدہ مینو کے حساب سے کھانا پکانا ہوتا ہے، اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی گھر ہنسی اور باتوں سے در و دیوار گونجنے لگتا ہیں۔ بہت ہی خوش کن تھا یہ سب برتنا مگر زمر کا دل اسید کی طرف سے اتنی جلدی صاف نہیں ہو پا رہا تھا..... وہ بے یقینی کا شکار تھی، اسید موبائل اٹھاتا تو چونک جاتی..... اس کی باتیں چھپ چھپ کر سننے کی کوشش کرتی۔ اسید کی دوستیاں بہر حال چل رہی تھیں لیکن اس نے ان کو وقت دینا اب کم کر دیا تھا۔ گھر، بیوی اور بچوں کی اہمیت اس کے دل میں کیسے اجاگر ہوئی زمر یہ سمجھنے سے قاصر تھی، اسے تو یہی لگتا کہ یہ ایک عارضی خواب ہے..... اسید دو چار دن بعد اس روٹین سے اکتا کر پھر سے پہلے والا اسید بن جائے گا۔

❁.....❁.....❁

زمر اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ اچانک ایک حادثہ ہو گیا۔ اسید کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہ آفس جانے کے لیے گھر سے نکلا اور سائیڈ ایریا کی طرف جاتے ہوئے اس کی کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ اسید کو فوری طور پر قریبی اسپتال پہنچایا گیا جب کہ ڈرائیور موقع پر دم توڑ گیا تھا۔ وہ ایمرجنسی میں تھا جب زمر کو اسپتال سے کال آئی تھی۔ وہ اسی وقت گھر سے اسپتال کے لیے نکل گئی تھی، راستہ بھر اس کے لبوں پر اسید کی خیریت کی دعائیں تھیں۔ وہ اسپتال میں سجدے میں گر پڑی اور رو رو کر اللہ سے اسید کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اماں اور بھیا بھی آ گئے تھے۔ وہ اس کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ حمنہ بھی شوہر

کے ساتھ آ گئی تھی۔ وہ میرب اور مشعال کو اسکول سے لے کر اپنے گھر چھوڑ آئی تھی۔

زمر جائے نماز پر ہی بیٹھی روتی رہی بارہ گھنٹے بارہ صدیاں بن گئے تھے گزر ہی نہ رہے تھے۔ حمنہ کے اصرار پر بھی وہ مصلے سے اٹھنے پر تیار نہ ہوئی۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ڈاکٹر نے آ کر اسید کے ہوش میں آنے کی خوشخبری سنائی۔ زمر شکرانے کے نفل پڑھنے لگی پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے اسید کو دیکھنے کی اجازت دی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ نیم وا آنکھیں کھولے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ زردی مائل ہو رہا تھا۔ وہ توانا مرد پٹیوں میں جکڑا عجیب لگ رہا تھا۔ زمر اس پر جھکی اسے تاسف سے دیکھتی رہی کئی آنسو آنکھوں سے چھلک کر اسید کے چہرے پر گرنے لگے۔ اسید نے لب بھینچ لیے۔

"زمر رو نہیں پلیز۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا۔ زمر نے اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو نئی زندگی ملی۔ میری دعائیں قبول ہوئیں۔" زمر نے بے قراری سے کہا۔

"زمر..... اب بھی رو رہی ہو پاگل۔ اسید بھائی کی جان بچ گئی۔ وہ خیریت سے ہیں۔" حمنہ نے پیچھے سے آ کر اس کو شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔

"آپ کو نئی زندگی مبارک ہو اسید بھائی۔ یہ سب زمر کی دعاؤں کے سبب ہی ہوا ہے۔ بارہ گھنٹوں سے اس نے نہ کچھ کھایا پیا نہ ہی یہ جائے نماز سے اٹھی۔ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کو ایسی بیوی ملی۔" حمنہ کی بات پر اسید ہلکا سا مسکرایا۔

"اسید بھائی اب خیریت سے ہیں میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے۔ اتنے بڑے حادثے کے باوجود اندرونی چوٹوں سے محفوظ رہے ہیں۔" حمنہ کے میاں نے اندر آ کر ان کو تسلی دی۔

"کیسے ہو اسید؟" پھر وہ اسید کی طرف متوجہ ہوئے تو زمر کچھ دور ہٹ گئی۔

❁.....❁.....❁

اسید کو ایک ہفتہ اسپتال میں رکھ کر ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ اس کو بیرونی چوٹیں آئی تھیں جو وقت کے ساتھ مندمل ہو جانی تھیں۔ باقی ٹانگ میں فریکچر کی وجہ سے اسے چلنے پھرنے میں کچھ دشواری تھی۔ گھر آ کر زمر نے اس کا صدقہ دیا تھا۔ اتنے دن گھر بالکل بند ہی رہا تھا تو ان کے آنے سے جیسے ایک دم رونق ہو گئی تھی۔ بچے حمنہ کی طرف اور زمر دن رات اسید کے ساتھ اسپتال میں رہ رہی تھی۔ اسید کے دوست اس دوران اسے ایک دو بار دیکھنے آئے اور بس.....

بہت ہی فارمل انداز تھا ان کا، اسید جس طرح بیوی بچوں کو نظر انداز کر کے ان پر اپنا وقت اور پیسہ ضائع کرتا تھا انہوں نے اس خلوص کی لاج بھی نہ رکھی اور اس کی گرل فرینڈز نے تو آ کر عیادت کرنا بھی گوارا نہ کیا بس فون پر خیر خیریت پوچھ لی تھی۔ اسید کو اس سب کا بہت دکھ ہوا تھا۔

"اچھا ہوا میں نے صحیح وقت پر اپنے گھر اور بیوی بچوں کی اہمیت سمجھ لی۔ ورنہ یہ دنیا تو بہت خود غرض اور مفاد پرست ہے۔" اس نے بیڈ پر لیٹے اذیت سے سوچا تھا۔

❁.....❁.....❁

زمر کچن میں اسید کے لیے سوپ بنا رہی تھی اور ذہن میں یہ خیال تھا کہ اس کو میڈیسن آج کس طرح کھلائی جائے۔ وہ دوائی لیتے ہوئے بچوں کی طرح ضد کرتا تھا۔ خاص طور پر بڑے کیپسولز اس سے نگلے ہی نہ جاتے تھے، زمر نے پہلی بار اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ کچھ ضدی، کچھ معصوم سا کیپسول نگلتے اس کے تاثرات دیکھنے والے ہوتے تھے۔ زمر سوچ کر مسکرا دی۔ تب ہی موبائل کی بجتی رنگ ٹون نے اس کی توجہ کھینچ لی، اس نے میز پر رکھا سیل فون اٹھایا تو اسکرین پر عارب کا نام لکھا نظر آیا۔

"زمر کہاں ہو تم اتنے دنوں سے، مسلسل کال کر رہا ہوں۔ تم اٹینڈ ہی نہیں کرتیں؟" کال اٹھاتے ہی عارب کی تشویش زدہ آواز سنائی دی۔

"کیسے ہیں عارب؟" زمر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں ٹھیک، تم کہاں غائب تھیں؟ کم از کم بندہ خیریت کا میسج ہی کر دیتا ہے۔" وہ بے قراری سے بولا۔

"عارب..... دراصل اسید کا ایکسیڈینٹ ہوگیا تھا اسی لیے۔"

"اوہ..... ایم سوری اب کیسا ہے وہ، خیریت تو رہی ناں؟" عارب نے جواباً دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے جان بچ گئی ورنہ سچ میں میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔" زمر نے بے ساختہ کہا۔

"اچھا....." عارب سے ایک لفظ بہ مشکل ادا ہوا۔

"عارب..... آپ کو پتا نہیں میں نے یہ دن کیسے سولی پر لٹک کر کاٹے ہیں۔ اسید کی تو آپا بھی شارجہ میں ہیں۔" زمر نے دردمندی سے بتایا۔

"مجھے اب اندازہ ہوا عارب کہ اسید کا میرے اور بچوں کے سوا کوئی نہیں، وہ بہت اکیلا ہے اور اگر اسے کچھ ہوجاتا تو میں اور بچے اکیلے رہ جاتے۔" زمر کے لہجے میں شوہر کے لیے محبت بول رہی تھی اور عارب خاموشی سے سن رہا تھا۔

"اسید کی نئی زندگی تمہیں مبارک ہو زمر۔" وہ بس یہی کہہ سکا۔

"خیر مبارک۔" زمر نے آہستہ سے کہا۔

"عارب..... یہ ہماری آخری بات چیت ہے، میں اب آپ سے سارے رابطے ختم کررہی ہوں، پلیز اب مجھے کبھی کال یا میسج مت کیجیے گا۔" زمر کی اگلی بات پر عارب نے گہری سانس لی۔

"اوکے زمر..... جیسے تمہاری خوشی، مجھے تمہاری خوشی ہر طرح سے عزیز ہے۔" عارب دانستہ بشاش لہجے میں بولا۔

"سوری عارب میں نے ایک بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ میرا دامن ہمیشہ اجلا رہا ہے، کچھ عرصے سے آپ سے تعلقات بڑھا کر میں اپنے دامن کو داغ دار کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ سمجھ لیں شیطان کے بہکاوے میں آگئی تھی پھر اللہ نے مجھے منہ کے بل گرایا، میرا اسید میری زندگی سے نکلنے لگا کچھ بھی سہی وہ میرے بچوں کا باپ اور میرے دل پر حکمرانی کرنے والا پہلا شخص ہے..... میں نے نامحرم سے مراسم بڑھائے تو مجھ سے میرا محرم دور جانے لگا، یہ سب بہت اذیت ناک تھا عارب، میرے ضمیر نے

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

23000 روپے

میڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

21500 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

81 نیپیئر بیرکس ہاکی کلب آف پاکستان
اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

فون نمبرز: +922-35620771/2
naeyufaq.com
Info@naeyufaq.com

مجھ پر ان دنوں بہت کوڑے برسائے ہیں۔ جس پر اب میں اللہ کے آگے شرمندہ ہوں۔" زمر شرمسار لہجے میں بولی۔

"میں جانتا ہوں تم ایک اچھی لڑکی ہو زمر۔ یہ چند دن جو تمہارے ساتھ ایک بے نام تعلق رہا۔ یہ میری زندگی میں ایک خوشگوار یاد بن کر ہمیشہ زندہ رہے گا..... تمہاری دائمی خوشیوں کے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گا، اللہ حافظ۔" عارب نے شکستہ آواز میں کہہ کر فون کاٹ دیا۔ زمر نے ایک طویل سانس کھینچ کر نم آنکھوں سے موبائل واپس رکھا تھا۔

❁.....❁.....❁

"اسید..... اب جلدی سے یہ سوپ پی لیں پھر دوا بھی کھانی ہے۔" زمر ٹرے میں سوپ کا پیالہ اٹھائے کمرے میں آئی تو اسید اس کی طرف متوجہ ہوا۔ زمر نے دو تکیے پیچھے رکھ کر اس کو بیڈ پر بیٹھنے میں مدد دی۔ اسید نے اس کو بغور دیکھا۔

"آپ آج کل مجھے بہت غور سے دیکھنے لگے ہیں۔ نظر لگائیں گے کیا؟" زمر نے خوشدلی سے کہہ کر ٹرے میز پر رکھی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی تو اسید نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے معاف کر دو زمر۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا تو زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"حالانکہ یہ معافی میں تم سے اس ایکسیڈینٹ سے پہلے بھی مانگنا چاہتا تھا مگر تب میری انا آڑے آ رہی تھی۔" وہ کچھ شرمسار سا بولا تو زمر لب کاٹنے لگی۔

"مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ بیوی اور بچے میری وقتی دوستیوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں اور اس حادثے کے بعد اس بات پر پکا یقین بھی ہو گیا کہ بیوی سے بڑھ کر کوئی حقیقی غم گسار نہیں، اچھی بیوی اللہ کی طرف سے ایک انعام ہے۔" اسید نے جذب سے کہا تو زمر کے آنسو چھلکنے لگے۔

"میں اتنی اچھی بیوی بھی نہیں ہوں اسید..... وہ سر جھکا کر بولی۔"

"نہیں تم بہت اچھی ہو میری جان....." اسید نے اپنی پوروں پر اس کے اشک سمیٹے۔

"غلطیاں تو سب انسانوں سے ہوتی ہیں اسید لیکن ان غلطیوں سے ہوئے خسارے پھر پچھتاوے چھوڑ جاتے ہیں اور اگر وہ خسارے ہماری جھولی میں آ گرتے تو بہت نقصان ہو جاتا بہت بڑا نقصان۔" وہ بھیگی آواز سے بڑبڑائی۔

"لیکن غلطیوں پر جم جانے والے انسان تو شیطان صفت ہوتے ہیں ناں؟" اسید اپنی ہی دھن میں کہا۔

"ہاں اسید..... لیکن آپ اور میں شیطان صفت نہیں ہیں، ہم اچھے انسان ہیں اور ہمیں ایک ہی ٹھوکر کافی ہوئی ہے سنبھلنے کے لیے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو اب بھی تھے۔

"میری طرف سے اب کوئی کوتاہی نہیں ہوگی زمر۔ آج اور ابھی سے یہ میرا عہد ہے کہ میں تمہیں اور بچوں کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔" وہ ایک عزم سے بولا تو زمر روتے میں بھی مسکرا دی۔

"اور آپ اپنے موبائل سے لڑکیوں کے سارے نمبرز ڈیلیٹ بھی کریں گے اور آج کے بعد ان سے کبھی رابطہ نہیں کریں گے۔" اس نے جیسے حکم دیا پھر دانستہ ٹھنک کر اسید سے فرمائش کی۔

"فکر مت کرو میں اپنی زندگی سے ہی سارے غلط لوگوں کو نکال پھینکوں گا۔" اسید نے اس سے اپنی بانہوں میں بھر کر کہا تو زمر نے مطمئن ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

بہت دیر بعد سہی لیکن زندگی زمر پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔

سعدیہ سعید

www.naeyufaq.com

قسط نمبر دس

مرگ تمنا

ماورا اطلحہ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہسپتال کی تاریک اور سرد راہ داری میں عورت کی چیخیں گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ اس کا شوہر بچی کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ سڈنی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔ اذلان اس کا پھوپو زاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔ دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی ناپسند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حویلی میں احمد علی چٹھہ کا حکم چلتا ہے۔ نور بی بی مزاج کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نورالعین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چٹھہ سفید حویلی کا بگڑا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چٹھہ وکالت کے شعبے میں نام پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

مجتبیٰ شہر سے سفید حویلی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی ٹکرا جاتی ہے۔ عزت لاہور کی اندرونی گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میمونہ خالہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔

حازم شفیق عزت کے لیے نرم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دفن رہتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

❁.....❁.....❁

وہ صاف، کشادہ اور طویل سڑک پہ بنے ایک خوب صورت بنگلے کے سامنے گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک نظر ہی صاحب عمارت کے ذوق کی عکاسی کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ صرف بڑی امی کی خواہش پہ یہاں آیا تھا اور اس کے یہاں آنے کا فیصلہ مستقبل میں کیا رنگ دکھائے گا اس بات سے وہ مکمل انجان تھا۔ مجتبیٰ نے بہت عرصہ پہلے اسے اپنے گھر کا پتا دیا تھا لیکن اس کے قدموں نے کبھی اس جانب رخ نہیں کیا تھا اور نہ کبھی یہاں آنے کا سوچا تھا۔ آج بڑی امی کی خاطر وہ اس رشتے کا سامنا کرنے والا تھا جس سے صرف نام کی حد تک آگاہی تھی۔ وہ سارے ممکنہ اور ناممکنہ حالات کا سوچتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ دروازے کے ساتھ ہی لگی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔ رقیہ زبیر احمد سے ہونے والی ملاقات اس کی سوچوں پہ مکمل طور پر حاوی تھی۔ بڑی امی نے اس کے سپرد بہت بڑا کام کر دیا تھا، دو خاندانوں کو جوڑنے کی ایک کوشش اس کے کندھوں پہ آن پڑی تھی۔ دروازے کے قریب قدموں کی آواز سن کر اس نے ساری سوچوں کو پس پشت ڈالا اور مکمل توجہ کھلتے ہوئے دروازے کی جانب مرکوز کر لی۔

"جی کون..... کس سے ملنا ہے؟" دروازہ کھولنے والی ایک عورت تھی۔ انداز و بیاں سے یہ جاننے میں لمحہ نہیں لگا کہ وہ ملازمہ ہے۔

"مجھے رقیہ زبیر احمد سے ملنا ہے۔" وہ اپنی بے ساختگی پہ خود ہی حیران ہوا کہ وہ کسی مرد کا نام بھی لے سکتا تھا لیکن یہ اس کے دلی جذبات کی عکاسی تھی، یہ خون کی کشش تھی۔

"آپ کون ہیں جی؟" وہ توقع کر رہا تھا فوراً سے پہلے اسے اندر لے جایا جائے گا لیکن اس سوال پہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

"میں عبدالودود چٹھہ ہوں۔" اس نے اپنی ازلی بے نیازی سے تعارف کروایا۔

"میں تو ایسے کسی نام والے کو نہیں جانتی۔"

"تم انہیں جا کر بتاؤ گی یا میں خود اندر آ جاؤں۔" ایک ملازمہ کا اس سے یوں سوال کرنا اسے بالکل پسند نہیں آیا۔ وہ اپنے لیے سب دروازے کھلے دیکھنے کا عادی تھا۔

"وہ جی..... وہ لوگ گھر نہیں ہیں۔" اس کے لہجے کی کرختگی تھی یا آنکھوں کی سختی کہ صبیحہ کی زبان لڑکھڑائی۔

عبدالودود کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس کے سوچے گئے ہر ممکنہ جواب میں یہ کہیں درج نہیں تھا کہ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ ناراضی، غصہ، لڑائی ہر طرح کی صورت حال سوچ چکا تھا لیکن وہ آپس میں مل نہیں پائیں گے یہ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

"کب تک واپس آئیں گے؟" اسے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا۔ اسے چاہیے تھا مجتبیٰ کو بتا کر آتا یوں منہ اٹھا کر کسی کے گھر آ جانا قطعاً مناسب نہیں تھا۔

"پتا نہیں جی۔" صبیحہ کو اس انسان سے خوف آنے لگا تھا۔ اس نے بھلا ایسے مہمان کب دیکھے تھے جو بنا بتائے آئے اور پھر سر چڑھنے کی کوشش کرے۔

"دیکھو..... میں ان کا قریبی عزیز ہوں۔ مجھے ان سے بہت ضروری ملنا ہے اس لیے جو پوچھ رہا ہوں وہ بتادو۔" اسے ہر حال میں ان سے ملنا تھا اسی لیے اب نرم لہجے میں بولا کیونکہ ملازمہ کے خوف کا اندازہ اسے ہو گیا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھے نہیں پتا وہ کب تک آئیں گے۔ وہ شہر میں نہیں ہیں ورنہ میں آپ کو بٹھا لیتی۔" اس کے نرم لہجے کے باعث تفصیلی جواب آیا۔

"کہاں گئے ہیں؟"

"پیر شاہ میں عرس ہے وہاں گئے ہیں۔" ملازمہ کے جواب نے اسے مزید پریشان کر دیا۔ وہ جتنی جلدی ملنا چاہ رہا تھا آثار اتنی ہی تاخیر بتا رہے تھے۔ اس نے شکر کیا کہ وہ بڑی امی کو بتا کر نہیں آیا ورنہ انہیں انتظار کی کوفت اٹھانی پڑتی۔

"میں جاؤں جی؟" ملازمہ کی آواز نے اس کو سوچوں کے بھنور سے نکالا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس گاڑی کی سمت چل دیا۔

وہ مجتبیٰ کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ جو پیغام وہ یہاں لایا تھا وہ ہر طرح کی فرماں برداری کے باوجود خود اور مجتبیٰ سے کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ بڑی امی نے مجتبیٰ کی رائے جاننے کا کہا تھا لیکن وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پیدا کر سکا کہ اپنی بہن کو خود کسی کے سامنے پیش کرے۔ اس نے یہ حل نکالا کہ وہ رقیہ زبیر احمد سے ملے اور انہیں بڑی امی کی خواہش کے متعلق بتائے، وہ سفید حویلی کی بیٹی تھیں اور وہاں کی دوسری بیٹی کی عزت کرنا اور کروانا ہر طرح سے جانتی ہوں گی۔ بڑی امی کی طبیعت کی خرابی نے اس کی ساری تدبیروں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا اور موبائل میں مجتبیٰ کا نمبر نکالنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

بھیگی شام میں برٹش ایئر ویز کا طیارہ لاہور کی فضا میں گول چکر لگاتے ہوئے تارکول سڑک پہ اترا تھا۔ بارش کے بعد موسم کی حدت میں نمایاں کمی آ گئی تھی۔ وہ کئی لمحے شیشے کے پار نظر آتے آسمان پہ نظریں ٹکائے اپنی نشست پہ بیٹھی تھی۔ ننھی بوندوں کی زمین بوسی، قوس وقزح کے خوشنما رنگ، بادلوں کا مختلف اشکال میں ڈھلنا، کچھ بھی اسے متاثر نہیں کر پا رہا تھا۔ جہاز تقریباً آدھا خالی ہو چکا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی، بیگ کو کندھے پہ لٹکایا اور نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہوائی میزبان کی رسمی مسکراہٹ کو خالی نظروں سے دیکھتی وہ جہاز سے باہر نکلی۔ سفر کا آغاز کرتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں سوچوں کا انبار تھا اور کئی گھنٹے بعد منزل پہ پہنچ کر بھی سوچیں دامن گیر تھیں۔ وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی اس احساس سے نہیں نکل پا رہی تھی کہ اس دنیا میں اربوں انسانوں کے باوجود وہ بالکل اکیلی تھی۔

اپنی ٹرالی میں دو بیگ رکھے مسلسل ساکت انداز میں انتظار گاہ میں چلی آئی۔ وہاں ہر طرف خوشی وغمی کا خوب صورت امتزاج نظر آ رہا تھا۔ کسی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور کسی کی آنکھوں میں جدائی ہلکورے لے رہی تھی۔ اس گہما گہمی والی جگہ میں بھی وہ اکیلی کھڑی تھی۔ اسے چند سال پہلے کا وہ منظر یاد آیا جب اسی جگہ اس کے آنے کی خوشی میں ڈیڈ ایک خوب صورت گلدستہ ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے اور اس سے بڑھ کر ان کے لبوں کی مسکراہٹ سفر کی ساری تھکان لمحوں میں ختم کر گئی تھی۔ وہ کئی سال بعد دوبارہ آئی تھی لیکن اس کے استقبال کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔ ڈیڈ کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا کہ وہ اپنی ڈگری مکمل کر کے آئے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرے، کتنی ہی بار وہ اس سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے اور اب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آئی اور کبھی نہ بھولنے والا المیہ بھی ساتھ لائی تھی۔ وہ اپنے ڈیڈ کو اپنے ہاتھوں پردیس کی مٹی کے سپرد کر آئی تھی۔

وہ رشتوں کے معاملے میں شروع سے کم مائیگی کا شکار رہی تھی۔ اپنی ماں اس نے تب کھو دی جب وہ دو پونیاں

باندھے اسکول کے بڑے سے لان میں کھیلنا پڑھنے سے زیادہ پسند کیا کرتی تھی۔ ایک ہلکی سے شبیہہ اور ڈھیر تصویروں کے علاوہ اس کے پاس ماں کی کوئی یاد نہیں تھی۔ اس کی زندگی ایک ہی نقطے کے گرد گھومتی تھی اور وہ شوکت حسین تھے۔ اپنے اکلوتے وجود سے اسے سب رشتوں کا پیار دیتے انہوں نے اپنی زندگی تنہائیوں کے سپرد کردی تھی۔ اس نے اکثر ڈیڈ کے سرکل میں لوگوں کو انہیں شادی کا مشورہ دیتے دیکھا اور یہ مشورہ اسے کبھی پسند نہیں آیا اور یہ بھی سچ تھا کہ ان چند دنوں سے پہلے اسے تنہائی کے مفہوم سے آگاہی بھی نہیں تھی۔ اس کا آگے بڑھتا ایک ایک قدم ماضی کی کھڑکیاں کھول رہا تھا۔

"میڈم ٹیکسی۔" گاڑی کے شیشے سے جھانکتے شخص کی آواز پہ اس کی سوچوں کا حصار ٹوٹا۔ اس کے اثبات میں سر ہلاتے ہی ڈرائیور نیچے اترا اور اس کی ٹرالی سے بیگ اٹھاتے ہوئے ڈکی میں رکھنے لگا۔

"میم زارا حسین۔" وہ گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی کہ اجنبی پکار نے اسے حیران کردیا۔ وہ چونک کر آواز کے ماخذ کی جانب مڑی۔

"جی..... آپ کون؟" وہ اس انسان کو بالکل نہیں پہچان پائی تھی۔ ایک انجان شخص یوں مکمل نام کے ساتھ پکار رہا تھا تو حیران ہونا بنتا تھا۔

"میں نبیل درانی ہوں۔" دوسری جانب سے تعارف کروایا گیا۔ اس تعارف پہ وہ سر ہلا کے رہ گئی۔ دو نام اس نے بیماری کے دنوں میں ڈیڈ کے منہ سے کئی بار سنے تھے سو یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ ڈیڈ ایک جہاندیدہ انسان تھے اور اگر وہ کسی پہ اندھا اعتماد کرتے تھے تو وہ ان کے اعتماد پہ کبھی شک نہیں کرسکتی تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟" وہ اس کی یہاں آمد پہ واقعی حیران ہوئی۔

"مجھے آپ کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔ سر ہوتے تو اس وقت وہ یہاں ضرور ہوتے، اس لیے میں یہ برداشت نہیں کرسکا کہ آپ یہاں آئیں اور سامنے آپ کو کوئی ایک بھی شناسا نظر نہ آئے۔" وہ نام سے پہچان لینے پہ حیران ضرور ہوا لیکن اظہار نہیں کیا۔ شوکت حسین کے بنگلے میں زارا حسین کی دیوار گیر تصاویر آویزاں تھیں وگرنہ وہ مقابل کھڑی لڑکی کو کبھی نہ پہچان پاتا۔

اس نے تفصیلی جواب پہ صرف سر ہلایا۔ نبیل، ڈرائیور سے معذرت کرتا ہوا اس کا سامان پکڑے آگے بڑھا۔ وہ بھی اس کی پیروی میں آگے بڑھی۔ اس کے بعد سارا سفر خاموشی کی نذر ہوا۔ وہ اداس نگاہوں سے ہمسفر راستوں کو دیکھتی رہی۔ سب راستے منظر اس حد تک بدل چکے تھے کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ موسم کی خوب صورتی بھی اس کے مزاج پہ خوشگوار اثر نہیں چھوڑ پائی تھی۔ گاڑی مطلوبہ مقام پہ رکی تو اس نے چونک کر اپنی منزل کو دیکھا۔ یہ وہ گھر جہاں اس نے زندگی کے کئی خوشگوار سال گزارے تھے، اس لمحے اس کی دیواروں سے شناسائی کا تعلق ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وقت کس تیز رفتاری سے گزرا تھا اس کا احساس اسے ان گزرتے لمحوں میں بڑی شدت سے ہوا تھا۔

"ہمیں آپ کی اتنی جلدی آمد کی امید نہیں تھی اس لیے سامان سیٹ نہیں کیا گیا۔ عقیل کے علاوہ سب ملازم بھی فارغ کردیے گئے تھے۔ اب یہاں کا سارا انتظام آپ کے حوالے ہے، کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو ضرور بتائیے گا۔" وہ ہال میں کھڑی گھر کا سرسری جائزہ لے رہی تھی کہ نبیل نے اسے ساری معلومات فراہم کرنا ضروری خیال کیا۔

"آپ کا اس تعاون کے لیے بہت شکریہ۔" وہ اس کی تفصیلی بات کا مختصر سا جواب دیتے ہوئے ایک طرف رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ عقیل بھاگم بھاگ پانی لے آیا تھا۔

"یہاں تمہارے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے؟" وہ دکھی تھی، اس کی ذات بکھری ہوئی تھی لیکن کئی سالوں بعد لوٹنے کے باعث یہ جگہ اسے انجان لگ رہی تھی۔ وہ اپنا وقت غم منانے میں ضائع کرکے کوئی نقصان نہیں اٹھانا چاہتی تھی سو اپنی بقا کی

جنگ لڑنے کے لیے تیار تھی۔

"نہیں جی..... میں اکیلا ہی ہوں۔" عقیل نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے جلد از جلد ملازمہ چاہیے اس لیے یہاں کا جو بھی طریقہ کار ہے اسے استعمال کرو۔" وہ صرف عقیل سے مخاطب تھی اور اس کے تیور نبیل درانی کے لیے نظر اندازی لیے ہوئے تھے۔

"عقیل..... تمہاری ایک بیوہ بہن ہے ناں جس کے لیے تم پریشان رہتے ہو۔ تم اسے یہاں کیوں نہیں بلا لیتے؟" زارا حسین کا رویہ ناقابل برداشت ضرور تھا لیکن ان کے درمیان تعلق کی بنیاد شوکت حسین تھے۔ وہ اپنے محسن کی اکلوتی اولاد کو یوں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

اس کی دخل اندازی زارا حسین کو قطعاً پسند نہیں آئی۔ وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار منہ سے نہیں کر سکی لیکن انداز سب کہہ دینے کے لیے کافی تھے۔

"اگر بی بی جی اجازت دیں تو میں انہیں بلا لوں گا۔" عقیل اجازت طلب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"یہ بی بی جی اور اس ٹائپ کے الفاظ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں تم مجھے زارا میم کہہ سکتے ہو۔ ویسے تمہاری بہن کب تک یہاں پہنچ سکتی ہے؟" چار و ناچار اسے نبیل کا مشورہ ماننا پڑا تھا۔

"میں ابھی انہیں فون کروں گا تو کل صبح تک پہنچ جائے گی۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"تو پھر کھڑے کیوں ہو؟ جاؤ اسے فون کرو۔" اس کے کہتے ہی عقیل وہاں سے عجلت میں نکل گیا۔

"ابھی میرے پاس پاکستانی کرنسی نہیں ہے لیکن بہت جلد آپ کو آج کے کام کی پے منٹ مل جائے گی۔ آپ جا سکتے ہیں۔" وہ کب سے ایک نگران کی طرح اس کے سر پہ کھڑا تھا، اس کا انداز زارا کو کوفت زدہ کر رہا تھا۔ اس کے اب تک یہاں موجود ہونے کی یہ ہی ایک وجہ سمجھ آئی سو کہنے میں لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی لیکن وہ نہ جانے کیوں آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے اسے دیکھتا رہا۔

"دیکھیں آپ کو جتنی پے منٹ چاہیے ہوگی اتنی ہی ملے گی، آپ بے فکر ہو کر جا سکتے ہیں۔" وہ انسان اب اسے زچ کر رہا تھا۔

"آپ کو اس وقت آرام کی شدید ضرورت ہے۔ میں عقیل کو کہے جاتا ہوں آپ کے لیے کمرہ سیٹ کر دے اور ہاں مکمل نیند لیجیے گا ورنہ آپ کو مشکل ہوگی۔" اس سے زیادہ عزت افزائی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا سو جاتے ہوئے بھی سخت الفاظ کو زبان کی نوک سے بامشکل ادا ہونے سے روکا اور لمحے کی تاخیر کیے بنا وہاں سے نکل گیا۔ اب زارا حسین حیران کن تاثرات لیے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی۔

"ڈیڈ کو نہ جانے اس میں کیا نظر آتا تھا۔ اس کی باتوں میں کہاں سے مزاح جھلکتا ہے البتہ سڑیل پن ضرور ہے۔" وہ جا چکا تھا اس لیے وہ دبی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے اپنا غصہ نکال رہی تھی۔

ایک طویل سفر کے بعد ایسے منحوس انسان کو دیکھنا اور پھر اس کی عجیب و غریب باتیں برداشت کرنا، اس کو مزید تھکا گیا تھا۔ وہ عقیل کا انتظار کیے بنا خود کمرے کی تلاش میں آگے بڑھ گئی۔

❁.....❁.....❁

تو نہ سمجھے گا یہ بات بھی ہو سکتی ہے
قتل پل پل میں میری ذات بھی ہو سکتی ہے
داغ حسرت میرے دامن سے مٹانے کے لیے

میری ان آنکھوں سے برسات بھی ہوسکتی ہے
اب میں پوشاک فقیری میں بھی آسکتا ہوں
میرے کاسے میں تیری ذات بھی ہوسکتی ہے

وہ شدت کی سردی اور بارش کو نظر انداز کیے اس وقت اذلان کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ہاسپٹل سے گھر آچکا تھا اور وہ اس سے فاصلے کی خواہش مند تھی۔ اس سارے معاملے پہ مکمل غور کرنا چاہتی تھی اور یوں بار بار ملنا اس کے فیصلے پہ اثر انداز ہوسکتا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پہ قائم نہیں رہ سکی اور وجہ اذلان کے مسلسل آنے والے میسج اور کالز تھیں۔ اس کی سرکشی ان چند دنوں میں اس حد تک بڑھ گئی کہ لامیہ بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ اس سے فاصلوں کی سب کوششیں بے کار گئی تھیں۔ وہ اپنی خرابی طبیعت کے باوجود خود ملنے آنے کا کہہ رہا تھا اور اسی ایک دھمکی نے لامیہ کو ایک عرصے بعد طیبہ حیدر شاہ کے گھر کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ دروازہ کھلنے تک وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ کھلا۔ طیبہ حیدر شاہ اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"ارے کھڑی کیوں ہو؟ جلدی سے اندر آؤ۔ ایسی تیز بارش میں آنے کی کیا ضرورت تھی یقیناً اذلان نے تنگ کیا ہوگا۔" ان کے لہجے میں ماضی کی جھلک تک نہیں تھی جس نے کافی حد تک لامیہ کو پرسکون رکھا۔

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں، مجھے یہاں نزدیک ہی ایک کام تھا تو سوچا یہاں بھی چکر لگالوں۔" اس نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی لیکن پھوپو کا چہرہ دیکھ کر ناکامی کا واضح یقین ہوگیا۔

"تم اذلان کے کمرے میں جاؤ میں تمہارے لیے کافی لاتی ہوں۔" ان کے وہاں سے جاتے ہی اس نے اپنی چھتری بند کر کے ایک کونے میں رکھی اور خود سیڑھیاں چڑھ آئی۔

"واہ..... آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔ مجھے بالکل یقین نہیں آرہا، ایک چٹکی کاٹنا ذرا۔" بستر پہ نیم دراز، شرارت بھری آنکھیں، ہاتھ اس کی طرف بڑھائے مسکرایا۔

"چٹکی کیوں، جان سے نہ ماردوں تمہیں؟" ان چند دنوں میں اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدل چکے تھے اور یہ دیکھ کر لامیہ کافی حیران تھی۔

"مرے ہوئے کو مزید کیا مارو گی؟" وہ پرشوق نگاہوں سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ پانی کی بوندیں اور شرم کا گلال خوب صورت امتزاج لیے ہوئے تھا۔

"اذلان..... میں بتا رہی ہوا گر تم ایسی باتیں کرو گے تو میں ابھی کے ابھی واپس چلی جاؤں گی۔" اس کے جیکٹ اتارتے ہاتھ رکے تھے اور وہ دھمکی آمیز انداز سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا اچھا..... اوور ایکٹنگ کی ضرورت نہیں، کچھ نہیں کہہ رہا تمہیں۔" وہ اس کے تاثرات سے جان گیا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگنے میں لمحہ نہیں لگائے گی اس لیے دل میں مچلتے جذبات سلانے میں ہی عافیت سمجھی۔

"مجھے لگتا ہے سڈنی کے ڈاکٹر پاگل ہو چکے ہیں، تمہیں ابھی علاج کی ضرورت تھی نہ جانے گھر کیوں بھیج دیا۔" اس کے سر پہ بندھی پٹی دیکھ کر اس نے اپنا خیال ظاہر کیا اور شاید موضوع بدلنا بھی درکار تھا۔

"میں نے پوچھا تھا ان سے؟"

"کیا.....؟" وہ اس کے قریب رکھے صوفے پہ بیٹھتی ہوئی مکمل متوجہ ہوئی۔

"یہی کہ مجھے گھر کیوں بھیج رہے ہو، ابھی مجھے علاج کی ضرورت ہے۔"

"واقعی تم نے یہ پوچھا تھا؟" اس کی اپنے لیے اتنی فکرمندی لامیہ کو ہضم نہیں ہوئی لیکن اس کی سنجیدگی پہ یقین کرنا پڑا۔

"پھر کیا کہا ڈاکٹر نے؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"انہوں نے کہا کہ مجھے ایسی ڈاکٹر کی ضرورت ہے جس کی آنکھوں میں شہد رنگ ہلکورے لے رہا ہو، جو اپنی قربت سے میرا سارا درد چن لے، جس کے ہاتھوں کی نرماہٹ میں میرے لیے شفا ہی شفا ہو، جو مسکرائے تو سارے منظر حسین لگیں، جو روئے تو آسمان کے ساتھ زمیں کے آنسو بہل پڑیں۔" وہ بات کے اختتام تک اس کی جانب جھک گیا تھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں اترتے حیا کے رنگ وہ بہت قریب سے دیکھ رہا تھا۔

"اذلان....." وہ اس کا نام لینے کے سوا کچھ بھی تو نہیں بول پائی۔

"تم نے ایسی ڈاکٹر کہیں دیکھی ہے؟" وہ پیچھے ہوتا ہوا فوراً سے بات بدل گیا۔ لامیہ کو غور کرنے پہ بھی اس کے چہرے پہ سنجیدگی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

"یہ اتنا بڑا ڈرامہ باز ہے مجھے پہلے خبر کیوں نہیں ہوئی۔" وہ من ہی من میں سوچتے ہوئے اسے کڑی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے جانا چاہیے۔" وہ باتوں کے رنگ بدلنے سے باز آنے والا نہیں تھا اور وہ خود کو عجیب شش و پنج میں محسوس کر رہی تھی۔ اس کو روک پا رہی تھی اور نہ حوصلہ افزائی کر سکتی تھی۔

"ارے سنو تو....." وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اس نے فوراً سے ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایک بار پوچھو تو میں نے تمہیں بلایا کیوں تھا؟" لامیہ اب بھی سمجھ نہیں پائی یہ حقیقت تھی یا پھر سے کوئی شرارت۔

"کیوں بلایا ہے؟" اس کا بے لچک لہجہ ناراضی کا غماز تھا۔

"تمہیں بالکل میرا خیال نہیں ہے، تم جانتی ہو میں بیمار ہوں اور وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے..... میرے کمرے کی حالت دیکھو ہر چیز بکھری ہوئی ہے، کیا عام دنوں میں یہ سب ایسا ہوتا تھا؟ تمہیں ان دنوں میرا خیال رکھنا چاہیے تھا، میرے آس پاس رہنا چاہیے تھا لیکن تمہارا بس نہیں چل رہا تم کسی ویران گوشے میں جا بسو، تم کیسی دوست ہو جو مشکل وقت میں دور کھڑی بس تماشا دیکھ رہی ہے۔" وہ ناراضگی کا اظہار کرنے لگا تھا۔

اس نے ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا تو اس کے شکوے درست اور اپنی لاپروائی پہ شدید شرمندگی ہوئی۔ وہاں ہر چیز بکھری پڑی تھی اور اس سے بڑھ کر اذلان کی نفاست سے کون آگاہ ہوگا۔ وہ بنا کوئی جواب دیے جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بکھیر سمیٹنے لگی۔ اسے سب سمیٹنے میں چند لمحے لگے تھے اور تب اذلان کی جانب سے دوبارہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ اس سے اچھا خاصا خفا ہوگا یہ سوچ سارا وقت دامن گیر رہی تھی۔

"بس اتنا سا کام تھا تم بلاوجہ خفا ہو رہے تھے۔" اس نے ایک نظر کمرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے چہرے سے اسے دیکھا جیسے اب اس کی ناراضگی ختم ہونے کی امید ہو۔

"میں ناراض تو نہیں تھا۔" اب اس کا انداز پہلے سے مختلف تھا۔

"واقعی.....؟" وہ حیران ہوئی۔ چند لمحے پہلے تو وہ روٹھا ہوا لگ رہا تھا اور اب کہہ رہا تھا ناراضگی نہیں تھی۔

"ہاں..... میں تو بس مستقبل کی جھلک دیکھنا چاہ رہا تھا۔" وہ اس کی بات بالکل نہیں سمجھی البتہ اس کی کھلی کھلی مسکراہٹ سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔

"ویسے میرا کمرہ سمیٹتے، میرے کام کرتے اور یوں غصے میں ناک سرخ کرتے..... تم اچھی لگتی ہو۔" بات کی تہہ تک پہنچنے میں اسے کچھ لمحے لگے اور ایک بار پھر اپنے بے وقوف بن جانے پہ جی بھر کے غصہ آیا۔

"اذلان کے بچے....." وہ سامنے پڑا تکیہ اٹھاتے ہوئے اس پہ حملہ آور ہوئی، اس بات سے بے نیاز کہ وہ زخمی ہے اور اس کے سر پہ چوٹ لگی ہوئی ہے۔

"بچوں کو تو بخش دو، وہ ابھی نہیں ہیں۔" وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے بھی مسلسل بول رہا تھا۔

"تم انتہائی بدتمیز ہو۔" وہ اس کے سر کو بچاتے ہوئے مار رہی تھی۔

"تعریف کے لیے شکریہ۔" اس وقت تک وہ لامیہ کے دونوں ہاتھ پکڑ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا، وہ ایک دوسرے کے تاثرات قریب سے محسوس کر سکتے تھے۔

"تم کمرہ دوبارہ گندہ کر چکی ہو۔" اس نے کمرے میں بکھری چیزوں کو دیکھا۔

"اور یہ اب میں بالکل صاف نہیں کروں گی۔" وہ جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے واپس صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت غصے سے بھری ہوئی تھی۔

وہ یہاں اس کو تھوڑا وقت دینے آئی تھی جب کہ دوسری طرف سنجیدگی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اپنے لڑائی جھگڑے میں وہ کسی کا آنا اور دبے قدموں چلے جانا محسوس نہیں کر سکے تھے۔

"بیگم..... آپ سامان واپس کیوں لے آئیں؟" وہ ہاتھ میں ٹرے پکڑے سیڑھیاں اتر رہی تھیں اسی لیے حیدر شاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہاں کا ماحول میرے جانے سے خراب ہو جاتا، کچھ دیر بعد چلی جاؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئیں اور ٹرے وہیں رکھ دی۔

"ویسے مجھے آپ کے بدلتے رویوں کا بالکل یقین نہیں آ رہا۔ آپ کا بدل جانا اور وہ بھی اس حد تک میرے لیے ان گزرے سالوں کا سب سے انوکھا واقعہ لگ رہا ہے۔ میں پوچھ سکتا ہوں یہ سب کیسے ممکن ہوا؟" وہ کافی دنوں سے یہ صورت حال دیکھ رہے تھے اور آج بالآخر پوچھ بیٹھے۔

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟ میرے بیٹے کی خوشی کیا ہے اور اگر وہ میری خواہشات کے متصادم بھی ہے تو مجھے کس چیز کو اہمیت دینی ہے، یہ سب سمجھنے میں وقت لگا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں آپ میرے بدلتے رویوں کو شک کی نگاہ سے دیکھیں۔"

"میں شک نہیں کر رہا بلکہ آپ کو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ یہ تبدیلی میرے لیے کس قدر خوش آئند ہے۔ آپ نے اپنے گھر کے سکون اور بیٹے کی خواہش کو اہمیت دے کر میری بہت ساری فکریں ختم کر دی ہیں۔" وہ واقعی خوش تھے اور اس کا اندازہ ان کے چہرے سے ہو رہا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں، بہت جلد میں ابراہیم سے اس سلسلے میں بات کرنے والی ہوں۔" کافی کا کڑوا گھونٹ لیتے ہوئے انہوں نے اپنے اگلے ارادے سے آگاہ کیا۔

"اور کیا ہی اچھا ہو اگر ہم یہ خوشخبری اذلان کی سالگرہ کے موقع پہ اسے دیں۔" انہیں نیا خیال سوجھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہو جائے گی۔" وہ دونوں اذلان کے دشتے کے لیے گفتگو کرنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

شام آسمانی پیالے کے کناروں سے چھلک رہی تھی اور دھیرے دھیرے نارنجی راج کمار سے اس کے اختیارات چھیننے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہوا سرسراتے ہوئے، مڈال ڈال مسکاتے ہوئے نئے مہمان کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ چند لمحوں کا کھیل اور ریاست فلک کا تخت و تاج بدلنے والا تھا، نارنجی شہزادے کی جگہ سیاہی رنگ ملکہ افق پہ براجمان ہونے والی تھی۔ وہ اس سارے ردوبدل سے بے نیاز منڈیر سے ٹیک لگائے، ہاتھ میں قلم پکڑے اخبار پہ نگاہ دوڑانے میں مصروف تھی۔ کوئی سطر نگاہ کو بھلی محسوس ہوتی تو قلم سے اس کے گرد دائرہ کھینچتے ہوئے یادداشت کے طور پہ محفوظ کر لیتی۔

"عزت کیا کر رہی ہو؟" وہ اپنے کام میں اس قدر مگن تھی کہ دیوار پار سے کنزی کا آواز دینا پسند نہیں آیا۔

"کچھ کام کر رہی تھی۔" اس نے اخبار گولائی میں لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑا اور اس کی طرف چلی آئی۔ اسے معلوم تھا وہ اب اس کی جان چھوڑنے والی نہیں۔

"اب تو اندھیرا ہونے والا ہے تمہیں کیا نظر آ رہا تھا؟" وہ اس کے ہاتھ میں اخبار دیکھ چکی تھی تبھی حیران ہوئی۔

"اچھا یہ تفتیش بعد میں کر لینا تم بتاؤ کیا کر رہی ہو؟" اس نے غیر ارادی طور پہ ایک نگاہ نیچے صحن میں ڈالی جہاں حازم شفیق ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہے تھے۔

"بھائی کے کپڑے رکھنے آئی تھی تمہیں دیکھا تو رک گئی۔" اس نے ہاتھ میں تہہ شدہ کپڑے دکھاتے ہوئے کہا۔

"دو منٹ رکو میں یہ رکھ کر آئی۔" وہ اسے رکنے کا کہتی کمرے کی جانب چلی گئی جو حازم شفیق کا ٹھکانہ تھا۔

"آج بھی تلاشی لینے کا ارادہ ہے؟" اس کا دھیان مکمل کنزی کی جانب تھا اور اسی باعث وہ ان کا آنا محسوس نہیں کر سکی۔

"آج سے مطلب.....؟" وہ پہلے ہی ان سے خفا تھی اور اب یوں ان کا گزشتہ طعنہ دینا اسے مزید طیش دلا گیا۔

"واہ..... یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ سارے لٹنے کے کام تمہارے اور غصہ بھی تم ہی کرو۔" وہ مکمل انہماک سے اس کے چہرے پہ غصے کے اترتے رنگ دیکھ رہے تھے، ہوا کے دوش پہ لہراتے بال ان کی توجہ بار بار چہرے سے ہٹا رہے تھے۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ واقعی ان سے ناراض تھی۔ بہت سی باتیں تھیں جو اس کے دل میں ان کے حوالے سے کھٹک رہی تھیں۔

"بھائی آپ بھی آ گئے؟ نہ جانے کتنے دنوں بعد ہم لوگ دوبارہ یوں اکٹھے ہوئے ہیں۔" کنزی کو یہ منظر بہت بھلا محسوس ہوا۔ کچھ مہینے پہلے ان تینوں کا ایک دوسرے بنا گزارا نہیں ہوتا تھا، دن میں ایک دو گھنٹہ ان کی بحث و مباحثہ اور گفتگو کے لیے ضرور ہوتا لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے یہ تکون اور ان کی باتیں خواب و خیال ہو چکی تھیں۔

"ہاں..... تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، ایک عرصہ ہو گیا ہم لوگوں کو مل بیٹھے ہوئے۔ میرا خیال ہے جب میرٹ لسٹ آئی تھی تب ہی ہم لوگ باہر گھومنے گئے تھے اس کے بعد تو مصروفیت کا انبار ہی ختم نہیں ہو رہا۔" کنزی کی بات نے انہیں بھی گزشتہ دن یاد کرا دیے تھے۔

"مصروفیت کا نام بھی بتا دیجیے۔" ان کا وضاحتی بیان عزت کو ایک آنکھ نہیں بھایا اور ان کی افشین نامی مصروفیت سے بھی وہ اچھی طرح آگاہ تھی۔ اس کا جلا کٹا طنز اور انداز وہ اچھے سے سمجھ گئے تھے لیکن اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا افشین کو لے کر پیچ و تاب کھانا اب انہیں مزہ دینے لگا تھا۔

"بھائی..... اسے آپ چھوڑیں، یہ نہ جانے کیوں جلی بھنی رہتی ہے۔ آپ اپنی مصروفیت کم کریں، ہمارے لیے بالکل وقت نہیں آپ کے پاس۔" اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور خوشگوار مزاج دیکھتے ہوئے اپنی بات کہہ دی۔

"یہ بات ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولے۔ "ایسا کرو پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ کچھ مزے کا کھا کر آتے ہیں۔" ان کی بات نے کنزی کو بے حد خوش کیا۔ بھائی کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اسے بے تحاشا خوشی سے ہمکنار کرتا تھا۔

"مجھے نہیں جانا۔" اس نے دو ٹوک انکار کیا اور واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔

"عزت کیا مسئلہ ہے، تمہیں ایک دم کیا ہو گیا ہے، ایسی تو نہیں تھی تم؟" اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کنزی نے فوراً سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ واقعی اس کے بگڑتے مزاج کو لے کر فکر مند تھی۔ وہ غصے والی تھی، غلط بات برداشت نہیں کرتی تھی، جلد باز بھی لیکن اس سب کے باوجود بلا گلہ بے حد پسند کرتی تھی، سیر و تفریح کو منع کرنا اس نے کبھی پسند نہیں کیا اور سب سے

بڑھ کر مقابل کوئی بھی ہو اس کا دل رکھنا جانتی تھی۔ جب کہ یہاں معاملہ ہی الٹ تھا۔

"کنزی تم جاؤ میں اسے لے کر آتا ہوں۔" وہ اب مزید چپ نہیں رہ سکے اس لیے کنزی کو وہاں سے بھیج کر اکیلے میں بات کرنا مناسب سمجھا۔

کنزی امید بھری نظروں سے اسے دیکھتی سیڑھیاں اتر گئی۔ اسے یقین تھا کہ بھائی اسے منالیں گے، ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ جہاں وہ کسی کی نہیں سنتی تھی وہاں وہ اپنی سنا بھی لیتے اور منوا بھی لیتے تھے۔ عزت نے قہر بار نگاہوں سے فرار ہوتی کنزی کو دیکھا جو ہمیشہ اسے ایسی مشکل میں مبتلا کر جاتی تھی۔

"اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟" دونوں کے درمیاں ایک دیوار حائل تھی۔

"میں نے ایک عام سی بات کی ہے کہ مجھے نہیں جانا اس کا لازمی یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ مجھے کوئی مسئلہ ہی ہو۔ میں مصروف ہو سکتی ہوں، کوئی ضروری کام ہو سکتا ہے۔" وہ ان کے سوال پہ اچھی خاصی زچ ہوئی۔

وہ چند لمحے اس کا یوں اکھڑا اکھڑا انداز دیکھتے رہے۔ کنزی ٹھیک کہہ رہی تھی وہ ایسی تو بالکل نہیں تھی۔ عزت تو چاچا ہٹ کا نام تھی جو ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ کچھ ایسا تھا جو اس کے وجود میں پنپ رہا تھا اور وہ بے خبر تھے۔ ایک لمحے کو انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں وہ ان کے دل میں خود سے وابستہ خیالات جان گئی ہے لیکن یہ خیال انہوں نے خود ہی رد کر دیا کیونکہ ابھی تک اس کی جانب سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا۔ وہ ان کے حوالے سے حساس تھی لیکن یہ کبھی محبت سے بھرپور جذبہ نہیں رہا تھا۔

"عزت..... آؤ پھر سے دوستی کرتے ہیں۔" وہ خود سے اس کی ساری ناراضگیاں دور کرنا چاہتے تھے تبھی اپنا سیدھا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ وہ جب جب یوں ناراض ہوتی وہ اس سے دوبارہ دوستی کر لیتے اور بچپن کی یاد بڑے اچھے وقت پہ ذہن میں آئی تھی۔

وہ ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے عجیب کشمکش میں پھنس گئی۔ وہ ان سے ناراض رہنا چاہتی تھی، ان کی بے رخی اور خشک رویے سے اسے بہت تکلیف ہوئی اور وہ بار بار اس تکلیف سے گزرنا نہیں چاہتی تھی لیکن بڑھے ہوئے ہاتھ کو خالی واپس لوٹانا بھی بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی زندگی کا اصول رہا تھا کہ رشتے اور دوستی کی تجدید کے لیے جب جب کوئی ہاتھ آگے بڑھے اسے تب تب تھام لینا چاہیے، یہ ہی اقدام اکثر دل کو پچھتاوے کی چبھن سے محفوظ رکھتا ہے..... ویسے بھی کچھ ہاتھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں خالی واپس لوٹایا نہیں جاتا۔

"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" اس نے چند لمحے سوچا اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ یہ ہاتھ تمام عمر کے لیے تھام لینا چاہتے تھے لیکن اس نے چند لمحے سے زیادہ کا توقف نہیں کیا۔

"کوئی مجھے بتائے گا مجھے کب تک یہاں کھڑے رہنا ہے؟" اسی وقت نیچے سے کنزی کی آواز آئی تو وہ دونوں بے ساختہ مسکرا دیے۔

"ہم آرہے ہیں۔" انہیں مقابل کی چہرے پہ مسکراہٹ اتنی بھلی محسوس ہوئی کہ متشکر نگاہوں سے کنزی کی جانب دیکھنے لگے۔

"جلدی سے تیار ہو کر آؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ دونوں اکھٹے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

اس نے برآمدے میں رکھی میز پہ احتیاط سے اخبار رکھا اور کچن میں امی کو اپنے جانے کا بتایا، کمرے میں سنگار میز کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ کپڑے ٹھیک تھے، اپنی ہلکی پھلکی تیاری کی اور بڑی چادر لیتے ہوئے کنزی کے گھر کی جانب چلی آئی۔

"ہمیں پھر اسی ناکارہ، ڈھیلے پرزوں والی موٹر سائیکل پہ جانا پڑے گا۔" اس کے تبصرے پہ موٹر سائیکل پہ بیٹھتے وہ جی بھر کے بدمزہ ہوئے۔

"میرے پاس یہ ہی سواری ہے، چلنا ہے تو چلو ورنہ گھر کی دال روٹی کھاؤ۔" انہیں عزت کی اس بات پہ ہمیشہ غصہ آتا تھا۔ وہ گاڑی کے لیے جمع پونجی اکٹھی کر رہے تھے لیکن اب بھی اچھی خاصی رقم کم تھی۔ انہیں امید تھی جلد ہی عزت کی یہ شکایت بھی دور کر دیں گے۔ وہ ان کے تنگ ہونے پہ مسکرائی۔ اس کے بعد سارا راستہ ان کی عزیز از جان سواری کو کچھ کہنے سے خود کو باز ہی رکھا۔ عزت اور کنزی کی ناختم ہونے والی باتیں شروع ہو چکی تھیں اور کسی بات پہ ان کی رائے بھی لے لی جاتی تھی۔

"اچھا اب جلدی سے بتاؤ کیا کھانا ہے؟" وہ مرکزی سڑک پہ آ چکے تھے اسی باعث ان سے جلدی بتانے کو کہا۔

"کے ایف سی۔" کنزی نے اونچی آواز میں اپنی پسند بتائی۔ چند لمحوں میں وہ کے ایف سی کے سامنے کھڑے تھے۔ عزت کا مزاج خوشگوار ہو چکا تھا۔

"جو بھی لوگی دونوں وہی آدھا آدھا کھاؤ گی، زیادہ شاہ خرچیوں کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے انہیں پہلے سے آگاہ کر رہے تھے۔

"آپ چلیں تو..... ہم کیا کریں گے یہ تو آپ کو وہیں پتا چلے گا۔" کنزی نے اس کی بات کو سنجیدہ نہیں لیا۔

وہ ہال کے آخر میں ایک میز پہ بیٹھ گئے اور مسلسل بحث کر رہے تھے۔ حازم شفیق ان کی فہرست ماننے پہ آمادہ نہیں تھے اور وہ ان کی بچت پالیسی کو پسند نہیں کر رہی تھیں۔

"واؤ واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔" ایک مانوس آواز پہ وہ تینوں چونکے۔ کنزی کی پشت پہ افشین نعیم خوشگوار تاثرات لیے کھڑی تھی۔ سیاہ پینٹ کے اوپر آسمانی رنگ کی مختصر فراک پہنے، دوپٹے سے بے نیاز، ہاتھ میں بیگ پکڑے وہ ایک ادا سے کھڑی تھی۔

"افشین..... تم یہاں کیسے؟" وہ پہلے تو سمجھ ہی نہیں پائے کہ یہ کیسے ہوا لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا اور اسی کے انداز میں اٹھ کر حیرانی کا مظاہرہ کرنے لگے اور وہ واقعی حیران تھے کہ قسمت ان کے ساتھ بار بار ایک ہی مذاق کیوں کر رہی تھی۔

"بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گے؟" وہ بغیر پوچھے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

عزت اور کنزی الجھن زدہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ عزت کو اس کے انداز و اطوار سخت برے لگتے تھے، اس کا امارت کا رعب جمانے والا انداز ان دونوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا فرق بس یہ تھا کہ کنزی خاموش رہتی تھی جب کہ عزت کو چپ رہنا مشکل لگتا تھا۔

"یونیورسٹی لائف کیسی جا رہی ہے؟" اس کا رخ اب کنزی کی جانب تھا اور اس لمحے عزت کو محسوس ہوا کہ وہ اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہے، پہلے پہل وہ اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتی تھی لیکن اس پل اس کے وہم پہ یقین کی مہر ثبت ہو گئی تھی۔

"اچھی۔" کنزی کے ایک لفظی جواب نے ماحول میں خاموشی کی فضا قائم کر دی۔

"چلیں آپ لوگ انجوائے کریں میں چلتی ہوں۔" وہ اپنا بیگ سنبھالتی، بالوں کو ایک ادا سے جھٹکا دیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"افشین..... پلیز بیٹھ جاؤ۔ ایک ہی جگہ پہ الگ الگ کھانے کا مزہ نہیں آئے بلکہ ایسا کرو آرڈر بھی تم ہی کرو۔" اس کو

اٹھتے دیکھ کر انہوں نے عجلت میں اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا لیکن اگلے ہی لمحے اپنی بے ساختگی کا اندازہ ہوا تو ہاتھ فوراً ہٹا لیا۔

"میں بیٹھ جاتی ہوں لیکن پلیز آرڈر آپ لوگ ہی کریں۔ میری وجہ سے اپنا پلان خراب مت کیجیے۔" وہ اب پورے استحقاق سے وہاں بیٹھ گئی تھی اور اس کا یہ رویہ ان دونوں نے محسوس کیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، کوئی پلان خراب نہیں ہو رہا، اسے تم میری طرف سے ٹریٹ سمجھو۔" انہوں نے مینیو کارڈ اس کی جانب بڑھایا۔

اب وہاں حازم شفیق اور افشین نعیم کے بولنے کی آوازیں تھیں، وہ دونوں خاموش ہو چکی تھیں۔ کسی بات پہ سر ہلا کے رائے دے دی جاتی، اس کے علاوہ ان دونوں کی گفتگو میں دخل نہیں دے رہی تھیں۔ اس کے عجیب رویے کے باعث عزت ٹھیک سے کچھ کھا بھی نہیں سکی اور تقریباً ایسا ہی حال کنزی کا تھا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے اٹھتے ہوئے اس قدر زور سے کرسی کھینچی کہ وہ چونک کر متوجہ ہوئے۔

"میں باہر ہوں۔" وہ اپنا بیگ اٹھاتے باہر نکل گئی۔

"بھائی..... میں عزت کے پاس جا رہی ہوں۔" کنزی نے بھی معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے وہاں سے اٹھنا مناسب سمجھا۔ ان دونوں کے یوں جانے سے انہیں شدید بے چینی ہوئی لیکن ساتھ ہی وہ افشین کے سامنے ایسے رویے کے لیے شرمندہ بھی تھے۔

"تم کیوں چلی آئیں؟" وہ لان میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی تھی۔ کنزی کو اپنے پاس آتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں یار..... اچھے بھلے پلان کا ستیاناس کر دیا۔ شیطان کی طرح کہیں بھی ٹپک پڑتی ہے۔" کنزی کا تلخ رویہ عزت کے لیے نیا تھا۔

"تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے؟ تمہارے ساتھ تو وہ بالکل ٹھیک رہتی ہے۔" عزت نے وہ بات کہہ ہی دی جو وہ کافی عرصے سے محسوس کر رہی تھی۔

"میرا مسئلہ بھی یہ ہی ہے عزت کہ وہ میرے ساتھ ہی کیوں ٹھیک ہے۔" کنزی کے جواب سے عزت کو بے تحاشا سکون ملا۔ وہ خوش تھی کہ ان دونوں کی دوستی کم از کم کسی تیسرے فریق کے داخلے سے خراب نہیں ہو سکتی۔

"تم اس کے متعلق سب باتیں ٹھیک کرتی تھی، مجھے ہی سمجھ نہیں آئی۔" کنزی اب پچھتا رہی تھی۔

"میں ہر بار ٹھیک کہتی ہوں اور تمہیں ہر بار تاخیر سے سمجھ آتی ہے۔" وہ اس کی عزت افزائی کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

کافور کی مہک سے مہکتے ہوئے کمرے میں اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سانس لینے میں اس قدر مشکل ہو رہی تھی کہ وہ ہاتھ سے گردن مسلنے لگا تھا۔ اس کے سامنے، بالکل قریب لمبے کھلے بالوں والی دوشیزہ ہاتھ باندھے، نگاہیں جھکائے بڑے ادب سے کھڑی تھی اور اس کے پیچھے عمروں کا معمولی فرق لیے کئی لڑکیاں مزید تھیں۔ وہ سب سیاہ لباس پہنے ہوئے تھیں۔

"تم لوگ کیا چاہتی ہو؟ پیچھے ہٹو میرے سامنے سے۔" وہ ہمت کرتا ہوا بلند آواز سے بولا۔

"سرکار، ہم آپ کی غلام ہیں، آپ کے مبارک ہاتھوں پہ بیعت چاہتے ہیں۔" سب سے آگے والی لڑکی یوں ہی

نگاہیں جھکائے دھیمی آواز میں بولی۔

"میں کوئی سرکار نہیں ہوں، مجھے کوئی بیعت نہیں کروانی..... پیچھے ہٹو یہاں سے۔" وہ شدید ترین الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔ "دروازہ کھولو، کوئی ہے؟" وہ ایک دم مڑتے ہوئے دروازہ کھینچنے لگا۔

"لڑکیو..... پیچھے ہٹ جاؤ۔" اسی وقت ایک گونج دار آواز وہاں گونجی اور نہ جانے کیوں یہ آواز مجتبیٰ کو اپنی نجات محسوس ہوئی۔

ایک لمحے کی دیر تھی وہ سب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ گئیں۔ ان سے فاصلہ ہوا تو اسے اپنے اوسان بحال ہوتے محسوس ہوئے۔ اسی پل اس کی نظر ایک کونے میں بیٹھی عورت پر گئی جس کہ حالت ان لڑکیوں سے قطعاً مختلف تھی۔ وہ سیاہ لباس میں ضرور تھی لیکن حالت کسی مجذوب سے کم نہیں تھی۔

"یہ دروازہ کیسے کھلے گا؟" وہ اب اس عورت سے پوچھ رہا تھا۔

"سب در کھلتے ہیں یہ بھی کھل جائے گا ویسے بھی دروازہ ہی ہے ناں جتنا بھی مضبوط ہو دیمک اس کی مضبوطی کھا جاتی ہے اور رکاوٹوں کا کیا ہے؟ جتنی مرضی رکاوٹیں کھڑی کر دو جانے والے چلے جاتے ہیں۔" وہ عورت کیا بول رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

اس نے سرسری نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ ایک طویل کمرہ تھا اور اس کمرے میں تین دروازے مزید تھے۔ ان کے آگے کیا تھا اسے جاننے کی کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ بس وہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔

"خود کو یوں ہلکان نہ کرو کیونکہ وہی ہوگا جو وقت نے تمہارے لیے طے کر رکھا ہے۔" اس کی بے چینی ہر کسی پہ عیاں تھی۔

اس عورت کے الفاظ میں کوئی تو تسلی تھی جس نے اس کے وجود میں دوڑتے پارے کو قابو کر لیا تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش ترک کر دی اور وہیں بیٹھ گیا۔ اس نے ایک نظر دوبارہ ان لڑکیوں کی جانب دیکھا جو ایک کونے میں یوں کھڑی تھیں جیسے وہاں پیوست کر دی گئی ہوں۔

"تم کون ہو اور یہ سب کیا ہے؟" مجتبیٰ نے سوالیہ نگاہوں سے اس عورت کی جانب دیکھا۔

"میں گناہ ہوں، نیکیوں کو جذب کرتے ساری عمر گزر گئی۔ اب یہاں بیٹھی ان نئے گناہوں کو اپنی زندگی کے گر سکھا رہی ہوں۔ ان میں وہ گن پیدا کر رہی ہوں جو خوب صورت دلوں کو میرے لباس جیسا سیاہ بنا دے۔" اس کی بہکی باتیں مجتبیٰ کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

"یہ لڑکیاں کون ہیں، میرا مطلب کہاں سے آئی ہیں؟" اس کی نگاہ ان لڑکیوں پہ بار بار اٹک رہی تھی جن کے چہروں پہ جوانی کا جوبن تھا۔

"گناہ ہیں شاہ جی..... گناہ، ان سے بچ کے رہیں۔" وہ اسی کھوئے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی لیکن مجتبیٰ کے لیے یہ بھی کافی تھا۔

"مطلب.....؟" وہ سب کچھ جان لینا چاہتا تھا لیکن اب وہاں ایک گہری خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ ماحول کی خاموشی نے مجتبیٰ کو اپنی سوچوں میں الجھا دیا۔

"میں یہاں اپنے خاندان کی دوریاں مٹانے آیا تھا، ماما کے خدشے غلط ثابت کرنے آیا تھا لیکن اس بات کی خبر نہیں ہوئی یہاں پھنس جاؤں گا۔ ماما درست تھیں، یہ جگہ اس قابل نہیں کہ یہاں آیا جائے اور رہا جائے۔ میں اب سمجھ سکتا ہوں ایک پڑھی لکھی عورت کا یہاں کیسا وقت گزرا ہوگا۔"

"اللہ نے سب کو انسان پیدا کیا لیکن کچھ لوگ جانور بن گئے، انہوں نے اپنا الگ خدا بنا لیا اور ساری زندگی گزر جاتی ہے اسی خدا کو ٹکریں مارتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ٹکریں مارنے کی قیمت وصول کرنے کا سوچا، یہ ان گناہ گاروں کی اگلی نسل ہے۔" اب کی بار بھی مجتبیٰ اس کی باتوں کو نہیں سمجھا لیکن سر اس ڈر سے اثبات میں ہلایا کہ کہیں وہ پھر سے خاموش نہ ہو جائے۔

"یہ پیدا تو ماں کی کوکھ سے ہوتی ہیں لیکن جوان ہوتے ہی نئے خدا پہ واردی جاتی ہیں۔" وہ عورت ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ ساری شرک کا خراج ہیں، ان سب کا مستقبل میں ہوں، یہ سیاہ نصیب والی ہیں..... یہ صرف سیاہ ہیں۔" وہ گول گول گھومتے ہوئے اونچا اونچا بول رہی تھی۔ وہ اس کی حالت سے خوف زدہ ہوتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی لمحے دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی اور مجتبیٰ کو آج کے دن اس سے زیادہ کسی چیز کی چاہ نہیں تھی۔ وہ بے تابی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا جیسے پیچھے دیکھنے سے پتھر کا ہو جائے گا یا ایک لمحہ مزید یہاں رکا تو واپسی کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔ دروازے کے پاس کھڑے انسان کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس راستے کی طرف بھاگا جہاں سے اندر گیا تھا۔

"چھوٹے سرکار رکیے..... وہاں مت جائیے۔" اسے ہاتھ پکڑ کر روکا گیا تو بادل نخواستہ اسے رکنا پڑا۔

"کیوں..... باہر قیامت آ گئی ہے کیا؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ روکنے والے پہ اپنا سارا غصہ انڈیل دے۔

"بڑے سرکار کا حکم ہے کہ آپ کو اندرونی راستے سے حویلی بھیجا جائے۔" مقابل کھڑے انسان نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"یہ کون سا راستہ ہے؟" اس تاریک راہداری سے اسے نکلنا تھا چاہے راستہ کوئی بھی ہو۔

"آپ اس راہداری کی متضاد سمت سیدھے چلتے جائیں۔" اس کی بات جاری تھی کہ مجتبیٰ نے قدم واپس موڑ لیے۔

وہ کئی لمحے اس تاریک راہداری میں تیز رفتار سے چلتا رہا، کئی منقش دروازوں کے پاس سے گزرا، ان دروازوں کے پیچھے کیا راز ہیں یہ جاننے کی اسے ذرہ برابر پروا نہیں تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ راہداری کا اختتام حویلی کے عقبی حصے کی طرف ہوا تھا۔ اس کے سامنے چند گز کھلا حصہ تھا جہاں گھاس اور چند پودے اگے ہوئے تھے اور سامنے بھورے رنگ کا قد آور دروازہ تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے اور حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہونے میں لمحہ بھر تاخیر نہیں کی۔ حویلی کی بھول بھلیوں میں ماما کو ڈھونڈنا وقت طلب کام تھا، موبائل کے سگنل یہاں آتے نہیں تھے سو اس نے پہلی فرصت میں وہاں سے گزرتی ملازمہ سے ان کے متعلق پوچھا اور اس کے بتائے حصے کی جانب بڑھ گیا۔

"ماما..... بابا....." وہ مرکزی حصے کی جانب بنے لاؤنج کی طرف آیا اور وہاں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

"مجتبیٰ..... کیا ہوا، تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" رقیہ زبیر احمد بے چینی سے اس کی جانب بڑھیں۔ اس کے بغیر یہ لمحات انہوں نے انگاروں پہ لوٹتے ہوئے گزارے تھے۔

"ماما..... آپ سب باتیں چھوڑیں، ہمیں بس یہاں سے جانا ہے، مجھے اب ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رہنا۔" وہ اب بھی حواس باختہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔

"مجتبیٰ ادھر آ کر بیٹھو۔ کیا ہوا ہے تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟" زبیر احمد بھی اس کی حالت دیکھ کر پریشان تھے لیکن ظاہر نہیں کیا۔

"بابا میں ابھی نہیں بتا سکتا۔ آپ بس یہاں سے چلیں۔" وہ یہاں بیٹھ کر ان سے لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ دیکھ نہیں رہے وہ کتنا پریشان ہے، وہ کہہ رہا ہے ناں اسے یہاں نہیں رکنا تو آپ کیوں بحث کرنا چاہ رہے ہیں؟" وہ پہلے ہی یہاں آنے کے لیے آمادہ نہیں تھیں اور اب اکلوتے بیٹے کی حالت نے خدشات کی تصدیق کردی تھی۔

"ماما پلیز..... آپ بابا سے ایسے بات مت کریں، ان کا اس سب میں کوئی قصور نہیں۔"

"سب قصور ان کے ہی ہیں، میری ساری زندگی کھا گئے یہ ظالم لوگ لیکن میں تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی، تمہیں بچانے کے لیے میں ہر حد سے گزر جاؤں گی۔" وہ ایک دم چیخنے لگیں اور ان کا اس قدر طیش میں آنا زبیر احمد کو پریشان کر گیا تھا۔

"اچھا تم لوگ پریشان نہ ہو، میں ابا جان سے رخصتی کی اجازت لے کر آتا ہوں۔" وہ ان دونوں کو تسلی دیتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں خود ہی آ گیا ہوں، تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔" مختار احمد کی آمد نے ماحول میں تناؤ پیدا کر دیا اور ان کا کروفر سے صوفے پہ بیٹھنے کا انداز رقیہ زبیر کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔

"ابا جان..... آپ نے بلایا تھا ہم آ گئے اب ہمیں واپس جانے کی اجازت دیجیے۔" زبیر احمد نے احترام سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"تم اس عورت کی کٹھ پتلی ہو، اس کے اشاروں پہ ناچتے ہو اسی لیے اس نے تمہیں پہلے کبھی آنے دیا اور نہ اس بار اپنی مرضی سے آئے ہو، تمہیں یہاں لایا گیا ہے اور اگر نہ آتے تو میرے پاس تمہیں بلانے کے دوسرے، بہت سارے طریقے ہیں۔" رعونت ان کے لفظ لفظ سے ٹپک رہی تھی۔

مجتبیٰ پہلی بار ان کے منہ سے اپنے ماں باپ کے لیے اس قدر گھٹیا الفاظ سن رہا تھا۔ اس کے وجود میں غصے کا ابال اٹھنے لگا لیکن رشتوں کا لحاظ شاید اب بھی باقی تھا سو اس نے خاموش رہنے میں بہتری سمجھی۔

"ابا جان میں پھر کبھی آپ سے فرصت کے لمحات میں بات کروں گا ابھی میں واپسی کے لیے نکل رہا ہوں۔" بیٹے کے سامنے اپنے اور رقیہ کے لیے ایسے الفاظ سننا ان کے لیے بہت مشکل مرحلہ تھا۔

"ہاں ہاں، تم لوگ جاؤ، خوشی سے جاؤ، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" ان کی بات نے جہاں زبیر احمد کو مطمئن کیا وہیں رقیہ زبیر احمد کو خطرے کی گھنٹی محسوس ہوئی، انہوں نے نجانے کس خدشے کے تحت مجتبیٰ کا ہاتھ سختی سے تھام لیا۔

"چلو مجتبیٰ..... اپنی ماما کو باہر لے آؤ۔" وہ الوداعی ملاقات کے لیے آگے بڑھے۔

"مجتبیٰ کہیں نہیں جا رہا۔" ان کی کرخت آواز نے ماحول ساکت کر دیا۔ ان کے ہاتھ پہ بوسہ دینے کے لیے زبیر احمد کے آگے بڑھے ہاتھ رکے وہیں مجتبیٰ کے اٹھے قدم واپس زمین پہ آن پڑے۔

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔" زبیر احمد کو تشویش نے آن گھیرا۔

"مجتبیٰ نہیں جائے گا۔ آج سے یہ درگاہ کی ذمہ داریوں میں میرا ہاتھ بٹائے گا اسی لیے اس کا ٹھکانہ آج سے یہ حویلی ہے۔" مختار احمد نے ایک بم ان سب کے سروں پہ پھوڑا۔

"میں مجتبیٰ کو کسی صورت آپ کے سپرد نہیں کروں گی۔ یہ میرا بیٹا ہے آپ کی عیاشیوں کی نذر نہیں ہو سکتا۔" رقیہ زبیر احمد نے خاموشی کے سارے اصول توڑ دیے تھے۔ وہ جو خود کو سالوں سے نباہ کرنے کی تلقین کرتی آ رہی تھیں آج ان کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ ان کے سامنے بیٹھے شقی القلب انسان نے آج ان کے دل پہ وار کیا تھا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو ورنہ میں یہ بھول جاؤں گا کہ دنیاوی لحاظ سے ہمارا کوئی رشتہ ہے۔ مجتبیٰ یہاں رہے گا تو بس یہاں رہے گا۔ کسی کو اس کے ساتھ رہنا ہے تو رہ سکتا ہے ورنہ جانے کے سب دروازے کھلے ہیں۔" وہ اپنا حتمی فیصلہ

سناتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”اور ہاں بھاگنے کی غلطی بالکل نہیں کرنا ورنہ انجام کے ذمہ دار تم لوگ خود ہوگے۔“ وہ جاتے ہوئے انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنا نہیں بھولے تھے۔

”یہ سب کیا ہے بابا؟“ مجتبیٰ حیران نظریں ان دونوں پہ مرکوز کیے ہوئے تھا جب کہ رقیہ زبیر احمد ہارے ہوئے جواری کی طرح بے دم ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

محفل حسن کے چراغ بجھا دیے گئے تھے۔ کچھ لمحوں کی بات تھی رات کے اندھیرے نے صبح کے سفیدے میں ڈھل جانا تھا۔ کمرہ محفل سے سامان عیاشی سمیٹا جا رہا تھا۔ سفید پتھر کے فرش سے پان کا لعاب اور شراب کے قطرے صاف کیے جا رہے تھے جب کہ نوٹوں کی برسات نین تارا اپنے دامن میں سمیٹے کمرے میں جا چکی تھی۔ اس سب ہلچل سے پرے نازنین اپنے کمرے میں اندھیرا کیے عجب سوچوں میں گم تھی۔

”اے میری پیاری نازنین، تو یہاں اندھیرا کیے کیوں بیٹھی ہے؟“ خاموش فضا میں لالی کی بھاری آواز کانوں کو بالکل بھلی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

”ہم اندھیر نگری کی پیدائش ہیں لالی اور اندھیرا ہی ہمارا مقدر ہے، ہم جیسے لوگ روشنیوں کی آس نہیں لگاتے ورنہ انجام لو کے گرد منڈلاتے پروانے سا ہو جاتا ہے۔“ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ من میں کوئی چبھن ہے ورنہ نازنین ایسی مایوسی سے بھرپور باتیں کب کرتی تھی۔

”اچھا یہ بیکار باتیں چھوڑ اور پاؤں لٹکا کر بیٹھ، گرم پانی میں سرسوں کا تیل ڈال کر لایا ہوں تیرے قدموں کی تھکاوٹ لمحوں میں غائب ہو جائے گی۔“ لالی اسی بات پہ خوش تھا کہ آج نازنین کو اس کا وجود برا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس سے نرم لہجے میں بات کر رہی تھی اور حیرت تو یہ کہ ہمیشہ کی طرح احتجاج کیے بنا اس نے اپنے پاؤں نیچے کر دیے تھے۔

”لالی..... تجھے کبھی اداسی محسوس ہوئی ہے؟“ وہ جو اس کے قدموں کو گرم پانی میں رکھے ہاتھوں سے دبا رہا تھا اس کے سوال پہ مزید حیران ہوا۔ اسے نازنین کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

”میرے سوال کا جواب دے۔“ لالی کی خاموشی پہ اس نے غصے سے اپنا پاؤں اس کے ہاتھ سے کھینچا۔

”ہاں پ ہوتی ہے۔“

”کب؟“

”جب تو مجھ سے بات نہیں کرتی، ناراض ہو جاتی ہے۔“ اس کی ناراضگی کا خیال اس قدر دل سوز تھا کہ لالی کی خشک آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

”اور جب میں تجھے دھکے مارتی ہوں، تجھے گالیاں بکتی ہوں بلکہ ابھی کچھ دن پہلے نین تارا کے ہاتھوں زبردست مار بھی پڑوائی جس کا نشان اب بھی تیری پیشانی پہ نظر آ رہا ہے۔“ آج اس کا ہر سوال لالی کو حیران کر رہا تھا۔

”تیرا مارنا، گالیاں بکنا اور کسی بھی قسم کا برا سلوک مجھے اداس نہیں کرتا نازنین..... بس تمہاری خاموشی مار دیتی ہے۔“ وہ مکمل انہماک سے اس کے پاؤں صاف کر رہا تھا اور اس کے الفاظ نازنین کے دل کو عجب کیفیت کا شکار کر رہے تھے۔

”ایسا کیوں ہے لالی کہ تجھے میرے دیے گئے زخموں کی تکلیف بھی نہیں ہوتی؟“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم اس شہر کی ہی نہیں میری بھی آنکھ کا تارا ہو۔ تمہارے بغیر لالی کا کوئی وجود نہیں، کوئی مجھے نامرد کہتا ہے، کوئی ہجڑا کہہ کر پکارتا ہے، کسی کو ماں باپ کا گناہ لگتا ہوں اور کسی کو زمین پہ بوجھ لیکن ایک تم ہو جسے لالی صرف لالی لگتا ہے۔ جب زندگی کی گنتی ایک پہ رک جاتی ہے تو پھر اس کے اچھے برے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور میں جان گیا

ہوں تو بھی اب اس ایک کو تلاش کرنے لگی ہے لیکن میں تجھے اس تلاش سے منع کروں گا، تجھے بہت درد ملے گا اور تیرا درد مجھے مار دے گا۔" وہ اتنے ہی حوصلے کا مالک تھا اسی لیے تو نازنین کی تکلیف کا سوچ کر ہی رو دیا تھا۔

"نازنین بی بی..... کوئی رئیس زادہ آیا ہے اور آپ سے ملنے کا کہہ رہا ہے۔" وہ لالی کے آنسو صاف کرنے والی تھی اور شاید یہ پہلی بار ہونا تھا لیکن کسی کی آمد کی اطلاع اسے حیران کر گئی۔

"مجھے کیوں بتا رہی ہو نین تارا کو اطلاع دو بلکہ میری مانو تو رہنے دو میں بہت تھک چکی ہوں۔" وہ اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

"جی نین تارا نے آپ کو پیغام دینے کا کہا ہے۔" وہ لڑکی اس کے جواب کی منتظر وہیں کھڑی تھی۔

"اچھا..... یہیں ہی بھیج دو۔" وہ جان گئی کہ اگر اس وقت نین تارا کی جانب سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تو واقعی کوئی رئیس زادہ تھا وگرنہ یہاں تو وقت رہتے ہوئے بھی کسی بیچارے کی دال نہیں گلتی کجا کہ اس وقت۔

"وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا ہے اور آپ کو وہاں بلا رہا ہے۔" یہ جواب اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"ایسا کون ہے جو یہاں آنے کی بجائے مجھے باہر بلا رہا ہے؟ جاؤ جا کر کہہ دو میں نہیں آ رہی، نازنین ہوں اس کے علاقے کی غریب عورت نہیں جو اس کے حکم کی غلام بنوں۔"

"لیکن بی بی....." وہ دوبارہ مصر ہوئی۔

"کہہ دیا ناں جاؤ یہاں سے۔" وہ اب کی بار اونچی آواز میں بولی۔

"نازنین بی بی..... وہ وہی ہے جو اس رات آیا تھا۔" وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ڈرتی ڈرتی بولی۔

جہاں نازنین ٹھٹکی وہیں لالی کے تواتر سے چلتے ہاتھ ساکت ہوئے تھے۔ لالی کا دل انجانے خوف سے دھڑکا، نازنین کی دھڑکنوں میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ آیا تھا۔ اس انجان شخص کی جسارت پہ دونوں حیران تھے۔

"تم چلو اور انہیں کہو انتظار کریں میں آتی ہوں۔" اس لڑکی کے جاتے ہی اس نے پاؤں گرم پانی سے نکالے اور خشک تولیے پہ رکھ دیے، لالی اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے جلدی سے اس کے پاؤں خشک کرنے لگا۔

"لالی..... جلدی سے تیاری کا سامان نکال۔" وہ غسل خانے کی جانب بڑھتی اسے تیاری کا کہہ گئی۔

لالی کا بس چلتا تو اسے جانے سے روک لیتا، اس نئے راستے پہ پہلا قدم رکھنے سے پہلے اس کا رخ موڑ دیتا لیکن بس چلتا تو..... اس نے نیم دلی سے سیاہ گھیر دار فراک نکالی جس پہ چاندی رنگ کا خوب صورت کام بنا ہوا تھا۔ فراک کے ہم رنگ جھمکے نکالے اور سفید نازک سی سینڈل نکال کر سنگھار میز کے سامنے رکھ دی۔ چند لمحوں میں وہ ہشاش بشاش چہرہ لیے غسل خانے سے نکل آئی تھی۔

"کیا جانا ضروری ہے؟" اس نے ڈرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہ جانے کی بھی تو کوئی وجہ نہیں۔" خلاف توقع آرام سے جواب دیا۔ "ویسے مجھے کس موقع پہ کیا پہننا ہے یہ مجھ سے بہتر تو جانتا ہے۔" فراک کے ساتھ رکھی چیزوں کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے لالی کو سراہا۔ عام وقت ہوتا تو اس تعریف پہ پھولے نہ سماتا لیکن اس لمحے اس کے دل میں عجیب عجیب وسوسے جنم لے رہے تھے۔ نازنین کی زندگی انہی ملاقاتوں پہ منحصر تھی، اس کا پیشہ یہ ہی تھا اور وہ اب تک نہ جانے کتنے مردوں سے مل چکی تھی لیکن کبھی لالی کو ایسے خدشات لاحق نہیں ہوئے تھے۔ وہ خاموش سا کمرے سے باہر نکل آیا۔

نازنین رات کا حسن چرائے کمرے سے نکلی اور بنا کسی کو اطلاع کیے سڑھیاں اتر گئی۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ لالی ہاتھ میں چند پیسے لیے کھڑا تھا، اس کے سر سے وارتے ہوئے بنا کچھ کہے واپس چلا گیا۔ نازنین نے سڑک پہ دروازے سے

چند فاصلے پہ سیاہ بڑی سی گاڑی دیکھی اور نپے تلے قدم اٹھاتی اس طرف بڑھ گئی۔

ہاتھ میں کاسہ، کلائی میں کڑا سجتا ہے
در بڑا ہو تو سوالی بھی کھڑا سجتا ہے
دل پہ سامان زمانہ کبھی رکھا ہی نہیں
اس گھڑونچی پہ محبت کا گھڑا سجتا ہے
یہ صف دل زدگاں ہے تجھے احساس رہے
تو یہاں صرف میرے ساتھ کھڑا سجتا ہے
سر کیے جاؤں ترا کوہ رفاقت یوں ہی
میرا جھنڈا اسی چوٹی پہ گڑا سجتا ہے
طاق محراب وفا میں ہے ٹھکانہ میرا
جو دیا بجھ نہ سکے اس میں بڑا سجتا ہے
قیمت و قدر بڑھاتے ہیں یہ رشتے ناطے
لعل دستار یا زیور میں جڑا سجتا ہے

وہ گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ خوب صورت گہرا لہجہ اور مدہوش آواز اس کے بالکل قریب گونجی۔ اس سے پہلے اس کو اس انداز بے خودی سے کب سراہا گیا تھا۔ اس نے دائیں جانب سے بالوں کا پردہ ہٹاتے ہوئے اک ادا سے خوب صورت آواز کے مالک کو دیکھا اور آنکھوں میں روشن انتظار کے دیے دل کو جلاتے محسوس ہوئے۔

"معذرت خواہ ہوں تمہیں بے وقت اور عجیب و غریب طریقے سے یہاں بلایا لیکن کیا کریں ہمارے، بہت سے خیر خواہ ہمارے ارد گرد خبروں کی تاک میں رہتے ہیں اس لیے یہ احتیاط لازمی ہے۔" اپنے وجیہہ مردانہ ہاتھوں سے اس کی نازک کلائی پہ گجرا پہناتے ہوئے معذرت کی۔

"معذرت کی ضرورت نہیں ہے میرا دل کیا میں آ گئی اور یاد رکھیے گا نازنین اپنی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتی۔" اس کی بات پہ مقابل نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا تو وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ خاص عنایت شاید میرے لیے کی گئی ہے۔" وہ اس کے خوب صورت سراپے کو نگاہوں میں سماتے ہوئے بولا۔

"شاید یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔" اس کے دیوانے پن نے نازنین کے غرور کو مزید بلند کیا۔

"اچھا..... یعنی شمع سنی فطرت پائی ہے تم نے، دیوانوں کو پروانہ بنانا جانتی ہو۔"

"اور مارنا بھی....."

"یہ تو میں پہلی ملاقات میں جان گیا تھا۔" گاڑی سبک رفتاری سے سڑکوں پہ گھومتے ہوئے ایک نئے آباد علاقے میں پہنچ گئی تھی۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے اندھیرے میں غیر مانوس جگہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں دنیا نہ دنیا والے ہوں، ہم دونوں ہوں اور بس ساتھ محبت ہو۔" گاڑی رک گئی تو اس نے نازنین کی گود میں رکھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بھرپور چاہ سے اسے دیکھا۔

وہ جو کسی ایسی جگہ پہ جانے سے انکار کرنے والی تھی اس جسارت پہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چند اصول تھے، وہ کمرہ

خاص کے باہر کسی کو ملتی نہیں تھی اور اگر بصد اصرار باہر جاتی بھی تو عوامی مقامات پہ بیٹھنا پسند کرتی۔ اس کا خیال تھا اس پہر وہ اس کے ساتھ سڑکوں پہ گھومے گا اور واپس چھوڑ دے گا اس کے علاوہ کچھ ہو سکتا ہے یہ اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ اس کے انکار کی صلاحیت اس انسان نے سلب کر دی تھی۔ وہ تسلیم کر رہی تھی کہ مقابل بیٹھا انسان اس کے حواس پہ سوار ہو رہا تھا۔

"میرے ساتھ چلو گی؟" وہ اس کی جانب کا دروازہ کھولے ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا اور وہ بنا کوئی احتجاج کیے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ گئی۔

یہ ایک نئی تعمیر شدہ عمارت تھی جس کی دوسری منزل پہ بنا ایک فلیٹ ان کی منزل تھا۔ اس کا ڈرا دل بالکل پرسکون ہو گیا جب اس نے فلیٹ کی آرائش و تزئین دیکھی۔ گلاب کی پتیوں سے بھری راہداری پہ چلتی ہوئی وہ درمیانی ہال میں پہنچی جہاں چوکور میز پہ انواع و اقسام کے کھانے رکھے ہوئے تھے۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ حیران نگاہوں سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"آج میری سالگرہ ہے اور میں اپنا خاص دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" اس کو ہاتھ سے تھامے میز تک لایا اور کرسی کھینچتے ہوئے اسے بٹھایا۔

"تم مجھے پہلے آگاہ کرتے تو میں تمہارے لیے کوئی تحفہ لے آتی۔" اسے شرمندگی ہوئی۔

"تم یہاں موجود ہو اور میرے لیے تم سے بڑھ کر دنیا کا کوئی تحفہ اہمیت نہیں رکھتا۔" اس نے بات کے اختتام پہ خوب صورت انگوٹھی نکالی اور اس کے نازک ہاتھ کی انگلی پہ پہنا دی۔

یہ سب نازنین کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس نے بڑی سی بڑی رقم اپنے وجود پہ گرتی دیکھی تھی لیکن ایسی چاہ، بے باکی اور دیوانہ پن اس سے پہلے اس کی نگاہوں میں نہیں آیا تھا۔ وہ مقابل کے سحر میں گرفتار ہو رہی تھی اور اس قید پہ خوشی محسوس کر رہی تھی۔

کھڑکیوں سے صبح کی کرنیں اپنی جھلک دکھانے لگی تھیں۔ دل کے تار چھیڑنے والے گانے مدھم آواز میں چل رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے، نگاہوں کی زبانی ساری ان کہی باتیں بیان کر رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

بارش کی بوندیں موسم کو خوشگوار بنا رہی تھیں۔ سردی کی شدت نے سڈنی کی خوب صورتی کو دگنا کر دیا تھا۔ زندگی معمول کی رفتار سے جاری تھی۔ لامیہ تیز تیز قدموں سے یونیورسٹی کے گارڈن ایریا سے گزر کر اس راستے کی جانب مڑ گئی جو اُس آف سڈنی کو جاتا تھا۔ یونیورسٹی کی عمارت قدیم تعمیر کا نمونہ تھی، اس کی راہداریاں، محراب اور ہال دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کرتے تھے۔ اس کی دیواریں ہزاروں ان گنت کہانیاں سناتی محسوس ہوتی تھیں۔ کوئی فارغ وقت ہوتا تو اکثر وہ ان دیواروں سے ٹیک لگائے تنہائی کی متلاشی ہوتی تھی لیکن آج وائس آف سڈنی میں شو تھا سو کلاس لیتے ہی وہ سیدھا اس طرف آ گئی تھی۔

"لامیہ..... لامیہ بات سنو۔" اس کے بھاگتے قدموں کو مسلسل آنے والی آواز نے روکا۔ آواز دینے والا ڈینی تھا، وہ اذلان کے ساتھ اکثر نظر آتا تھا۔

"کیا بات ہے ڈینی، جو کہنا ہے جلدی کہو۔" وہ جتنی جلدی میں تھی اتنی ہی تاخیر ہو رہی تھی۔

"مجھے اذلان کے لیے بہت افسوس ہو رہا ہے میں اس کے گھر جانا....."

"لیکن اذلان کو کیا ہوا؟" وہ حیران نگاہوں سے ڈینی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں تم یہ سب کسی کو نہیں بتانا چاہتی لیکن ہم تو اس کے دوست ہیں ناں، تمہیں ہم سب کو لازمی خبر کرنی چاہیے تھی۔" ڈینی اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مٹکاتے مکمل تفتیشی انداز اپنائے ہوئے تھا۔

"ڈینی میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں، ابھی بس یہ جان لو وہ ٹھیک ہے۔" وہ شاید اس کی چوٹ کے متعلق جان گیا تھا اور یہ ساری گفتگو اسی پس منظر میں تھی اس لیے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

"میں سب جان چکا ہوں لامیہ، تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔" وہ آنکھوں میں آنسو لانے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی لمحے لامیہ کو کچھ غلط ہونے کا خیال گزرا۔

"ڈینی..... میں کچھ جھوٹ نہیں بول رہی، اذلان ٹھیک ہے۔" اس نے ازراہ ہمدردی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی اور اسی لمحے وہ اس کے گلے لگ کر بلک بلک کر رونے لگا۔

"یا اللہ..... یہ کیا آفت ہے؟" اس نے سنہرے رنگ بالوں والے ڈینی کو کوفت سے دیکھا۔

"ڈینی..... تم یہاں بیٹھ کر رو لو اور جی بھر کے رونا میں تب تک واپس آجاؤں گی۔" وہ عجیب و غریب منہ بناتے ڈینی کو ستون کے ساتھ کھڑا کر کے بھاگنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم بہت بے رحم ہو لامیہ..... اذلان کی یادداشت چلی گئی، اب وہ ہمیں کبھی یاد نہیں کر سکے گا اور تمہیں اپنے شو کی پڑی ہے، تم بہت بری ہو۔" وہ چند قدم دور گئی کہ ڈینی کی بلند آواز میں کی گئی باتیں اس کو آگے بڑھنے نہیں دے سکیں۔

"تمہیں یہ فضول بات کس نے کی؟ وہ بالکل ٹھیک ہے اور چند دنوں میں یونیورسٹی آجائے گا۔" اسے ڈینی پہ جی بھر کے غصہ آیا۔

"کیا واقعی.....؟" وہ ستون سے ہٹتے ہوئے فوراً اس کے پاس آیا۔ اب کی بار بنا کوئی جواب دیے اس نے بس غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"سبین نے پھر جھوٹ کیوں بولا؟" وہ آنکھیں سکیڑتے ہوئے پرسوچ انداز سے بولا۔

"کیا.....! اذلان کے بارے میں ایسا تمہیں سبین نے کہا؟" وہ یقین کرنے پہ آمادہ نہیں ہوئی۔

"ہاں۔" اس نے شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اس سے پوچھوں گی لیکن تم اب یہ رونا بند کرو ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔ اس کے پاس وقت بہت کم بچا تھا۔

ڈینی کا جواب سنے بنا اس نے دوبارہ دوڑ لگا دی۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا، تیز چلتے ہوئے وہ کبھی شو کے وقت تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس نے دوڑنا شروع کر دیا تھا اپنے دوسرے شو میں وہ کسی ہزیمت کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"لامیہ..... بات سنو۔" وہ لائبریری کے پاس سے گزر رہی تھی جب رادھا کی آواز سنائی دی۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی کیونکہ رادھا آسٹریلین شہری نہیں تھی۔ وہ انڈین لڑکی تھی اور ڈھیروں مشکلات کے بعد پڑھنے یہاں تک آئی تھی، اسے اکثر مدد کی ضرورت رہتی تھی اور وہ جس حد تک ممکن ہو سکتا اس کی مدد کرتی تھی۔

"کیا ہوا سب خیریت ہے؟" اس کا سانس پھول رہا تھا۔

"یہ تو تمہیں بتانا چاہیے ناں۔" رادھا کا جواب اسے سمجھ نہیں آیا لیکن اچانک ڈینی کے ساتھ ہونے والی گفتگو یاد آئی تو اسے لگا رادھا بھی کچھ ایسا ہی پوچھنے آئی ہے۔

"رادھا اگر تمہیں بھی سبین نے اذلان کی یادداشت کے متعلق کچھ بتایا ہے تو پلیز اسے اگنور کر دو، اذلان بالکل ٹھیک ہے اور بہت جلد یونی آجائے گا۔" وہ جلدی میں جواب دیتے ہوئے وہاں سے جانے لگی۔

"اذلان کی یادداشت.....؟ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں ایسا کچھ نہیں پوچھنے والی تھی بلکہ میں تو تمہیں کانگریلیشن کہنے آئی تھی، میں تم دونوں کے لیے بہت خوش ہوں۔" رادھا نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو وہ چونکی۔

"لیکن کس چیز کی خوشی؟"

"اذلان اور تمہاری انگیجمنٹ کی۔" اس کی بات نے لامیہ کے سر پہ بم پھوڑا۔

"یہ تمہیں سبین نے بتایا ہے؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا سبین سامنے ہو اور وہ اسے ہار بر برج سے دھکا دے دے۔

"ہاں اور مجھے تھوڑا دکھ بھی ہوا ہے کہ تم لوگوں نے کسی دوست کو بلانا تو دور بتانا بھی پسند نہیں کیا۔" اس کا لہجہ اب دکھی ہوا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے رادھا، کوئی انگیجمنٹ نہیں ہوئی، یہ دیکھو میرا ہاتھ یہاں کوئی رنگ نہیں ہے۔" اب کہاں کا شو اور کیسا شو، وہ بیگ نیچے رکھتے ہوئے نرم گھاس پہ بیٹھ گئی۔

"کیا تم لوگ پام بیچ پہ نہیں گئے تھے اور دونوں نے لائٹ ہاؤس میں اکھٹے وقت نہیں گزارا تھا؟" رادھا اب بھی مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

لامیہ نے غصہ ایک طرف رکھتے ہوئے اسے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا کیونکہ اگر یہ بات یونیورسٹی میں پھیل جاتی تو عجیب صورت حال بن سکتی تھی۔ رادھا کو مطمئن کرنے کے بعد وہ سبین کو تلاش کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

ان کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔ ایک دن کی بیماری نے چہرے کی سفید رنگت کو پیلا کر دیا تھا۔ دو دن سے علاقے کی عورتوں کو حویلی آنے سے منع کر دیا گیا تھا اور ان کا اپنا من بھی یہ ہی تھا، وہ کچھ وقت اپنے ساتھ تنہائی میں گزارنا چاہتی تھیں۔ سب ان کے ارد گرد چکر لا رہے تھے لیکن ان کی خاموشی ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"گل.....ان کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ، میں کچھ ضروری کام دیکھ لوں۔" احمد علی چٹھہ گل کو ان کا خیال رکھنے کا کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

"تم جاؤ گل، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" ان کی کمزور و نحیف آواز نے گل کے دل پہ چرکہ لگایا۔

"اللہ کے واسطے بی جان مجھے خود سے دور نہ کریں، آپ کی ایسی حالت مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی، میرا تو سب کچھ آپ ہیں، میری ماں، میری محسن۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے ان کے قدموں پہ اپنا سر رکھ دیا اور کئی نمکین آنسو ان کے قدموں کو گیلا کر گئے۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے گل ایسی حرکتیں نہ کیا کرو۔" انہوں نے جلدی سے اپنا پاؤں سمیٹے تھے۔

اسی لمحے دروازہ کھول کر نور العین کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی انہوں نے آنکھیں موند لیں، نور العین کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے لیکن گل نے اشاروں سے اسے آگے آنے کو کہا۔ وہ جانتی تھی جب تک وہ نور العین سے بات نہیں کریں گی تب تک ان کی حالت بہتر نہیں ہوگی۔

"بڑی امی.....آپ کے لیے سوپ لائی ہوں۔" اس نے میز پہ ٹرے رکھتے ہوئے کہا لیکن ان کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں لیکن کھانے سے ناراض مت ہوں۔ ڈاکٹر نے آپ کا بہت سارا خیال رکھنے کو کہا ہے۔" وہ ان کے بستر کے پاس قدموں کے بل بیٹھ گئی لیکن اب کی بار بھی خاموشی قائم رہی۔

"بڑی امی....." وہ رو پڑی۔ وہ کبھی اس سے ناراض نہیں ہوئی تھیں، ہمیشہ اس کے ہی لاڈ اٹھاتی تھیں اور اب جب وہ

خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھیں اسے بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ انہیں کیسے بولنے پہ آمادہ کرے۔

"گل..... مجھے آرام کرنا ہے اور جاتے ہوئے کمرے میں اندھیرا کر جانا۔" وہ ایک اور کوشش کرنے والی تھی لیکن انہوں نے اس سے یہ مہلت بھی چھین لی۔

ان دونوں کے باہر جانے سے پہلے ہی دروازہ کھلا، شیماء بیگم اور حورالعین کمرے میں داخل ہوئیں۔ گل انہیں کہنے ہی لگی تھی کہ بی جان نے آرام کرنے کا کہا ہے لیکن ان کے پیچھے بڑے صاحب کو آتے دیکھ ادب سے کھڑی ہوگئی۔ بی جان کے کمرے میں اس وقت یوں سب کا اکھٹا ہونا یقیناً کوئی خاص بات تھی۔

نورالعین کے چہرے کی رنگت اڑ گئی، وہ یہ سوچ کر گرنے والی ہوگئی کہ بڑے ابا کو سب پتا چل گیا ہے اور اب وہ یہاں اپنا فیصلہ سنانے آئے ہیں۔ اس نے مدطلب نظروں سے بڑی امی کی طرف دیکھا لیکن وہاں بھی اسے حیرانی ہی نظر آئی۔

"جو افراد حویلی میں موجود تھے وہ سب اس کمرے میں اکھٹے ہیں اور جو نہیں ہیں ان کو بعد میں بتا دیا جائے۔" وہ اپنی بھورے رنگ کی خاص کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"میری برداشت غلط حرکات اور کاموں کو دیکھ کر کتنی جلدی ختم ہوتی ہے یہ آپ سب جانتے ہیں لیکن اولاد کے سامنے بڑے سے بڑا طرم خان بھی ہار جاتا ہے۔ سعید اور شیماء کی تربیت سے میں جتنا خوش اور مطمئن ہوں سعد اور اس کی بیوی نے مجھے اتنا ہی مایوس کیا ہے، ان سالوں میں بار بار میرا ضبط ٹوٹا اور انہوں نے ہمیشہ مجھے کسی انتہائی فیصلے سے باز رکھا۔" انہوں نے بستر پہ لیٹے نحیف وجود کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنی اولاد کی کوتاہیوں پہ پردہ ڈالتے ہوئے انہوں نے ساری زندگی گزار دی اور اب بھی ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی وجہ صرف نورالعین ہے جس کے وجود کا احساس اس کے ماں باپ کو بالکل بھی نہیں۔" یہ طنز نہیں تھا لیکن نورالعین کو کوڑے کی طرح لگا۔ اس نے شاکی نگاہوں سے سامنے کھڑی اپنی ماں کو دیکھا جس کے باعث آج وہ بھری محفل میں ایسی باتیں سن رہی تھی۔

"میں اپنی بیوی کو اس عمر میں مزید تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نورالعین اور عبدالودود کو رشتہ ازدواج میں باندھ دیا جائے۔" ایک آتش فشاں تھا جو اس کمرے میں پھٹا تھا۔ حورالعین کے چہرے پہ طمانیت بھری مسکراہٹ تھی بالآخر وہ ایک بار پھر سعد علی چٹھہ پہ کاری وار کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر لہرا گیا جب وہ خاموشی سے ابا جان کے کانوں میں یہ بات ڈال آئی تھی لیکن کامیابی کی امید ذرہ برابر نہیں تھی۔ آج اس کے لیے فتح کا دن تھا۔

"بڑے ابا..... آپ مجھ سے پوچھے بغیر ایسا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد کمرے میں ایک اور بھونچال آیا جس نے سب کو ہلا کے رکھ دیا۔ احمد علی چٹھہ کے خلاف بولنے والا کون ہو سکتا تھا؟

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

سعید

www.naeyufaq.com

محتاط

شبانہ اسلم

"ثمینہ بیٹی..... ارے او ثمینہ بیٹی۔"

"جی امی۔" وہ تیزی سے ماں کی پکار پر لبیک کہتی ہوئی کچن سے نکل کر برآمدے میں آئی۔ ہاتھ میں گرما گرم چائے کا مگ تھا۔

"ذرا دیکھ آندھی آنے کا امکان ہے، چھت پہ ابھی سے کپڑے اتار لیے ہیں کیا؟" امی نے آنکھوں کے آگے ہاتھ کا چھجا بنا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"جی امی..... کچھ دیر پہلے بھی تیز ہوا چلی تھی تو میں سارے کپڑے اتار کر لے آئی تھی۔" وہ چائے ماں کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اماں نے تسبیح ایک طرف رکھی اور گول تکیے سے کمر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

آندھی تو آئی نہیں جبکہ آندھی طوفان کی طرح زرینہ دندناتی ہوئی گیٹ سے اندر آئی اور چادر اتار کر اماں کے تخت پہ بدتمیزی سے پھینک دی۔

"امی ذرا سمجھالیں اس لاڈلی کو، آخر یہ سمجھتی کیا ہے خود کو؟" زرینہ غصے سے بھری ہوئی تھی اسے دیکھ کر ماں سے بولی۔

"اوہو..... ایسا کیا کر دیا میری معصوم بچی نے؟" اماں کو زرینہ کے رویے کی سمجھ نہ آئی۔

"آئے ہائے معصوم بچی..... معصوم ہی نہ رہ جائے اونہہ۔" اس نے تنفر سے سر جھٹک کر ثمینہ کو دیکھا۔

"زرینہ..... پہیلیاں مت بوجھوایا کرو جو کہنا ہے صاف کہا کو۔" امی نے کہا۔

"رہنے ہی دیں امی، آپ کو تو ہمیشہ اپنی لاڈلی میں اچھے اوصاف ہی نظر آتے ہیں۔ آپ میری بات کو کہاں خاطر میں لائیں گی۔ پوچھیے ناں اپنی اس بی بنو سے۔"

زرمینہ تڑخ کر بولی۔

"ہاں تو اس میں جو اوصاف ہیں وہ تو ہیں اس سے انکار ممکن نہیں میری یہ صابرہ سی بچی لاکھوں میں ایک ہے۔" امی کے لہجے میں ثمینہ کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

"چلو جی قصہ ہی ختم..... رہنے دیتے ہیں ایک یہی صابرہ ہے میں تو جیسے زمانے بھر کی بے صبری لیے پیدا ہوئی تھی ناں۔" زرمینہ تلخی سے بولی۔

"ثمینہ بچے تم ہی بتاؤ ماجرا ہے کیا آخر..... یہ زرمینہ انگارے کیوں چبا رہی ہے؟" امی نے استفہامیہ نگاہیں اس پر ڈالیں۔

"امی..... آپا کیا کہہ رہی ہیں میں تو خود نہیں جانتی، جانے کس بات پہ اتنی برہمی دکھا رہی ہیں۔ بخدا میں قطعاً لاعلم ہوں۔" ثمینہ نے دزدیدہ نگاہ زرمینہ پر ڈالی جو اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کہاں بتائے گی..... یہ تو اپنی غلطی چھپائے گی۔"

"آپا..... آپ مجھ پہ بے وجہ الزام لگا رہی ہیں، ایسی کون سی غلطی کی ہے میں نے جو میں یوں امی سے چھپاؤں گی۔" ثمینہ نے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے اپنے بھائی جان سے بدتمیزی نہیں کی؟ بتاؤ..... بتاؤ ناں امی کو۔" زرمینہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کیسی بدتمیزی آپا؟ میں نے کوئی بدتمیزی و تمیزی نہیں کی۔" وہ صدمے کی کیفیت میں گھر کر بولی۔

"جب فیاض نے تمہیں گھر چھوڑنے کے لیے لفٹ دی تو تم نے انہیں صاف الفاظ میں انکار نہیں کر دیا تھا..... یہ بدتمیزی نہیں تو اور کیا ہے؟" زرمینہ غصے سے بولی۔

"ہاں تو آپا انکار ہی کیا تھا ناں اور شائستگی سے کیا تھا، انکار بدتمیزی کے زمرے میں کہاں سے آتا ہے؟" ثمینہ نے ترش لہجے میں جواب دیا۔

"بدتمیزی کے زمرے میں ہی آتا ہے سمجھیں، وہ کوئی غیر نہیں ہیں تمہارے بہنوئی ہیں۔" زرمینہ نے جتانے کے سے انداز میں کہا۔

"غیر نہیں ہیں..... لیکن ایسا کوئی شرعی رشتہ بھی نہیں ہے کہ میں فوراً ان کے حکم کی تعمیل میں لگ کر ان کے ساتھ اس بے ہودہ سی موٹر سائیکل پہ بیٹھ جاتی۔" ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

"ہاں ہاں اب بلاوجہ تم میرے سر تاج پہ بہتان باندھ رہی ہو، ان کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ یوں سرعام تمہیں لفٹ کی آفر نہ کرتے۔" زرمینہ بولی۔

"ٹھیک ہے آپا..... لیکن بھائی سے کہہ دیجیے گا، آئندہ ایسی زحمت نہ کریں۔ میں رکشہ میں روزانہ آتی جاتی ہوں، دیر سویر ہو جاتی ہے لیکن میں کسی نامحرم کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔" ثمینہ رسان سے بولی۔

"اچھا..... اور وہ جو رکشہ چلاتے ہیں وہ تو تمہارے ماموں یا چچا، تایا ہیں ناں آئی بڑی شرعی پابند، اونہہ....." زرمینہ کلس کر بولی۔

"آپا..... نہ تو میں ان سے رشتے داریاں نباہ رہی ہوں اور نہ ہی رکشہ ایسی سواری ہے کہ ان کے ساتھ چپک کر بیٹھنا پڑے۔ میری بہت محتاط طبیعت ہے، مجھے پتا ہے کہ شرعی تقاضوں کو کیسے پورا کیا جاتا ہے۔ اس لیے میں دین اور دنیا ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہوں۔" اس نے متانت سے جواب دیا۔

"اگر تم قطعی اجنبی لوگوں کے ساتھ آ جا سکتی ہو تو فیاض کے ساتھ کیا مسئلہ ہے، وہ تو بہنوئی ہیں رشتے میں تمہارے۔ چھوٹی بہن سمجھتے ہیں تمہیں۔" زرمینہ نے کہا۔

"آپا..... بہن سمجھتے ہیں مگر سمجھنے اور سگی بہن ہونے میں بڑا فرق ہے۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں، جو میں آپ کو باور کروانا چاہ رہی ہوں، بس آپ اپنی بات پہ بضد ہیں۔" ثمینہ بہن کے رویے پہ حیران ہوئی۔

"امی..... دیکھ رہی ہیں آپ یہ عزت ہے میری اور میرے شوہر کی آپ لوگوں کی نظر میں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"بات کا بتنگڑ کیوں بنا رہی ہو۔ اچھا ہی کیا ثمینہ نے جو انکار کر دیا، ویسے بھی مناسب نہیں لگتا لوگوں کو کیوں انگلی اٹھانے کا موقع دیا جائے۔" امی نے ناصحانہ انداز

اپنایا۔

"ٹھیک ہے امی، منع کردوں گی انہیں کوئی ضرورت نہیں ہے سالی کے ساتھ ہمدردی جتانے کی، احساس کرنے کی۔ بھئی نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" وہ جھوٹ موٹ کے آنسو صاف کرنے لگی۔

"اچھا چھوڑو ناں کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہوئی جو تم یوں واویلا مچانے لگیں۔" امی نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"ہاں بات تو کوئی اتنی بڑی نہیں لیکن فیاض نے سبکی ضرور محسوس کی۔" زرینہ منہ بنا کر بولی۔

"کوئی سبکی وبکی نہیں، فیاض سے میں معذرت کرلوں گی۔ ثمینہ بچے تو جا اور جلدی سے بہن کے لیے کباب تو تل کے لا کھائے گی ناں تو؟" امی نے زرینہ سے پوچھتے ہوئے ثمینہ کو ہلکا سا اشارہ کیا۔

"ضرور کھاؤں گی امی۔"

"جی امی..... ابھی لائی۔" ثمینہ لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

"سنو زیادہ بنانا، فیاض کے لیے بھی لے جاؤں گی، پسند ہیں ناں انہیں۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی آپا ضرور۔" ثمینہ نے بے ساختہ مسکراہٹ دبائی اور رخ موڑ کر چل دی۔

"اچھا بچوں کو ساتھ لے آتی۔" اماں اب اس کی طرف جی جان سے متوجہ ہوئی۔

"وہ پڑھنے گئے تھے۔ امی چھٹیاں ہیں ناں تو وہ دو وقت جاتے ہیں۔" زرینہ بھی ماں کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"آپا کیوں نہیں سمجھتی، میں نادان بچی تھوڑی ہوں۔" اس نے موٹر کا بٹن بند کیا اور واپس پھیرنے لگی۔

"فیاض بھائی کی بدن میں چبھتی بے باک نگاہیں کیا صرف مجھے ہی دکھائی دیتی ہیں؟ کیا آپا اپنے میاں کے عشق میں اتنی دیوانی ہوگئی ہیں کہ انہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا یا جان بوجھ کر نظریں چرا رہی ہیں۔" اس نے کوفت سے سوچا۔

"ثمینہ..... ارے او..... ثمینہ۔"

"جی امی۔" امی کے پکارنے پر وہ پراگندہ خیالات کو پرے دھکیل کر پاس آئی۔

"زرینہ کا فون آیا تھا پرسوں محبت کی سالگرہ کی چھوٹی سی تقریب رکھ رہے ہیں۔ میرے تو گھٹنوں میں درد ہے، تم چلی جانا۔" امی نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہا۔

"امی میں..... نہیں امی، آپ چلتی تو میں بھی ساتھ چلی جاتی لہٰذا میرا اکیلے جانا مناسب نہیں۔" اس نے صاف انکار کردیا۔

"کیوں بیٹا، پچھلے سال بھی تو گئی تھی۔ رات بھی ادھر ہی رکی تھی تو پھر اب کیا قباحت ہے؟"

"بس اسی پہ پچھتا رہی ہوں کہ کیوں گئی اور کیوں رات رہی تھی۔" ثمینہ نے دل میں کہتے ہوئے ایک جھرجھری سی لی۔

"نہیں امی، آپ کے بغیر قطعاً نہیں جاؤں گی، آپ میری طرف سے آپا سے معذرت کرلیں۔"

"بیٹا تو کچھ چھپا تو نہیں رہی ہے ناں مجھ سے؟" ماں کے دل میں انجان سے خدشے سر ابھارنے لگے۔

"ارے نہیں پیاری امی، بس ایسے ہی آپ کو پتا تو ہے میں گیدرنگ سے زیادہ گھر پر رہنا پسند کرتی ہوں۔" اس نے ماں کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ہاں یہ تو ہے..... میری بچی نے کبھی تنگ نہیں کیا نا گھومنے پھرنے کی بے جا ضد کی۔" امی نے اس کا ماتھا چوما۔

"جی امی۔" وہ سرشاری سے بولی۔

ثمینہ جانتی تھی کہ اپنے گھر جیسی مضبوط و محفوظ پناہ گاہ اور کہیں نہیں ہے۔ اس نے گہری سانس بھری پچھلے سال کے ایک واقعے نے اس کی سوچ ہی بدل دی تھی۔

"السلام علیکم فیاض بھائی۔" ثمینہ نے غبارے سجاتے ہوئے بہنوئی کو شائستگی سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بھئی۔" غباروں کے عقب سے فیاض کا چہرہ طلوع ہوا تھا۔

"بڑے بڑے لوگ آئے ہیں آج تو۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر کرسی پہ بیٹھا اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی....." ثمینہ نے مسکرا کر دیکھا مگر نظروں کے ارتکاز سے لرز گئی تھی۔

"ارے ثمینہ تم نے تو بڑا رنگ روپ نکال لیا، میری شادی پہ تو تم نظر ہی نا آئی تھیں۔" فیاض نے بے باکی سے اس کے سراپے کا جائزہ لیا، ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں سلیقے سے دوپٹا اوڑھے ہلکے پھلکے سے میک اپ میں ثمینہ واقعی الگ سی لگ رہی تھی۔

"جی وہ کیا ہے ناں فیاض بھائی، بھائیوں کو اپنی بہنیں پیاری ہی لگا کرتی ہیں، ادھر آؤ محبت ڈیکوریشن کریں۔" وہ فیاض کو جتانے کے انداز میں کہہ کر محبت کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"رہنے دو بھئی ثمینہ، چار بہنیں پہلے ہی موجود ہیں اور ویسے بھی تم تو سالی ہو اور سالی آدھی گھر والی۔" فیاض دلیری سے کہہ کر ہنس دیا تھا۔

"جی.....؟" ثمینہ تحیر سے دیکھنے لگی، بہنوئی کے بدلتے تیور اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے۔

"مطلب کیا ہے اس بات سے آپ کا؟" ثمینہ کے چہرے کے نقوش تن گئے تھے۔

"مطلب یہ کہ تم میری پیاری بیگم کی بہن ہو اور مجھے زرینہ کی طرح ہی عزیز ہو کیوں زرینہ....." ثمینہ نے مڑ کر دیکھا اور فیاض کی چالاکی بھانپ لی تھی۔

"ہاں بالکل..... دیکھ لو ثمینہ، فیاض کتنے اچھے ہیں میرا اور میرے گھر والوں کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔" زرینہ کامدانی سوٹ پہنے نش پش کرتے میک اپ کے ساتھ تیار ہنستی مسکراتی آئی اور اس کے گلے لگ گئی تھی۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں آپا۔" وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

"رات تم ادھر ہی رہو گی ناں؟" زرینہ نے پوچھا تھا۔

"نہیں آپا، پرسوں ٹیسٹ ہے۔" وہ معذرت کرنے لگی تھی۔

"ارے پرسوں ہے ناں کل تو سنڈے ہے میں نے اسی لیے کہا ہے صبح چلی جانا۔ اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔ سلمان لینے آجائے گا صبح کال کر دینا۔" زرینہ نے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔

"کیوں فیاض....."

"بھئی ہمیں کیا اعتراض آپ کی بہن سر آنکھوں پر۔" وہ پراسراری مسکراہٹ لیے مسلسل اسے دیکھ رہا تھا اسے الجھن ہونے لگی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے..... آپا آئیں چلتے ہیں، کوئی کام ہے تو بتائیں مجھے۔" وہ فیاض کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے راہ فرار تلاش کرنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی مگر ثمینہ کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا، ثمینہ کو بہت عجیب لگ رہا تھا، وہ مسلسل فیاض بھائی کے رویے کو لے کر بے حد فکر مند اور مضطرب تھی۔ کیا فیاض بھائی مذاق کر رہے تھے اگر یہ مذاق تھا تو نہایت ہی بھونڈا مذاق تھا اور اگر یہ مذاق نہیں تھا تو انتہائی گھٹیا حرکت کے مرتکب ٹھہرے ہیں فیاض بھائی۔ "مجھے آنا ہی نہیں چاہیے تھا یہاں اور آئندہ تو کبھی بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔" اس نے دل میں عہد باندھا اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی۔

رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی ابھی اسے غنودگی میں گئے زیادہ وقت بھی نہ ہوا ہوگا کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس پہ جھکا ہوا ہے، عورت کی چھٹی حس ہمیشہ ہی اسے ایسے کسی خدشا کا احساس دلا دیتی ہے۔ اس نے جھپاک سے آنکھیں کھولیں اور گنگ رہ گئی تھی۔ وہ فیاض

بھائی ہی تھے جو دھیرے سے اس کے اوپر جھکے ہوئے تھے مگر اسے جاگتا پا کر بدک گئے اور بنا کچھ کہے دروازے سے نکل گئے۔ ثمینہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی اور اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کرنے لگی، اس نے اپنے ساتھ لیٹے ہوئے محب کو دیکھا وہ بے خبر سو رہا تھا۔ ثمینہ نے اٹھ کر دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔

"اوہ میرے اللہ میں نے اتنی غفلت اور لاپروائی کیوں برتی۔ کم از کم دروازہ لاک کر کے تو سوتی۔" وہ خود کو ملامت کرتی ہوئی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ پاس رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پی گئی تھی۔

"شکر ہے کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی نہیں تو ساری زندگی میں اپنے آپ سے آنکھ نہ ملا سکتی تھی۔ رشتوں کے تقدس کو ملیا میٹ کرنے والے لوگ، تف لعنت ہے۔" اس نے نفرت و حقارت سے سوچا اور پھر فجر کی اذان تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ رہی سہی نیند تو اڑ ہی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"ارے کہاں چل دیں ناشتہ تو کر لو۔" زرینہ نے اسے ہینڈ بیگ تھامے جانے کے لیے تیار دیکھ کر آواز لگائی تھی۔

"نہیں آپا بھوک نہیں ہے اور بس سلمان بھائی پہنچنے ہی والے ہیں۔" وہ کلائی میں بندھی گھڑی پہ طائرانہ نگاہ ڈالتی ہوئی بولی تھی۔ فیاض، محب اور زرینہ میز پہ بیٹھے ناشتے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن تھوڑا سا تو چکھ لو تمہارے بھائی اسپیشل تمہارے لیے بازار سے ناشتہ لائے ہیں۔" زرینہ نے پاس آنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بہت شکریہ آپا لیکن رات کو اتنا کچھ کھا لیا تھا اب قطعاً بھوک نہیں ہے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔" وہ جبراً مسکرائی تھی۔

"کیوں سالی صاحبہ، کوئی ناراضی ہے، رات بھی جلدی سو گئی تھیں، کوئی گپ شپ نہ کی میں محب کو دیکھنے گیا تھا لیکن دونوں خالہ بھانجا گہری نیند سو رہے تھے۔" فیاض نے گھسیانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے زرینہ کو بتایا اور پھر وہی پراسرار مسکراہٹ ثمینہ کی طرف اچھالی تھی۔

"آں اچھا....." زرینہ بھی ہنسنے لگی تھی۔ ثمینہ کے اندر ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

"لگتا ہے سلمان بھائی آ گئے میں چلتی ہوں۔" وہ بغیر کچھ کہے سنے باہر نکل گئی تھی۔

"یہ ثمینہ کو کیا ہوا؟ محبت سے بھی نہیں ملی، پہلے تو کبھی اتنے روکھے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔" زرینہ نے حیرت سے فیاض کو دیکھا تھا۔

"بھئی تم جانو، تمہاری بہن ہے مجھے کیا پتا۔" فیاض نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیئے تھے۔

❁.....❁.....❁

"دل تو چاہتا ہے آپا کو خبردار کر دوں لیکن کیا آپا میری بات کا یقین کر لیں گی اور پھر جانے کیا طوفان آ جائے۔ نہیں مجھے اس بات کا چرچا کرنے کے بجائے اسے اپنے تک محدود رکھنا ہوگا۔ رشتوں کو بچانے کے لیے رشتوں کا بھرم رکھنا ہی پڑتا ہے۔ فساد کی ایک چنگاری گھروں کے گھر اپنی لپیٹ میں لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ چشم پوشی اختیار کر کے بات کو بگڑنے سے روک دیا جائے۔ فیاض بھائی کی بدفطرتی کی سزا آپا کو نا ہی ملے تو بہتر ہے۔ ورنہ ان کا ہنستا بستا گھر اجڑ جائے گا اور بچوں کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔" وہ خیالات کے تانے بانے بن رہی تھی۔

"لیکن..... اگر نہ بتایا تو یہ تو انہیں چھوٹ دینے کے مترادف ہوگا اس طرح تو وہ شخص اور پھیل جائے گا۔ اس انسان کو یہ بھی ناخیال آیا کہ اس کی تین ماہ کی ایک بیٹی بھی ہے لیکن یہ نفس کے غلام اور پست ذہنیت کے حامل لوگ ایسا کیوں سوچنے لگیں؟ خیر مجھے انہیں اگنور کرنا ہوگا یہی بہتر ہے۔" ثمینہ نے آنکھیں موندتے ہوئے آخر حل یہی سوچا تھا۔

❁.....❁.....❁

"ثمینہ بچے..... ارے او..... ثمینہ بچہ اٹھ بیٹا۔" امی اس پہ جھکی اسے بری طرح سے جھنجھوڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا امی، اتنی اعلیٰ الصبح کیا افتاد ٹوٹ پڑی جو میرا انجر پنجر ہلا رہی ہیں۔" ثمینہ نے مندی مندی آنکھوں سے آفتاب دخیزاں ماں کو دیکھا۔

"بیٹا..... زرینہ سیڑھیوں سے گر پڑی ہے۔" اماں گلوگیر لہجے میں بولیں۔

"کیا.....! کیسے، کب؟" اس نے گھبرا کر ماں کو دیکھا اور فوراً سے بستر چھوڑا۔

"پتا نہیں بچے۔ زرینہ کی ساس کا فون آیا تھا۔ فیاض اسے ہسپتال لے گیا ہے باقی تفصیلات اسے ہی پتا ہیں۔ میرا تو جب سے دل ہول رہا ہے۔" بولتے ہوئے بھی ان کے آنسو چھلک پڑے تھے۔

"امی، آپ گھبرائیں نہیں کچھ نہیں ہوتا اللہ خیر کرے گا۔ میں ابھی کال کر کے فیاض بھائی سے پوچھتی ہوں۔"

"نہیں فون نہ کر تو ایسا کر ہسپتال چلی جا۔" اماں نے اسے کال ملاتے دیکھ کر ٹوکا۔

"امی میں....." وہ قدرے ہچکچائی۔

"ہاں بیٹا، بہن کو بھی دیکھ لینا اور اس کے بچوں کا بھی خیال رکھ لینا۔" اس کی ماں نے مزید کہا۔

"اچھا امی....." ناچار اسے ہامی بھرنا پڑی۔

❁.....❁.....❁

سلمان اسے ہسپتال لے آیا تھا، ثمینہ نے بہتیرا اسے اپنے ساتھ روکنا چاہا مگر وہ زرینہ کی طبیعت پوچھ کر وہاں سے کھسک لیا یہ کہہ کر کہ اس کا ضروری میچ ہے اور وہ اپنا میچ مس نہیں کر سکتا۔ زرینہ کے چوٹ تو ایسی کچھ خاص نہ تھی تاہم پاؤں میں موچ آ گئی تھی اور شانے پر اندرونی چوٹ آئی تھی۔

"آہ..... آں..... تو سالی صاحبہ کو بہن کا خیال آ ہی گیا۔" وہ زرینہ سے حادثے کی بابت دریافت کر رہی تھی کہ اتنے میں دواؤں کا شاپر اٹھائے فیاض چلا آیا۔

"السلام علیکم! فیاض بھائی۔" وہ منمنائی۔

"خیال تو اسے بہت ہے میرا، تب ہی تو بھاگی بھاگی چلی آئی۔" زرینہ نے پیار سے اسے دیکھا۔ وہ دانستہ خاموش رہی۔

"ہاں ایک آپ ہی کا بس خیال ہے اور تو کسی کا احساس نہیں۔" وہ ایک نظر گم صم بیٹھی ثمینہ پہ ڈال کر بولا۔

"کیا مطلب؟" دونوں بری طرح سے چونکیں۔

"مم..... میرا مطلب ہے کہ محبت اور عنایہ کتنا مس کرتے ہیں اپنی اکلوتی خالہ جان کو مگر یہ محبت کی سالگرہ کے بعد سے ان سے ملنے آئی ہی نہیں، لگتا ہے انہیں بہن کے بچوں سے پیار نہیں ہے۔" وہ ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈال کر زرینہ سے مخاطب ہوا۔

"ارے نہیں بہت پیار کرتی ہے بس پڑھائی میں مصروف رہتی ناں ہے تب ہی۔" اس سے پہلے کہ ثمینہ کچھ بولتی زرینہ نے ہنستے ہوئے ثمینہ کی طرف سے وضاحت دی۔

"ارے واقعی کبھی اپنے پیار کا اظہار اس نے کھل کر کیا نہیں ہے ناں تو میں سمجھا....." وہ بات ادھوری چھوڑ کر پراسرار مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپی میں....." ثمینہ نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"ارے مذاق کر رہے ہیں تمہارے بھائی تمہیں پتا تو ہے ان کی عادت کا۔" زرینہ کو نروس ہوتی بہن پہ ترس آیا تو جھٹ سے بولی۔

"تمہارے بھائی کیا؟ تمہارے بہنوئی کہو ناں۔" فیاض بے ڈھنگے انداز سے ہنسا۔

"پھر مذاق۔" زرینہ نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"اچھا بابا نہیں کرتا۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

"آپ بھی ناں....." زرینہ نے مسکرا کر پہلے فیاض کو دیکھا اور پھر ثمینہ کو اور ثمینہ ناچاہتے ہوئے بھی ہلکا سا مسکرا دی تھی۔

❁.....❁.....❁

دو دن بہ مشکل اس نے بہن کے گھر گزارے..... فیاض کے قدم قدم پر عامیانہ مذاق اور ذومعنی فقروں اور

جملوں نے اسے عاجز کردیا تھا۔ وہ جہاں اسے اکیلا پاتا حیلے بہانے سے اس کے پاس آ کر اس سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا اور ذومعنی جملے کستا۔ اس کی موجودگی ثمینہ کو بری طرح کھلتی، وہ اس کے وجود سے گھن اور خوف کھانے لگی تھی۔ پہلے تو وہ کنی کترا کر نکل جاتی تھی گھر آ جاتی تھی لیکن اس ڈھیٹ ابن ڈھیٹ کو ڈھٹائی پہ ڈٹا دیکھ کر اس نے دوٹوک لہجہ اپنالیا۔ آخر کب تک وہ یوں ذہنی طور پر ہراساں ہوتی۔

❁.....❁.....❁

"کیا کررہی ہو حسین لڑکی؟" وہ اپنے دھیان میں محب اور عنایہ کے لیے دودھ میں چینی گھول رہی تھی کہ فیاض کی آواز نے اس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑادی۔ اس نے اپنے خوف پہ قابو پایا اور ہمت مجتمع کرکے مڑ کر اسے دیکھا۔

"دیکھیے..... فیاض بھائی، آپ میری بہن کے شوہر ہیں اس حوالے سے میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں لہٰذا آپ بھی اس بات کو ذہن نشین کرلیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم عزت نہ کرو بلکہ تم مجھ سے پیار کرو۔" وہ ایک دم اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر خباثت سے بولا۔

"فیاض بھائی....." اس نے تیزی سے ہاتھ چھڑایا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پہ رسید کردیا۔

"دوبارہ ایسی حرکت نہیں....." وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتے ہوئے بولی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"دیکھ لوں گا تجھے سالی صاحبہ، اس تھپڑ کی بہت بھاری قیمت چکانی پڑے گی تمہیں۔" فیاض اس اچانک رونما ہونے والے حادثے پر دنگ رہ گیا کہ اس سہمی سی لڑکی میں اتنی ہمت کیسے آئی..... وہ ابھی تک اپنے گال پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا پھر انتقامی کارروائی کے ارادے سے سوچتا ہوا باہر نکل گیا۔

❁.....❁.....❁

وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی اور چٹخنی لگادی، اس کا جسم سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، اسے فیاض کی اس گھناؤنی حرکت پر سخت طیش آرہا تھا، اس کی سانسیں بھی تیز تیز چل رہی تھیں، اس نے اپنے آپ کو سوجب اس نے زرینہ کے گھر آنے کی ہامی بھری تھی۔ کچھ وقت لگا اسے اس سانحے سے سنبھلنے کے لیے اس کی سانس بحال ہوئی اس نے دیکھا بچے دونوں سو چکے تھے۔ وہ ان دونوں کے درمیان لیٹ گئی اور دونوں کو سینے سے چمٹالیا۔ تب جا کر اس کا خوف قدرے زائل ہوا۔ اسے اپنے ہاتھ سے گھن سی محسوس ہورہی تھی جس پہ ابھی بھی وہ مکروہ لمس کا احساس تازہ تھا۔ اس نے خوف سے ایک جھرجھری لی اور ایک بار پھر دل میں تہیہ کرلیا کہ اب تو ہرگز ہرگز وہ اس گھر کا رخ نہیں کرے گی چاہے کچھ بھی ہوجائے۔

"آپا کو اگر میں فیاض بھائی کی حرکت کے بارے میں بتاؤں گی تو وہ میری بات کا کبھی بھی یقین نہیں کریں گی اپنے مجازی خدا پہ اندھا اعتماد جو ہے تو پھر مجھے آپا سے فاصلے پیدا کرنے ہوں گے۔" وہ بے بسی سے سوچتی ہوئی جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

اس نے آن کال ٹیکسی کی ایپ ڈاون لوڈ کی اور کال کرکے لوکیشن سینڈ کردی اب وہ بے تابی سے گاڑی کا انتظار کررہی تھی۔ وہ کسی بھی صورت فیاض کا سامنا کرنے کے حق میں نہیں تھی، اس نے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر دروازہ آہستگی سے بند کیا اور چادر لپیٹ کر باہر نکل آئی۔ فیاض کے آفس جانے کے وقت سے پہلے ہی وہ یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی اس لیے جیسے ہی اس کی مطلوبہ گاڑی دروازے تک پہنچی وہ بہن کے موبائل پہ میسج چھوڑتی ہوئی باہر نکلی اور دروازہ بھیڑ کر اللہ کا نام لے کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے وہ کبھی یوں اکیلی زرینہ کے گھر سے نا نکلی تھی۔ پہلی بار اتنی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتی ہوئی وہ ٹیکسی میں ایک اجنبی کے ساتھ جارہی تھی لیکن فیاض کی نسبت اسے یہ ٹیکسی والا بے ضرر

ہی لگا جو اپنے دھیان میں گاڑی چلا رہا تھا۔

اس نے اپنا اعتماد بحال کیا اور موبائل کھول کر بلاوجہ مصروف ہوگئی۔ انسان بھی نا بے تکی سوچوں کو منتشر کرنے کے لیے اوٹ پٹانگ کاموں میں لگ جاتا ہے۔ وہ بھی ٹک ٹاک دیکھنے میں مگن ہوگئی کہ یہاں تک کہ اس کی مضبوط پناہ گاہ اس کی منزل مقصود اس کا گھر آ گیا تھا۔ وہ کرایہ دے کر نیچے اتری اور ڈور بیل پہ انگلی رکھ دی تھی۔

❁.....❁.....❁

"حد کرتی ہو تم بھی کیا ایسی آفت ٹوٹ پڑی تھی کہ یوں صبح سویرے ہی بنا اطلاع کیے بھاگی چلی آئیں۔" اماں نے آتے ہی اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"اماں..... میرا دل نہیں لگ رہا تھا وہاں آپ کے بغیر اور رات بھی نیند نہیں آ رہی تھی تو بس پھر میں آ گئی۔" وہ مری مری آواز سے بولی۔

"ہائے میری بچی، ادھر آ اور میرے تیرا بغیر کہیں دل نہیں لگتا۔ ماں صدقے جائے۔" امی کا دل اس کے جملوں پہ پسیج گیا وہ جھٹ پٹ اس کی بلائیں لینے لگیں اور ثمینہ طمانیت سے مسکرا دی۔

"امی، اچھی سی چائے بنالوں ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر پوچھنے لگی۔

"ہاں ہاں بنا لے ساتھ میں سلمان کا پراٹھا بھی پکا کر رکھ دینا۔ رات تاکید کر کے سویا تھا کہ صبح رات کے سالن کے ساتھ کھائے گا۔" امی نے اسے باورچی خانے میں جاتے دیکھ کر کہا۔

"جی امی، ابھی پکا کر لائی۔" وہ ذرا سا کھلکھلائی۔

"اری سن تو....." امی نے اسے جاتے جاتے پھر پکارا۔

"جی امی۔" وہ تیزی سے مڑی۔

"زرینہ کو بتا آئی تھی ناں؟"

"جی جی امی، آپا کو بتا کر ہی آئی تھی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا اور سرعت سے قدم آگے بڑھا دیے۔ مبادا پھر سے کچھ اور پوچھ گچھ کا سلسلہ طوالت نہ پکڑ لے۔

❁.....❁.....❁

"زرینہ میری بچی تو کب آئی۔" امی نماز پڑھ کے سلام پھیر کے اٹھیں تو دائیں طرف خاموش بیٹھی زرینہ پہ نگاہ پڑی تو دل بہ یک وقت خوشی اور فکر سے بھر گیا۔

"جی اماں، بس کچھ ہی دیر پہلے۔ ثمینہ نے تو دروازہ کھولا تھا۔" زرینہ کے چہرے کی رنگت زردی مائل سی ہو رہی تھی۔

"اکیلی آئی ہے کیا؟"

"نہیں فیاض چھوڑ کر گئے ہیں۔ بچے سلمان کے ساتھ باہر کھیل رہے ہیں۔" وہ بے جان سے لہجے میں بولی۔

"اور فیاض اندر کیوں نہیں آیا۔" اماں نے تسبیح اٹھا کر سوالیہ نگاہ ڈالی۔ اتنے میں ثمینہ بھی اندر چلی آئی۔

"وہ....." زرینہ کچھ کہہ بھی نا پائی تھی کہ امی شروع ہوگئیں۔

"اے لڑکی یقیناً تو نے ہی کچھ الٹی سیدھی بات کہی ہوگی جو گھر کا جمائی یوں باہر سے ہی لوٹ گیا۔" امی غصیلی نگاہ ثمینہ پر ڈال کر کہنے لگیں۔

"نہیں تو امی میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" ثمینہ نے کمزور آواز میں اپنا دفاع کرنا چاہا۔

امی تو امی اب تو زرینہ بھی شروع ہونے والی تھی اور لگتا تھا اس دن کی بات بھی آج امی کے سامنے کھلنے والی تھی اسے اپنی آنکھوں کے گرد تارے چاند سیارے سب نظر آنے لگے۔

"میں چائے لائی۔" وہ ان دونوں کے غصے سے بچنے کے لیے باورچی خانے کی طرف چل دی۔

"امی..... پلیز ثمینہ کو کچھ نہ کہیے۔" اس کی سماعتوں میں ناقابل یقین الفاظ پڑے۔

"یہ مجھ سے ہمیشہ نالاں رہنے والی آپا کو آج کیا ہوا؟ آج تو تیور ہی بدلے بدلے سے ہیں، اللہ خیر کرے۔" وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔

"ارے بچی، تم معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھتی ناں یہ جو بیاہی بیٹیوں سے جڑے رشتے ہوتے ہیں انہیں لگاوٹ کی ڈوری سے باندھے رکھنا پڑتا ہے۔ بیٹیاں جو بیسانی ہوتی ہیں تب ہی تو بیٹیاں اپنے گھروں میں آباد رہ سکتی ہیں یہ ہم بیٹی والوں کی مجبوری کہہ لو یا زبردستی مسلط کیا گیا فرض تب ہی تو سمدھیانے کی جائز ناجائز سننی پڑتی ہیں۔" امی نے آہ بھر کر کہا۔

"امی..... وہ تو ٹھیک ہے لیکن صرف سننی ہی چاہیے جائز مگر ناجائز ماننی نہیں چاہیے۔" زرینہ ٹوٹی بکھری سی بولی۔

"کیا بات ہے بچے تو کچھ پریشان لگ رہی ہے خیر تو ہے ناں؟" امی نے چونک کر بغور زرینہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔

"ہاں امی، سب ٹھیک ہے بس آنکھوں سے اندھے اعتماد کی پٹی اتر گئی ہے اور جو مان تھا وہ سب بھربھری ریت ثابت ہوا۔" وہ یاسیت زدہ لہجے میں بولی۔

"کیا ہوا میری بچی؟" امی کے ماتھے پر تفکر کی لکیر ابھری۔

"امی فیاض..... جس کی شرافت کے میں گن گاتی تھی، جس کی ذات پہ مجھے اندھا اعتماد تھا، جس کے لیے میں اپنی معصوم بہن کی ہتک کر جاتی تھی، ہاں اسی نے میرا مان مٹی میں ملا کر خس و خاشاک کر دیا ہے۔" ثمینہ ان کی بات سن کر اپنی جگہ جم سی گئی۔

"یہ آپا آج کیسی باتیں کر رہی ہیں، اللہ خیر کرے، ہوا کیا ہے؟" وہ متجسس سی کان لگائے جی جان سے متوجہ ہوئی۔

"امی، مرد ذات پہ اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی اندھے کنویں میں آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگا دینا۔"

"لیکن ہوا کیا ہے صاف بتاؤ؟"

"میں نے ایک ضرورت مند لڑکی جو تعلیم یافتہ تھی کو بچوں کی ٹیوٹر رکھ لیا تھا۔ لڑکی شکل و صورت کی اچھی تھی۔ بچوں کو اچھا پڑھا رہی تھی لیکن کل میں بازار سے لوٹی تو

naeyufaq.com
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
سانسوں کے اس سفر میں
اکائی
ہمارا آنچل
Info@naeyufaq.com
(03008264242)

بچوں کو باہر لان میں کھیلتے ہوئے پایا میں اس بات پہ متعجب ہوئی کہ بچے پڑھائی کے وقت پہ باہر کھیل کیوں رہے ہیں، میں نے دیبا کی کلاس لینے کا فیصلہ کیا اور قدم اندر بڑھائے ہی تھی کہ ہنسی کی جھنکار پہ میں نے چونک کر دیکھا یہ آواز مجھے دیبا کی لگی۔ میں دبے قدموں بچوں کے روم کی طرف بڑھی اور آہستگی سے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا۔ فیاض اور دیبا ساتھ ساتھ جڑ کے بیٹھے تھے اور فیاض کے ہاتھ بے باکی سے دیبا کے بدن کے ممنوعہ حصوں کی گردش میں تھے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دھیمی سی سرگوشیوں سے اس کے کانوں کو پگھلا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہ بھی اس خود سپردگی کے کھیل کو پسند کر رہی ہے اور اسے کوئی اعتراض نہیں..... فیاض نے دیبا کے لبوں کو انگلی سے چھوا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی جسارت کرتا میں چیخ پڑی تھی۔ وہ دونوں مجھے سامنے پا کر گھبرا کر کھڑے ہو گئے میں فیاض کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے دیبا سے مخاطب ہوئی تھی۔"

"کیا تمہیں میں نے اس لیے رکھا تھا کہ تم بچوں کو پڑھانے کی بجائے انہیں باہر چلتا کر کے میرے شوہر سے دادِ عیش لو۔" میں خونخوار نظروں سے دیبا کو دیکھ رہی تھی اور فیاض کھسیانا سا ہو کر کافی پیچھے کھڑا تھا، میں نے دیبا کو بالوں سے پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لائی۔

"میری بات سنو....." فیاض ہکلایا۔ دیبا نے معافیاں تلافیاں شروع کر دیں تھیں۔

"یہ پکڑو اپنے پیسے جتنے دن پڑھایا اور دفع ہو جاؤ یہاں سے آئندہ مجھے تم کہیں آس پاس بھی دکھائی دیں تو انجام اچھا نہیں ہوگا۔" وہ گم صم کھڑی تھی۔

"اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو چلتی بنو۔" میں غصے اور حقارت سے تھوک نگل کر بولی۔

دیبا نے پیسے پکڑے بنا تقریباً دوڑتے ہوئے گیٹ پار کیا۔ اس دوران میں نے ایک بار بھی فیاض کی طرف نگاہ نہ کی تھی اسے یکسر نظر انداز کیے میں دیبا کو بے بھاؤ سنا رہی تھی اور فیاض دیبا کی درگت بنتے دیکھ کر کب وہاں سے رفو چکر ہوا مجھے کچھ خبر نہیں۔ میں سر تھام کر صوفے پہ بیٹھ گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔

"اب میں یہاں ایک پل بھی نہیں رکوں گی مجھے جانا ہوگا۔" میں آنسو پونچھتی ہوئی خود سے بولی۔

"ماما....." دونوں بچوں کی آواز پہ سر اٹھا کر دیکھا اور اپنے ارادے کو کمزور ہوتے دیکھ کر میں دل شکستہ سی پھر سے ڈھے گئی۔

"امی ایسا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا، آنکھوں دیکھی مکھی نگلنا کون چاہتا ہے لیکن گھر بنانے اور بچانے کے لیے مصلحتوں کا دامن تھام لینا ہی بہتر تھا۔ اس لیے میں نے بھی یہی کیا....." وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"بیٹا..... مرد تو ہوتا ہی سرہانے کا سانپ ہے، اس سے کیا بعید کسی وقت بھی ڈس جائے۔" امی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن تم نے اچھا فیصلہ کیا۔" انہوں نے مزید کہا۔

"اور امی مجھے ثمینہ پہ فخر ہے آخر کوئی تو ایسی بات محسوس کی تھی جو ایسی احتیاط پسندی اختیار کر کے دامن بچاتی رہی۔" ثمینہ دل ہی دل میں اپنے محتاط ہونے اور آپا کے دل میں چھائی بدگمانی ختم ہونے پر اور ساتھ ساتھ فیاض بھائی کی مکروہ شکل سامنے آنے پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔ اس کے گریز اور احتیاط نے اسے بہت ساری مشکلوں سے بچا لیا تھا اور بہن کی آنکھوں پہ بندھی اعتبار کی پٹی بھی کھل دی تھی۔

سعید

www.naeyufaq.com

سفید پھولوں سی ایک دعا

نزہت جبین ضیاء

"اماں..... اماں یہ سب کیا ہوگیا؟ کیسا میرا ہنستا بستا آشیانہ اجڑ گیا، دیکھ..... دیکھ میں تو دیاہ کے لیے کیا کیا لایا تھا۔" اس نے بیگ کھولا۔ ستارہ کے لیے لال لہنگا، جھمکے، پراندہ، چنری، چوڑیاں، گل بینا کے لیے چمک دار کپڑے، عطر، مہندی اور گولڈن چوڑیاں، نیل پالش، لپ اسٹک وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک چیز نکال کر زمین پر پھینک رہا تھا، شدت غم سے نڈھال ہورہا تھا۔ صغریٰ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا۔ صغراں کی حالت بھی بری تھی۔ وہ کئی دن سے یہ غم سہتی آرہی تھی، آج بیٹے کو دیکھ کر پھر سے سب کچھ تازہ ہوگیا تھا۔ صغراں کی گود میں منہ چھپا کر شہزاد بچوں کی طرح بلک بلک کر رودیا، سب کچھ ختم ہوگیا تھا، سارے سپنے بکھر گئے تھے، گل بینا سے ملنے کی تڑپ ہنوز برقرار تھی، شہزاد کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی، جہاں گل بینا بچھڑ گئی تھی وہیں ہرنی جیسی بہنا خاموش لاش کی صورت سامنے پڑی تھی، سامنے زمین پر شہزاد جو سامان شہر سے لایا تھا وہ بکھرا پڑا تھا، ایک ایک چیز خریدتے وقت شہزاد کو گاؤں کی یاد آئی تھی۔ یہ چیز دیکھ کر اماں خوش ہوگی، یہ دیکھ کر گل بینا اور ستارہ تو یہ لہنگا دیکھ کر ناچنے لگے گی فوراً اپنی سہیلیوں کو دکھانے کے لیے بھاگے گی مگر یہاں تو سب کچھ بکھر گیا تھا، سب کچھ ختم ہوگیا تھا اور گل بینا کا غائب ہوجانا سب سے زیادہ تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا۔ وہ مرجاتی تو لی ہوجاتی مگر وہ کہاں ہوگی، کس حال میں ہوگی؟ یہ سوال ننگی تلوار بن کر شہزاد کے سر پر لٹک رہی تھی، یہی سوچ اس کو پاگل کررہی تھی۔

"اماں..... چل اماں، ہم ایک پل بھی یہاں نہیں رکیں گے اس گاؤں میں، یہ قاتل گاؤں ہے اماں، میری بہنا کو کھا گیا، میری بہنا کو....." وہ صغراں سے دوبارہ لپٹ کر رونے لگا۔ صغراں کی خود عجیب حالت تھی، شہزاد دونوں ہاتھوں سے

سامان سمیٹنے لگا۔

"ماں میں نے اب یہاں نہیں رکنا۔"

"زرا دم تو لے لے پتر، شام ڈھلنے لگی ہے، ابھی کیسے جائیں گے؟ گھر سمیٹنا اتنا آسان نہیں ہے، سالوں سے سجا کر رکھا ہے اس کو۔" صغراں کا لہجہ بے بسی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"تو ماسی بختاں اور اپنے ماسا کی قبر پر فاتحہ تو پڑھ لے پتر وہ انتظار میں ہوں گے۔" صغراں کی بات پر شہزاد نے زخمی نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اٹھ کر وضو کیا اور تیز تیز قدموں سے قبرستان کی طرف چل دیا۔

حسب معمول شام کا وقت، جمال دین کچھ دیر حمید کی قبر پر جا کر بیٹھا فاتحہ پڑھتا اور اس سے باتیں کرتا رہا پھر لوٹ آیا..... یہ وقت وہ روزانہ حمید کے ساتھ اس کے چھوٹے سے کچے آنگن میں بیٹھ کر چائے پیتا تھا..... پندرہ بیس منٹ، بختاں، گل بینا اور حمید کے ساتھ گزارتا، آج تک بھی شام کو وہ نادانستہ طور پر حمید کے پاس آجاتا تب اسے کچھ سکون ملتا اب بھی وہ آنکھیں پونچھتا ہوا قبرستان سے باہر نکل رہا تھا کہ سامنے سے شہزاد آتا ہوا نظر آیا۔

"اوئے پتر شہزادتو..... تو کب آیا؟" سامنے شہزاد کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ بے اختیار اس کی جانب بڑھا، بانہیں پھیلائیں شہزاد کے چوڑے بازوؤں میں سما کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"یہ سب کیا ہو گیا کاکا؟ میں تو سب کو ہنستا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔" شہزاد نے روتے ہوئے کہا۔

"بس پتر..... رب کی مرضی پر اللہ نے ملکوں کو خوب سزا دی ہے..... میں نے تو بہت کوشش کی پتر کہ وہ لوگ یہاں سے نکل جائیں مگر رب کی مرضی نہ تھی۔" جمال دین آنکھیں صاف کرتا ہوا بولا۔ شہزاد نے رومال سے منہ پونچھا اور فاتحہ پڑھنے لگا۔

دو دن بہ مشکل شہزاد نے کانٹوں پر گزارے، وہ فوراً شہر واپس جانا چاہتا تھا کیا کرتا یہاں رہ کر شہر میں شاید گل بینا نظر آجائے، یہ امید تھی، جانے سے پہلے وہ جمال دین سے ملنے آیا تھا۔

"جمالے کاکا تو بھی ہمارے ساتھ شہر چل..... یہاں اکیلا رہ کر کیا کرے گا؟"

"نہ پتر میں بوڑھا وہاں جا کر کیا کروں گا؟ میرے باپ دادا، ماں باپ میرا اور حمید سب یہاں دفن ہیں، میں ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا، روز شام کو میرا یار میرا انتظار کرتا ہے، وہ چائے نہیں پیتا میرے بنا، میں اس کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا تو جا پتر، تجھے بہت سارا جینا ہے، تجھے گل بینا کو ڈھونڈنا ہے، رب تیری مدد کرے، میں یہاں بیٹھ کر تیرے اور گل بینا کے واسطے اور اپنی ستارہ کے واسطے بہت دعا کروں گا..... اللہ پاک تم سب کو بامراد کرے، میں تو اپنی جند جی لیا جو تھوڑے بہت دن بچی ہیں بس اپنی مٹی کے سنگ جی لوں گا، تو جا پتر اپنی ماں، بہن کا خیال رکھنا اور گل بینا مل جائے تو اپنے کاکے کو ضرور خبر دینا۔"

جمال دین نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیمے لہجے میں کہا تو شہزاد ہونٹ کاٹ کر سر ہلانے لگا۔

"اللہ پاک تیری زبان مبارک کرے کاکا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا، جاتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے حمید کے چھوٹے سے گھر کے سامنے ٹھہرا تھا، کیسا اجاڑ، ویران پڑا تھا، وحشت ٹپک رہی تھی، کبھی یہ گھر یہ چھوٹا سا آنگن آباد تھا..... گل بینا کی ہنسی کی آواز گونجا کرتی تھی اور آج یہاں وحشت برس رہی تھی۔ دروازہ پر پڑا کاٹن کا ملگجا سا پردہ اور جب وہ چھٹی پر آتا تو اس ملگجے سے پردے کے پیچھے سے گل بینا کا بے تاب چہرہ نظر آتا، وہ اس وقت شہزاد کی منتظر ہوتی، نہ جانے کیسے اسے خبر ہو جاتی کہ وہ جو کبھی بھی دروازہ کھولنے بھی نہیں آتی، چاہے حمید بھی آیا ہو مگر بختاں اسے سختی سے منع کرتی کہ دروازے پر مت آنا مگر یہ گل بینا کی وارفتگی تھی، اس کی دیوانگی اور شہزاد سے دل کا ایسا سچا رشتہ تھا کہ شہزاد گلی میں داخل ہوتا اور ادھر گل بینا سر پر چنری ڈالے پردے کے پیچھے آ کھڑی ہوتی، جیسے جیسے شہزاد کے قدم گھر کی جانب آتے جاتے ویسے ویسے گل بینا کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگتی اور عین اس وقت جب شہزاد دروازے پر آتا تو گل بینا کا بے تاب چہرہ پردے کی اوٹ سے نکل آتا۔

"ہائے میری جند جان، لگتا ہے بادلوں کے پیچھے سے

چاند نکل آیا ہو..... گل مینے تجھے کیسے خبر ہوتی ہے کہ میں آیا ہوں۔" شہزاد بے تابی سے آگے بڑھ کر اس کے خوب صورت چہرے کو نگاہوں کے حصار میں لے کر سوال کرتا۔

"دل کہتا ہے میرا..... پگلے تو نہیں جانتا یہ دل ہے ناں اسے ساری خبریں ہوتی ہیں اور تو..... تو میرے دل میں رہتا ہے، مجھے کیسے خبر نہ ہوگی۔" گل مینا اپنی حسین آنکھیں پھیلا کر اتراتی۔

"ہائے بچی..... ایسے نہ دیکھا کر ظالما دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔" شہزاد آنکھوں میں خمار لیے اس کی جانب جھکتا اور وہ بے خود ہونے لگتی۔

"اوئے میںنے، بس اندر آجا کواڑ سے ہٹ جا۔" تب ہی اندر سے بختاں کی آواز آتی اور دونوں چونک جاتے۔

"آئی اماں۔" گل مینا جھینپ جاتی۔ شہزاد کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ آجاتی، وہ اچانک چونک گیا۔ پاس سے تیزی سے بلی بھاگی تھی آنکھیں جھپک کر دیکھا وہ دروازہ ویران تھا نہ وہ مسکراہٹیں تھیں نہ وہ والہانہ پن ہر چیز پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔

کہتے ہیں جب انسان اندر سے دکھی ہو تو ہر شے دکھی دکھائی دیتی ہے، ادھر تو شہزاد پر اچانک اتنی بڑی قیامت ٹوٹ پڑی تھی کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ گاؤں جائے گا تو یہ قیامت اس کی منتظر ہوگی۔ مختصر سامان کے ساتھ وہ اماں اور ستارہ کو لے کر شہر آ گیا تھا۔ ویسے بھی شہر میں اس نے دو کمروں کے چھوٹے سے گھر کی بات کر رکھی تھی۔ صغراں گاؤں چھوڑتے وقت بہت اداس تھی، یہیں بچپن گزارا، شادی ہوئی، بچے ہوئے، خاوند فوت ہوا، اچھے برے دن، سب اس گاؤں سے جڑے تھے۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا یوں ایک دن گاؤں چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ حالات ایسے بھی ہوں گے، تقدیر یہ وقت بھی دکھائے گی، ستارہ کو دیکھ دیکھ کر صغراں ویسے ہی ادھ مری ہو جاتی تھی۔

❁.....❁.....❁

شریفاں گل مینا کا خیال بالکل اپنی بیٹی کی طرح رکھتی تھی، اس کی ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتی، وہ اداس ہوتی تو اس کو بہلانے کے لیے پرانے قصے سنانے لگتی، گل مینا بھی شریفاں سے محبت کرنے لگی تھی، آج کل کے مادہ پرست دور میں جہاں سگے رشتے بھی اپنے نہیں ہوتے یوں کسی غیر کو جگہ دینا، عزت اور رشتہ دینا بہت بڑی بات تھی، اس ہی بات کو لے کر گل مینا بشیر اور شریفاں کی بالکل ماں باپ کی طرح عزت کرتی، ان کا خیال رکھتی، موسم سرد ہو یا گرم، حالات اچھے ہوں یا برے، انسان دکھی ہو یا خوش، ہر کوئی وقت کا تابعدار ہوتا ہے، وقت کو کسی سے مطلب نہ واسطہ ہوتا ہے، وہ تو اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا چلا جاتا ہے، وقت تھا کہ گزرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر روز نئی امید اور آس کے ساتھ گل مینا نکلتی کہ شاید کہیں، کسی موڑ پر شہزاد کی جھلک نظر آجائے مگر وہ کہیں نظر نہ آتا۔ گل مینا اب یہاں کے ماحول میں ڈھل چکی تھی، آس پاس کے لوگ بھی آتے جاتے رہتے، کبھی کوئی آتا تو کبھی کوئی جاتا ان لوگوں کا کام ہی جگہ جگہ پڑاؤ ڈالنا تھا..... ایک بشیر اور شریفاں ہی تھے جو موقع سے فائدہ اٹھا کر یہیں جمے رہ گئے تھے۔

"گل مینا، ایک بات بولوں؟" ایک روز پنکھے بناتے ہوئے شریفاں نے گل مینا کو مخاطب کیا۔

"بول اماں..... بھلا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" گل مینا نے کاغذ پر لئی لگاتے ہوئے نگاہ اوپر اٹھائی۔

"دیکھ کڑیے، تیرا بابا کہہ رہا تھا کہ ہم کب تک یوں ہی بیٹھے رہیں گے..... پتری وہ چاہتا ہے کہ تیرا نکاح پڑھا دے..... اس کے ساتھ کھلونے بیچنے کے واسطے آبادی کی پرلی طرف سے ایک لڑکا آتا ہے، بشیر ابتا رہا تھا بہت نیک اور شریف لڑکا ہے وہ..... اس کو تیرے واسطے پسند کر لیا ہے اور اس سے بات بھی کر لی ہے تیرے بابا نے۔"

"نہیں..... اماں نہیں۔" شریفاں کی بات پر گل مینا تڑپ کر جلدی سے بولی۔ "میں شادی نہیں کروں گی اماں..... میں شہزاد کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی، بچپن سے آج تک صرف، صرف شہزاد کے لیے سوچا ہے، اس کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور میں یہ قسمیں تو نہیں توڑ سکتی، میں نے شادی کے لیے سوچنا بھی نہیں، ساری عمر شہزاد

کی تلاش میں گزاردوں گی اگر نصیب میں ہوگا تو مل جائے گا اور نہیں تو اسی کا نام لیتے لیتے مرجاؤں گی۔" اس کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

"تو نادان ہے کڑیے، میرا بابا بشیر کا دم کب تلک تیرے ساتھ رہے گا..... کل کو ہم مرکھپ جائیں گے، حکومت نے یہاں سے اٹھادیا تو، تو جوان جہان خوب صورت، کہاں ماری ماری پھرے گی؟ کیسے جیے گی اس دنیا میں کلی یہ بھی تو سوچ ذرا۔"

"اماں ایسے نہ بول..... رب سائیں تجھے اور بابا کو سلامت رکھے، بس اس کا آسرا ہے مجھے..... آگے کا رب مالک ہے، میں اپنی کوشش کروں گی، مجھے یقین ہے اماں کہ مجھے، مجھے میرا شہزاد ضرور ملے گا، وہ یہیں کہیں ہوگا، میں تو اس کی خوشبو کو دور سے جان لیتی تھی..... وہ گاؤں کی کچی سڑک پر قدم رکھتا اور میں اس کے قدموں کی دھمک اپنے دل پر محسوس کرلیتی تھی، وہ ملے گا اماں..... وہ بھی میری تلاش میں ہوگا۔"

آج گل مینا کے لہجے میں ناامیدی، یاسیت نہ تھی بلکہ یقین تھا، بھرم تھا، اس کے چہرے پر آس وامید تھی۔

"رب سائیں تیری مراد پوری کرے مینا۔" شریفاں نے ٹھنڈی سانس بھر کر دعا کی۔ موسم بدلتے رہے، وقت چلتا رہا مگر امید، آس نہ ٹوٹی تھی، سردیاں اپنے عروج پر تھیں۔ شریفاں کو ہلکا بخار ہوگیا تھا۔ اس روز بشیر نے شریفاں کو کام پر جانے سے منع کردیا تھا کہ صبح صبح نکل کر جانے سے طبیعت زیادہ خراب ہوجائے گی، سخت سردی اوپر سے صبح سے آسمان پر کالے سیاہ بادل منڈلانے لگے تھے۔ گل مینا نے ہی صبح چائے بنائی تھی، پہلے بشیر کو ناشتہ کروایا، بشیر ناشتہ کرکے سامان سمیٹ کر چلا گیا تو گل مینا نے شریفاں کو چائے پاپے لاکر دیئے اور ساتھ ہی بخار کی گولی جو شام کو بشیر لیتا آیا تھا وہ بھی کھلا دی، ناشتہ کے بعد گولی کھا کر شریفاں تھوڑی دیر سوگئی تو بخار اتر گیا تھا۔ وہ بہتر محسوس کررہی تھی۔ گل مینا نے چھوٹے سے صحن میں دری بچھادی تھی ہلکی سی دھوپ نکلی تو شریفاں دھوپ میں آکر بیٹھ گئی۔ گل مینا اس کے پاس بیٹھ کر آلو چھیلنے لگی۔ آلو چھیلتے چھیلتے اس کو آج شدت سے شہزاد کی یاد آرہی تھی، اس کو آلو کے پراٹھے بہت پسند تھے جب بھی آتا تو گڑ والی چائے اور آلو کے پراٹھے ضرور بنواتا۔

"ایک بات بولوں مینے۔" ایک بار شہزاد نے پوچھا تھا۔

"بول۔" اس نے آلو چھیلتے چھیلتے نگاہ اٹھائی تھی۔

"سوچ رہا ہوں شادی کے بعد آلو بیچنے لگوں۔" شہزاد کی بات گل مینا کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"مطلب؟" اس نے بڑی بڑی آنکھیں گھمائیں۔

"مطلب یہ کہ شادی کے بعد تیرے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے، آلو کی بھجیا، آلو کا بھرتہ ہی تو کھاؤں گا ساری عمر۔" شہزاد کی بات پر وہ زور سے ہنس دی تھی۔

"کیا ہوا گل مینا؟" شریفاں اس کو ہنستا دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔ اماں کی آواز پر وہ چونکی۔

"کچھ نہیں اماں کچھ یاد آ گیا تھا۔" ٹھنڈی سانس لے کر ٹوکری سنبھال کر اٹھ گئی۔

"یہ یادیں تو زندگی کا سہارا ہیں۔" وہ دل میں سوچنے لگی۔

دوپہر ڈھلی کہ اچانک بادل گرجنے لگے ساتھ ہی بارش بھی شروع ہوگئی۔

"ہائے ربا رحم کرنا۔" شریفاں نے چھت کی طرف دیکھا، پچھلی بارشوں میں خوب اودھم مچایا تھا اس کے بعد بشیر نے چھت پر موٹا پلاسٹک باندھ دیا تھا، ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں، بارش اور دن میں بجلی کی چمک نے ماحول میں خوف پیدا کردیا تھا، شریفاں بشیر کو لے کر پریشان تھی۔ اتنا لمبا راستہ پیدل طے کرکے آنا تھا، یخ بستہ ہوائیں اور بارش میں وہ پریشان ہورہا ہوگا۔

"ہائے ربا خیر سے واپس لاوے۔" دونوں بے حد پریشان تھیں صحن میں پانی بھر چکا تھا۔ چولہے کے پاس رکھے برتن بھی گل مینا چھوٹے سے کمرے میں لے آئی شکر ہے کمرے میں پانی نہیں آیا تھا۔ گل مینا نے شریفاں کو پلنگ پر لٹا کر رضائی اوڑھادی تھی کہ بخار پھر سے نہ ہوجائے، سہ پہر ڈھلی تو بارش رک گئی تھی۔ موسم کھل گیا تھا مگر ٹھنڈ اور ہوائیں ہنوز ویسی ہی تھیں۔ تب ہی باہر رکشے کی آواز آئی۔

"رکشے میں کون آیا ہوگا؟" گل مینا نے کہا۔

"لگتا ہے ہمارے گھر کے آگے رکا ہے، میں دیکھتی ہوں۔" شریفاں اٹھنے لگی۔

"نہ..... نہ اماں تو مت نکل میں جاتی ہوں۔" گل بینا نے پرانی سی شال اچھی طرح سے لپیٹی منہ پر چادر کو سر سے لے کر اچھی طرح سے باندھا اور باہر کی طرف آئی..... رکشے سے کوئی بشیر کو سہارا دے کر اتار رہا تھا۔

"ہائے کیا ہوا بابا؟" وہ بے ساختہ آگے بڑھی۔

"یہ چاچا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی شاید بخار ہوگیا ہے..... میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں۔ دوا دلوا کر لایا ہوں اس کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔" اجنبی نوجوان نے سہارا دے کر اتارتے ہوئے کہا۔

"ہائے اللہ....." گل بینا نے آگے بڑھ کر بشیر کو سہارا دیا۔

"اب بشیر چاچا کو آرام کروانا، ڈاکٹر نے آرام کا بولا ہے اور کل ڈاکٹر کے پاس لے کر بھی جانا ہے۔" نوجوان نے دواؤں کا شاپر آگے بڑھایا اور گل بینا نے تھام لیا۔

"اچھا چاچا میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔" نوجوان نے بشیرے سے ہاتھ ملایا اور دوبارہ رکشے میں جا بیٹھا، بشیرے کی حالت دیکھ کر گل بینا اتنی پریشان ہوگئی کہ اس سے پیسے بھی نہ پوچھے رکشہ آگے بڑھ گیا..... وہ بشیر کو لے کر اندر آئی۔ شریفاں بھی گھبرا گئی تھی۔ بشیر کو رضائی میں لٹا کر گل بینا گرم گرم قہوہ بنا کر لے آئی۔

"منع بھی کیا تھا تجھے بشیرے کہ آج کام پر نہ جا..... موسم کے تیور ٹھیک نہیں ہیں، کیا بولا ڈاکٹر نے، کیسے خراب ہوئی طبیعت؟" شریفاں نے کئی سوالات کر ڈالے۔ گرم گرم قہوہ پی کر بشیرے کی حالت کچھ سنبھلی۔

"ہائے ابا، میں نے تو دوا کے اور رکشے کے پیسے بھی معلوم نہیں کیے۔" اب گل بینا کو یاد آیا۔

"وہ میں نے دے دیئے تھے۔ اب تو کم لگتا ہے بخار۔" گل بینا نے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں بس اچانک سے ہی سردی لگی اور بخار آ گیا قریبی اسپتال تھا تو بیچارہ مشتاق مجھے لے گیا یہ وہی لڑکا ہے جس کا ذکر میں نے کیا تھا شریفاں سے۔" بات کرتے ہوئے بشیرے نے شریفاں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اچھا..... ڈاکٹر نے کیا بولا پھر۔"

"کچھ نہیں دوا دے دی ہے کل پھر بلایا ہے دن میں۔" قہوے کا خالی مگ گل بینا کی طرف بڑھا کر بولا۔

"کل اتنی دور کیسے جاؤ گے بابا۔" گل بینا نے کہا۔

"ارے وہ رکشے والا بھی بھلا بندہ تھا مشتاق نے اس کو بول دیا ہے وہ کل دن میں آ جائے گا اسپتال لے کر جائے گا اور واپس بھی چھوڑ دے گا۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" گل بینا نے کہا۔

"سچ ہے شریفاں آج کل غریبوں کے دل بہت بڑے ہیں..... دیکھو تو ذرا مشتاق سے اور رکشے والے سے بھلا میری کیا رشتے داری ہے مگر دل میں ہمدردی ہے، خلوص ہے اگر یہ نہ ہوتا تو پتا نہیں میرا کیا حال ہوتا آج۔"

"بس بشیرے اللہ سائیں بہت بڑا ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے۔ تو نے روٹی شوٹی کھائی؟"

"ہاں مچھولے نان کھائے تھے پھر بخار آ گیا تھا۔" بشیرے نے کہا۔ "چل پھر تو تھوڑی دیر سو جا آرام کرے گا تو بخار بھی اتر جائے گا۔" شریفاں نے کہا تو بشیر نے آنکھیں موند لیں۔

شکر ہے شریفاں کا بھی بخار بالکل ٹھیک ہوگیا تھا لیکن بشیر کو رات سے پھر بہت تیز بخار ہوگیا تھا۔ شریفاں اور گل بینا مٹکے کے پانی کی پٹیاں رکھتے رہے، صبح جا کر بخار کم ہوا تو وہ کچھ دیر کے لیے سویا۔

"شکر ہے کہ رکشے والا آئے گا ورنہ اسپتال جانا بھی مشکل ہو جاتا۔" گل بینا نے کہا۔

"بس دعا کرو کہ اسے یاد رہے..... ایسا نہ ہو کہ سواریاں مل جائیں تو وہ بھول جائے۔" شریفاں کی بات پر گل بینا نے سر ہلایا۔ بشیر اٹھا تو اسے چائے پاپے کھلا کر شریفاں نے دوا دی، بخار تو کم تھا مگر کمزوری اور نقاہت بہت ہوگئی تھی اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت شریفاں اور گل بینا ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ دروازے پر رکشے کی آواز

آئی۔

"اماں رکشے والا آ گیا۔" گل مینا جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شریفاں نے دروازے پر جا کر رکشے والے کو ذرا رکنے کا کہا بشیر بہ مشکل اٹھا گل مینا نے اس کو چادر اوڑھائی، سر پر اون کی ٹوپی پہنائی اور خود کو بھی اچھی طرح سے شال اور چادر کی مدد سے چھپایا اور دونوں سہارا دے کر بشیرے کو لے کر باہر آ گئیں۔ رکشے والے نے بشیرے سے ہاتھ ملایا اور بیٹھنے میں مدد کی وہ ملیشیاء کی شلوار قمیص، سر پر موٹی اونی ٹوپی پہنے ہوئے تھا ساتھ ہی کالی چادر کو لپیٹے ہوئے رکھا تھا جس سے اس کا آدھا منہ چھپا ہوا تھا..... بشیرے کو رکشے میں بٹھا کر دونوں دو طرف بیٹھ گئیں۔

"یہ میری گھر والی اور میری بیٹی ہے۔" بشیر نے نحیف آواز میں کہا تو بنا دیکھے رکشے والے نے سر ہلایا۔

"بڑی مہربانی پتر تو آ گیا، ساری رات اس کو بہت زوروں کا بخار تھا۔" شریفاں نے بھی اس کی پیٹھ دیکھ کر کہا وہ بنا کچھ جواب دیئے صرف سر ہلا رہا تھا، رکشہ ہسپتال کے دروازے پر رکا، بشیر کے پیروں میں بھی شدید درد تھا، اس سے اترا نہیں جا رہا تھا۔ تب رکشے والے نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کی، ہاتھ سے اس کے پیروں کو پہلے سیدھا کیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کر نیچے اتارا، گل مینا پیچھے ہٹ گئی۔ وہ اسی طرح سے اندر تک ڈاکٹر کے کمرے تک خود ہی لے گیا، شریفاں بھی اس کے ساتھ تھی، گل مینا جان کر پیچھے رک گئی کہ وہ اندر چھوڑ کر آئے تو وہ ڈاکٹر کے کمرے میں جائے گی۔ ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچا کر وہ رکشے والا باہر نکلا اور تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا شریفاں نے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ دیر رک کر ان کو ساتھ واپس بھی لے کر چلے..... جیسے وہ باہر کی طرف جانے لگا، گل مینا اندر ڈاکٹر کے کمرے کی جانب بڑھی..... دو قدم چل کر نہ چاہتے ہوئے بھی گل مینا نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا وہ رکشے میں بیٹھنے لگا تھا ساتھ ہی تھوڑا سا جھکا..... اس کے چہرے سے چادر ہٹی، چادر کے کونے سے اس نے اپنا منہ صاف کیا اور جیسے ہی اس کا رخ گل مینا کی جانب ہوا..... گل مینا کے بڑھتے قدم ایک دم رک گئے، اس نے چادر کے پیچھے سے آنکھیں پھاڑ کر سامنے کی طرف دیکھا یہ..... یہ..... تو شہزاد تھا۔ جسے ہزاروں لاکھوں، کروڑوں میں پہچان سکتی تھی۔

"شہ..... شہزاد....." وہ بے ساختہ زور سے چلائی اور باہر کی سمت بھاگی، اس کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھٹنے لگی تھیں، شہزاد نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا وہ سامنے کھڑی تھی۔

"آپ..... آپ نے مجھے پکارا؟" شہزاد نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"شہزاد..... تم شہزاد ہو ناں؟" وہ دوبارہ سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں..... مگر..... تم..... تم کون ہو اور تمہیں میرا نام کیسے پتا؟" شہزاد نے حیرت سے اس کے چادر میں سمٹے وجود کو دیکھا۔

"شہزاد..... شہزاد..... میں..... گل مینا ہوں..... تمہاری گل مینا۔" شدت جذبات سے گل مینا نے چہرے سے چادر ہٹائی اور دو قدم اور قریب ہوئی۔

"گل..... گل مینا..... میری گل مینا۔" شہزاد حیرت اور غیر یقینی سے گل مینا کو دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں میں حیرت، خوشی اور غیر یقینی نمایاں تھی، دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے، گل مینا بے ساختہ اس کا بازو تھام کر بری طرح رونے لگی۔

"شہزاد..... یہ تم ہو..... یقین نہیں آ رہا..... میرے رب نے یہ کرم کر دیا۔" شہزاد کی بھی حالت ایسی ہی تھی مگر یہ اسپتال تھا، لوگ آ جا رہے تھے، شہزاد نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"گل مینے..... ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" اس نے موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی شریفاں اور بشیر بھی ڈاکٹر کے کمرے سے نکل کر ڈسپنسری کی طرف آئے۔

"اماں، بابا یہ شہزاد ہے..... میرا شہزاد..... یہ رکشے والا..... میرا شہزاد ہے۔" وہ بچوں کی طرح شریفاں سے لپٹ گئی۔

"ہائے او میرے ربا..... سچی، سچی یہ تیرا شہزاد ہے۔" شریفاں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، بشیر بھی حیرت اور خوشی سے دیکھ رہا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک سے رکشے والے کی شکل میں شہزاد مل جائے گا..... اللہ کی مہربانی پر سب ہی شکر ادا کر رہے تھے۔ شہزاد ان کو چھوڑنے آیا راستے میں مسلسل گل بینا باتیں کر رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا کرے، وہ جس کے لیے اتنی قربانی دے کر آئی تھی وہ یوں اچانک سے مل گیا تھا، اس کی ریاضت، دعائیں سب اللہ پاک نے قبول کر لی تھیں۔ ایک بار پھر شہزاد اس کے سامنے تھا۔

"اللہ کا بڑا بڑا شکر ہے کہ شہزاد پتر تو مل گیا، ہم گل بینا کے لیے بہت پریشان رہتے تھے، وہ کسی سے بھی ویاہ کرنے کو تیار نہ تھی اور ہم سوچتے کہ کل کو ہمیں کچھ ہو جائے، یہاں سے پڑاؤ اٹھ جائے تو، تو اس کا کیا ہوگا کتنا سمجھایا کہ کسی سے شادی کر لے مگر یہ نہ مانی اچھا ہوا ناں۔" بشیر نے کہا تو شہزاد محبت سے گل بینا کو دیکھنے لگا۔

"چل پتر..... تیری امانت ہے، رب کا کرم ہے کہ ہم نے اپنی بیٹی کی طرح رکھا اب تو اپنی امانت لے جا..... ہم کو بھی سکون ملے۔" شریفاں نے کہا۔

"صغراں ماسی اور ستارہ کیسی ہیں، وہ بھی یہیں پر ہیں تمہارے ساتھ؟" اچانک گل بینا نے پوچھا تو شہزاد کے چہرے کا رنگ بدل گیا اس کے چہرے پر اداسی کے سائے لہرانے لگے، آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"اماں اور میری گڑیا فوت ہو گئے۔"

"ہائے ربا..... کیسے؟" گل بینا کو شدید دھچکا لگا تھا وہ بے اختیار رونے لگی۔

"بہت لمبی لمبی باتیں ہیں گل بینا..... بتانی بھی ہیں، تجھ سے پوچھنی بھی ہیں۔" شہزاد زخمی لہجے میں بولا اب وہ لوگ ایک پل کے لیے بھی الگ ہونے کو تیار نہ تھے۔

"پتر ہم نے گل بینا کو بیٹی بولا ہے تو اس کو بیٹی کی طرح رخصت کریں گے..... تو جب چاہے آ کر اسے نکاح کر کے لے جانا یہ تیری امانت ہے، چاہے تو آج ہی نکاح کر لے۔"

بشیر جو یہ سب کچھ دیکھ کر خود کو توانا محسوس کرنے لگا تھا اس نے شہزاد سے کہا۔

"ٹھیک ہے چاچا، میں کل آؤں گا..... اب جب کہ مجھے گل بینا مل گئی ہے تو اسے فوراً لے جانا چاہتا ہوں، بہت سی باتیں کرنی ہیں اس سے مجھے۔" شہزاد کا لہجہ دکھی تھا۔

"ہاں پتر ہم سمجھ سکتے ہیں..... گل بینا کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔" شریفاں نے گل بینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے عرصے یہاں رہ کر گل بینا کو بشیر اور شریفاں سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا۔ اسے بھی برا لگ رہا تھا مگر دوسری جانب اس کی زندگی کا مقصد، اس کا یقین اور بھروسہ تھا۔ جس کی آس پر وہ ایک ایک دن گزار رہی تھی۔ بشیر کے دو تین دوست اور آس پاس کے لوگوں کے سامنے شہزاد اور گل بینا کا نکاح ہو گیا، وہ جوڑا جو شہزاد نے آج تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا وہ جوڑا پہنے گل بینا اس کے رکشے میں بیٹھ کر ایک کمرے کے چھوٹے سے گھر میں آ گئی۔

گھر آ کر نہ جانے کیوں گل بینا کا دل بری طرح بھر آیا اسے ماں، باپ، صغراں اور ستارہ کی شدت سے یاد آئی تھی۔ اس دن کو لے کر وہ لوگ کتنے خوش تھے اور..... اور یہ دن آیا بھی کیسا کہ کوئی بھی ساتھ اور پاس نہ تھا..... نہ کوئی سکھی سہیلی، نہ ماں باپ اور نہ ہی وہ گڑیا جیسی نند۔ شہزاد بھی دل گرفتہ تھا اسے بھی شدت سے ماں اور ستارہ کی یاد آ رہی تھی۔

"ستارہ کہتی تھی کہ بھابھو کے ساتھ مل کر یہ کروں گی، وہ کروں گی، ہم لوگ شہر جا کر بہت ساری چیزیں خریدیں گے۔" صغراں اور شہزاد اسے دیکھ کر مسکراتے رہتے، شہزاد نے پہلے اس سے ساری باتیں سنیں اور روتے ہوئے گزشتہ تلخیوں کو یاد کر کے گل بینا نے ساری داستان سنائی کہ کس طرح وہاں سے نکلی اور کیسے یہاں تک آئی..... اس طرح شہزاد نے بھی سب تفصیل بتائی۔

"شہزاد کر ستارہ کا علاج کروایا مگر پتا نہیں کیا ہوا تھا اس کو اماں کہتی تھی شاید آسیب کا اثر ہو گیا تھا..... میری چہچہاتی چڑیا کی طرح بولتی بہنا یونہی گھٹ گھٹ کر مر گئی..... اماں کو پہلے تمہارا اور پھر ستارہ کا غم کھا گیا..... وہ روتی رہتی کہ میں جی کے

کیا کروں، اللہ پاک نے کتنی آزمائشیں ڈال رکھی ہیں اور ایک رات سوتے سوتے وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ دو سال پہلے میں نے رکشہ لے لیا تھا اس آس پر کہ شاید کہیں کسی سواری کی صورت کسی اسٹاپ پر، مارکیٹ میں کہیں بھی تم نظر آجاؤ..... کبھی کبھی میرا دل بھی کرتا کہ کچھ کھا پی کر مر جاؤں لیکن ایک آس پر جی رہا تھا..... میرا دل ہر شے سے اٹھ چکا تھا، بس یہی سوچتا کہ گل مینا تو زندہ ہوگی..... شاید میری تلاش بھی کر رہی ہوگی، اسی سوچ سے پھر سے جینے کی امنگ پیدا ہو جاتی، یہ رکشہ بھی میں کرائے پر چلاتا ہوں، اس گھر کا مالک، فیکٹری میں میرے ساتھ تھا، ویسے تو اس کی شہرت اچھی نہیں تھی مگر اس نے میری بہت مدد کی، اماں اور ستارہ کو لے کر آیا تو اس نے ہی یہ جگہ دی تو جب سے یہیں ہوں۔'' شہزاد نے تفصیل بتائی۔ گل مینا کو بہت رونا آرہا تھا، شہزاد نے بھی کتنے دکھ اٹھائے تھے، وہ تو اکیلا پڑ گیا تھا۔

''چلو اب وہ سب برا خواب سمجھ کر بھول جاؤ..... رب نے ہمیں ملا دیا یہی بہت ہے، اب ہم ایک دوسرے کے لیے جئیں گے، ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے گل مینا میں نے تجھ کو لے کر جتنے سپنے دیکھے تھے وہ سارے پورے کروں گا، زندگی کی یہ خوشی جو ملی ہے، ہم دونوں مل کر اس کو بھرپور طریقے سے منائیں گے۔'' گل مینا کو دیکھ کر شہزاد نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔ دونوں نے ایک عزم، حوصلہ اور جذبے کے ساتھ اپنی نئی زندگی کی ابتدا کی۔

گل مینا نے گھر کا جائزہ لیا، یہ گھر ایک چھوٹے سے کمرے کا تھا، مختصر ترین صحن، باورچی خانہ اور غسل خانہ پر مشتمل یہ گھر یہ مشکل ساٹھ گز کا ہوگا، اس کے برابر میں خاصا بڑا گھر تھا جہاں پر مالک مکان سلطان رہتا تھا جس کے حوالے سے شہزاد نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ دروازے پر آئے تو دروازے کو کھولنا نہیں اور نہ ہی اس سے زیادہ بات کرنا..... وہ شہر میں اکیلا رہنے والا آدمی تھا، اس لیے اس کی گیدرنگ بھی اچھی نہیں تھی۔ دوسری جانب غفور چاچا کی فیملی آباد تھی، غفور چاچا کے دو بیٹے دوسرے شہر میں نوکری کرتے تھے۔ غفور چاچا اور کنیز چاچی یہاں پر رہتے تھے، وہ بھلے لوگ تھے۔ ہمدرد بھی تھے جو شہزاد کا بھی خیال رکھتے تھے۔

کمرے میں ایک پلنگ تھا، جس پر ملگجی سی چادر بچھی تھی ایک تکیہ جس پر میلا سا غلاف تھا۔ ایک کرسی، چھوٹی سی میز اور ایک لکڑی کی چھوٹی سی الماری تھی جس میں شہزاد کے کپڑے تھے۔ چھوٹے سے باورچی خانے میں ایک گیس کا انتہائی گندہ چولھا رکھا تھا۔ اسٹیل کے برتن اور مصالحوں کے ڈبے، دو چار مگ، پلیٹیں اور ہانڈیاں۔ صغراں کی موت کے بعد شہزاد خود ہی کھانا پکاتا نہ صفائی کا احساس تھا نہ برتنوں کو سلیقے سے رکھنے کی ضرورت، صبح چائے پی کر کبھی کبھار ایک آدھ بسکٹ کھا کر گھر سے نکلتا، کبھی تو ناشتہ بھی باہر سے کرتا، دوپہر تک رکشہ چلاتا دوپہر میں باہر سے ہی کسی سستے سے ہوٹل سے کھانا کھا لیتا پھر سواریاں پکڑتا، اس طرح رات کو بھی باہر سے کچھ کھا کر آجاتا تھا۔ اس کے گھر آتے ہی سلطان آجاتا حساب کتاب کر کے پیسے وصول کر لیتا تھا، شہزاد تھکا ہارا گھر آتا اور سو جاتا، کبھی کبھی دل کرتا تو چائے بنا لیتا، گھر اجاڑ پڑا رہتا، سب سے پہلے گل مینا نے گھر کو سمیٹنا شروع کیا، ایک اور پلنگ کی چادر پلنگ کے نیچے رکھی تھی شاید وہ بھی میلی تھی، کبھی کبھی مہینے میں ایک بار شہزاد کپڑے دھو لیتا اس لیے مہینوں چادریں نہ اٹھاتا، گنتی کی دو چادریں تو تھیں، صبح اٹھ کر گل مینا باورچی خانے میں آئی تو سارے ڈبے خالی پڑے تھے۔ نہ پتی، نہ دودھ اور چینی..... نہ آٹا نہ ہی گھی بھلا کیسے ناشتہ تیار کرتی۔

''شہزاد اٹھو مجھے ناشتے کا سامان لا کر دو۔'' گل مینا کی آواز پر شہزاد نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، وہ تو روز کی طرح کا دن سمجھ رہا تھا مگر سامنے گل مینا کو دیکھ کر پوری طرح سے آنکھیں کھول دیں تب یاد آیا۔ شہزاد کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

''چھوڑ ناشتہ واشتہ آجا تو بھی سو جا۔'' شہزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔

''دیکھو تو کتنا دن نکل آیا شہزاد..... رکشہ لے کر جانا نہیں ہے کیا؟'' وہ شہزاد کی مضبوط بانہوں میں آکر کسمسائی۔

''نہیں آج چھٹی..... اتنا بڑا دن ہے آج..... آج بھی جاؤں کیا؟'' شہزاد نے کان میں کہا تو وہ شرما گئی۔ شہزاد کے

سینے سے لگ کر کتنا سکون ملا تھا، یہ کس، یہ پیار، یہ وارفتگی، اس کو تو وہ ترس رہی تھی۔

رکشہ اپنا تو تھا نہیں کہ وہ ہفتہ بھر آرام کرتا دو دن بعد ہی سلطان نے پیسوں کا پوچھ لیا تو تیسرے دن شہزاد رکشہ لے کر نکلا اور گل مینا نے گھر کو سنبھالا، اس نے تفصیلی صفائی کی۔ باورچی خانے کو صاف کیا، شہزاد کے میلے کپڑے، چادریں دھوئیں، دوپہر کھانے پر شہزاد آیا تو گھر چم چم چمک رہا تھا۔

"سچ ہے گل مینا عورت کے بغیر گھر، گھر نہیں ویرانہ لگتا ہے ویرانہ..... جب سے اماں فوت ہوئی تب سے یہ گھر بے رونق اور ویران تھا لیکن اب کتنا اچھا لگ رہا، ہے پہلے گھر آتا تو وحشت ہوتی تھی، در و دیوار دیکھ کر خوف آتا، تنہائی کا احساس ڈستا مگر اب قسم سے گھر سے جانے کا دل ہی نہیں کرتا من کرتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیرے سامنے بیٹھ کر تجھے دیکھتا رہوں۔" شہزاد کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ایسی جاندار، بھرپور اور خوب صورت ہنسی، پتا نہیں کتنے دن بعد وہ ہنسی تھی، اسے خود بھی یاد نہیں تھا، وہ اپنی ہنسی کی آواز تک بھول گئی تھی۔ شہزاد اس کو وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔ بشیر اور شریفاں سے بھی ملنے کبھی کبھی چلے جاتے گو کہ اتنے برے حالات سے گزرے لیکن اب زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا جو ہو چکا تھا اس کو بھول کر دونوں آنے والے دنوں کو اچھے سے اچھا بنانے کی کوشش کر رہے تھے، شہزاد جو بھی کماتا پھر گل مینا اور وہ مل کر بجٹ بنا کر چین سے سلیقے سے خرچ کرتے گھر بھی صاف ستھرا رہنے لگا تھا، گھر میں ضرورت کی چیزوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بھی خوش اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ وقت آگے بڑھا اور اللہ پاک نے ان کی گود میں پریوں جیسی گڑیا ڈال دی تھی۔

"یہ تو بالکل پری جیسی ہے گل مینے دیکھ تو..... اللہ سائیں نے ہمیں کتنی حسین بیٹی دی ہے۔" شہزاد نے اس کو دیکھا تو ننھی بچی کا ہاتھ چوم کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ گل مینا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اس وقت سنا نانی تھے نا دادی۔"

"اری پگلی اس وقت او اس مت ہو..... اللہ نے ہمارے گھر رحمت بھیجی ہے، دیکھنا اب اور بھی رحمت برسے گی ہمارے گھر میں خوشیاں آئیں گی۔" شہزاد نے گل مینا کو افسردہ دیکھ کر اس کے ماتھے کو چوم کر کہا تو گل مینا مسکرا دی۔

"مینے ہم اپنی ننھی پری کا نام "پری گل" رکھیں گے۔ گل مینا کی بیٹی پری گل۔" شہزاد نے نام رکھ دیا۔

"ارے واہ یہ تو بہت سوہنا نام ہے شہزاد..... پری گل۔" گل مینا خوش ہو کر بولی۔ "پری گل" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

شہزاد اور گل مینا بہت خوش تھے پری گل میں دونوں کی جان تھی۔ پری گل ماں باپ کی محبتوں میں پروان چڑھنے لگی دونوں اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتے تھے۔ اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتے، وہ بیمار ہوتی تو ساری ساری رات جاگ کر گزارتے، پری گل بھی صورت شکل میں گل مینا کی طرح خوب صورت تھی۔ جب پری گل ڈھائی سال کی ہوئی تو گل مینا نے اسے اسکول میں داخل کروانا چاہا۔

"ارے بھئی اتنی جلدی بھی کیا ہے..... اتی سی تو ہے میری گڑیا جب چار سال کی ہو گی تب داخلہ کروائوں گا، تب تک کوئی دوسرا مہمان بھی لے آنا تاکہ تم بھی مصروف ہو جاؤ۔" شہزاد کی شرارت پر گل مینا نے جھینپ کر اس کو دھکا دیا۔

"تجھے تو ہر وقت بے شرمی سوجھتی ہے۔"

"لے اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے۔ تیرا دل نہیں کرتا کہ ہمارا ایک کاکا بھی ہو جائے میرے جیسا۔" شہزاد باز نہ آیا۔

"شہزاد مہنگائی دیکھ رہے ہو..... آج کل بچے پیدا کرنے میں بھی ہزاروں روپے لگ جاتے ہیں۔ گھر کا کرایہ، دوسرے خرچے، اب پری کا داخلہ ہو گا تو اس کے خرچے..... میں پری کو بہت سارا پڑھاؤں گی شہزاد۔" اس نے بچوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بچی گل مینا تو اماں بن گئی مگر..... ویسی ہی معصوم اور چھوٹی سی بچی لگتی ہے، پڑھا لینا خوب سارا اللہ سائیں مدد کرے گا، میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ ہماری پری بہت سارا پڑھ کر میم بن جائے لیکن کاکے والی بات تو وہیں رہ گئی۔"

سنجیدگی سے جملہ ادا کر کے شہزاد دوبارہ شرارت پر اتر آیا اور آنکھ مار کر بولا۔

"چلو پرے ہٹو۔" گل بینا اس کو مکا دکھا کر پری کی طرف بڑھ گئی جو دودھ کی خالی بوتل پھینکنے لگی تھی۔ شہزاد زور سے ہنس دیا۔

گرمی کی سخت ترین دوپہر تھی، شہزاد سواری کو چھوڑ کر روڈ تک آ رہا تھا کہ اچانک پاس ہی ایک لمبی سی کار تھوڑا سا ہچکولے کھا کر رک گئی..... شہزاد نے نیم کے درخت کی گھنی چھاؤں دیکھ کر وہیں رکشہ روک لیا تھا۔ رکشے میں سے پانی کی بوتل نکال کر منہ دھویا اور رومال سے منہ صاف کر کے رکشے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پھر ڈرائیور نیچے اترا اور گاڑی کا دروازہ کھولا۔ گاڑی سے تقریباً تیس پینتیس سالہ خاتون اتریں لباس سے وہ خاصی امیر لگ رہی تھیں۔ ساتھ ہی دو لڑکے اور ایک بچی بھی اتری۔ بچے اسکول یونیفارم میں تھے۔ خاتون ڈرائیور کو بری طرح جھاڑ پلا رہی تھیں۔

"کتنی بار کہا ہے کہ گاڑی جب مجھے لے کر نکلو تو اچھی طرح سے چیک کر کے نکلو..... تمہاری سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں بے وقوف انسان..... اب یہاں کوئی ٹیکسی بھی دور دور تک نظر نہیں آ رہی، بچوں کا رزلٹ ہے اور ہم تمہاری لاپروائی کی وجہ سے یہاں بیچ روڈ پر خوار ہو رہے ہیں۔" ڈرائیور سر جھکائے خاموشی سے سن رہا تھا۔ شہزاد جو سب کچھ سن رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ اگلے چوک کے پاس یہاں کا بہت بڑا پرائیویٹ اسکول ہے یقیناً بچوں کو وہاں جانا ہے، ڈرائیور بیچارہ سخت شرمندہ تھا۔

"بیگم صاحبہ، یہاں پر ٹیکسی ملنا تو مشکل ہے وہ کافی آگے ٹیکسی کا اڈہ ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے رکشے پر چلیں بچوں کو کہیں دیر نہ ہو جائے۔" آواز پر خاتون نے پلٹ کر غور سے شہزاد کو دیکھا، صاف ستھرے کپڑے پہنا ہوا وہ رکشے والا عام رکشہ ڈرائیور سے مختلف لگا، ویسے کوئی عام وقت ہوتا تو وہ کبھی بھی رکشے میں نہ بیٹھتیں مگر اس وقت مجبوری تھی بچوں کے چہرے بھی لٹک گئے تھے۔

"آیئے بیگم صاحب۔" شہزاد دوبارہ بولا تو وہ رکشے کی طرف بڑھیں۔ بچے بھی پیچھے ہو لیے۔

"ابھی کال کر کے یہاں مکینک کو بلواؤ اور گھنٹے کے اندر گاڑی ریڈی کر کے اسکول آؤ۔" انہوں نے پلٹ کر غصے سے ڈرائیور سے کہا اور بہ مشکل تینوں بچوں سمیت رکشے میں بیٹھ گئیں۔

"نکمے لوگ، ٹائم ہونے سے پہلے پیسے چاہیں ہوتے ہیں اور کام میں ایمان داری سے کام نہیں لیتے، کتنی بار سمجھایا کہ ہر طرح سے گاڑی کی تسلی کر کے نکالا کرو مگر سمجھ ہی نہیں آتی۔"

"چھوڑیں بی بی صاحبہ..... غصہ نہ کریں، خوشی خوشی اسکول جائیں ان شاء اللہ بچوں نے بہت اچھے سے پاس ہونا ہے۔ بچے بے چارے بھی پریشان ہو رہے ہیں۔" شہزاد نے چھوٹی والی بچی کو دیکھ کر کہا جو بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ شہزاد کی بات پر خاتون نے گھور کر شہزاد کو دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

"میری بھی ایک بیٹی ہے جی یہ چھوٹی والی گڑیا کے جیسی اس کو بھی داخلہ کرواؤں گا گھر والی کہتی ہے کہ اسے خوب پڑھاؤں گی بس اللہ سائیں مدد کرے..... ماں باپ تو بہت کچھ سوچتے ہیں جی۔" وہ بول رہا تھا اور خاتون ہوں ہاں کر رہی تھیں اسکول آ گیا گیٹ پر رکشے سے اتر کر خاتون نے پرس کھولا۔

"یہ لو بھائی۔" پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر شہزاد کی طرف بڑھایا۔

"بھائی.....! آپ نے بھائی بولا ہے مجھے؟" شہزاد نے چونک کر ان کو دیکھا۔

"ایک مدت کے بعد کسی کے منہ سے اپنے لیے یہ لفظ سنا ہے بیگم صاحبہ، میں..... میں بہت چھوٹا اور غریب آدمی ہوں مگر آج نہ جانے کیوں..... میں ماضی میں چلا گیا..... اس لفظ کو لے کر برا نہ مانیں آپ مگر میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا..... میرا دل نہیں کر رہا کہ آپ سے پیسے لوں، بس مجھے دعا دیجیے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر عاجزانہ انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں انجانے دکھ بول رہے تھے۔ خاتون نے غور سے اس

عجیب وغریب شخص کو دیکھا اور پیسے واپس پرس میں رکھ لیے، پرس سے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں چھوٹا سا کارڈ تھا۔

"اچھا یہ..... یہ میرے شوہر کا کارڈ ہے ان کا بہت بڑا کپڑوں کا بزنس ہے یہ کارڈ رکھ لو..... اگر کبھی ضرورت ہو، شاید تمہارے کام آسکے۔"

"جی شکریہ بیگم صاحبہ۔" شہزاد نے کارڈ لے کر جیب میں رکھ لیا اچانک وہ بے حد دکھی ہوگیا تھا، کتنے برسوں بعد کسی نے اس کو بھائی کہہ کر مخاطب کیا تھا یہ لفظ سننے کو تو اس کے کان ترس گئے تھے۔ شہزاد رکشے میں آ کر بیٹھا اور ماضی کے دھندلکوں میں کھوتا چلا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

صغراں نے صحن میں بنے چھوٹے سے باورچی خانے میں چولہے میں لکڑیاں لگا کر آگ جلائی وہ شہزاد کے لیے چائے بنا رہی تھی، دس سالہ ستارہ صحن کے دوسرے کونے میں چھوٹی سی دری پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ کر گڑیاں سجا رہی تھی آج اس کی گڑیا کا ویاہ تھا اسے شہزاد کے ساتھ گاؤں کے چھوٹے سے بازار سے اپنی باراتی سکھیوں کے لیے میٹھی گولیاں اور لڈو لانے تھے اور شہزاد اس کو مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

"بھائی چل ناں۔" ستارہ نے پاس آ کر لاڈ سے کہا۔

"اچھا، پر تارہ میرے پاؤں دکھ رہے ہیں ذرا سا دبا تو دے۔" شہزاد منہ بنا کر کہتا تو ستارہ ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کے پیر دبانے لگتی تھی۔

"ہم..... ذرا سا آرام آیا ایسا کر میرے سر میں تیل لگا دے سر بھی دکھ رہا ہے۔" شہزاد اسے چھیڑنے کے لیے کہتا تو وہ دوڑ کر سرسوں کے تیل کا پیالہ لے آتی۔

"اچھا رہنے دے، مجھے پانی پلا دے بس۔" شہزاد اس کی حرکتوں سے محظوظ ہوتا رہتا تھا۔

"کاہے کو تنگ کرتا ہے شہزاد..... کتنا دوڑائے گا میری دھی رانی کو۔" صغراں جو خاموشی سے شہزاد اور ستارہ کو دیکھ رہی ہوتی تھی آخر کار بول پڑتی تھیں، ستارہ ایک لمحے رک کر پہلے ماں کو اور پھر شہزاد کے شرارتی چہرے کی طرف دیکھتی اور سمجھ جاتی، دوڑ کر آتی اور شہزاد کے مضبوط بازوؤں پر ننھے ننھے ہاتھوں سے مکے برسانے لگتی۔

"مجھے پاگل بناتا ہے ناں؟"

"اچھا اچھا..... میری گڑیا، میری رانی معافی دے دے، بس ذرا چائے پی لوں پھر تجھے لے کر چلوں گا اور جو تو بولے گی لے کے دوں گا۔" شہزاد اس کے ہاتھوں کو تھام کر اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہتا تو وہ خوش ہو کر شہزاد سے لپٹ جاتی تھی۔

"کیوں تنگ کرتا ہے رے۔" صغراں چائے کا پیالہ شہزاد کے سامنے رکھتے ہوئے پیار سے دونوں کو دیکھتی تھیں۔

"اماں، قسم سے جب یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرے کام کرتی ہے اور غصے سے مجھے انہی ننھے ننھے ہاتھوں سے مارتی ہے تو بڑا اچھا لگتا ہے مجھے..... بہت پیار آتا ہے اپنی رانی پر۔" شہزاد محبت سے کہتا تو صغراں مسکرا دیتی پھر کیسا طوفان آیا کہ اچانک وہ بھاگتی دوڑتی گڑیا بالکل چپ ہوگئی، کیسی بیماری تھی نہ ڈاکٹر سمجھے نہ حکیم، وہ بستر کی ہو کر رہ گئی تھی، شہزاد تڑپ کر اسے جھنجوڑتا، اسے آوازیں دیتا۔

"میری رانی، میری گڑیا کچھ تو بول..... اپنے ویر سے ناراض کیوں ہوگئی ہے تو، دیکھ تو تیری گڑیاں تیرے بن کتنی اداس ہیں، تیری ساری سکھیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ تجھے کیوں چپ لگ گئی ہے؟ کیا سوچتی رہتی ہے تو، بولتی کیوں نہیں، میرے کان تیری آواز سننے کو ترس گئے ہیں، کیوں مجھے نہیں پکارتی بھائی ایک بار بھائی کہہ دے میری رانی..... کچھ تو بول۔" ایک روز جب حد سے زیادہ درد بڑھا تو شہزاد خود پر قابو نہ رکھ سکا اور ستارہ کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر تڑپ کر اسے آوازیں دینے اور دھائیاں دینے لگا تھا۔

"اللہ کے واسطے ایک بار، ایک بار مجھے پکار لے۔" ستارہ اسی طرح سے آنکھیں کھولے بس یک ٹک دیکھتی رہتی تھی اور شہزاد زار و قطار روتا رہتا تھا، پاس ہی صغراں بھی درد کی شدتوں سے لبریز دونوں کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔ شہزاد کے آنسو مسلسل ستارہ کے چہرے پر گر رہے ہوتے تھے، اس کے منہ، ناک، ہونٹوں اور آنکھوں میں بھی اچانک ستارہ کی آنکھوں کی پتلی

میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔

"اماں..... اماں، ستارہ سن رہی ہے۔" شہزاد شدت جذبات سے چیخا۔ "اماں یہ ٹھیک ہورہی ہے..... اس نے میری آواز سنی ہے۔"

"لیکن..... دوسرے ہی لمحے اس کی پھیلی ہوئی آنکھیں پتھرا گئی تھیں، شہزاد نے گھبرا کر جھک کر اس کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ ستارہ..... ستارہ..... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سوچکی تھی۔ ستارہ وہ اتنی زور سے چیخا تھا کہ آس پاس کے گھروں میں اس کی آواز پہنچ چکی تھی۔

"سنو، صدر چلو گے؟" مردانہ آواز پر وہ خیالات سے چونکا سامنے ایک ادھیڑ عمر مرد اور عورت کھڑے تھے۔

"جی۔" ہتھیلی کی پشت سے نم آنکھوں کو صاف کرکے آہستگی سے جواب دیا اور سیدھے ہوکر رکشہ اسٹارٹ کیا۔

آج اتنے عرصے بعد یہی ایک لفظ بھائی نے پھر سے پرانے زخموں کو کھرچ دیا تھا۔ وہ ایک بار پھر دکھی ہوگیا تھا۔ سواری بیٹھ گئی تو شہزاد نے اللہ کا نام لے کر رکشہ چلایا اور مطلوبہ منزل کی جانب چل پڑا۔ آتا جاتا ٹریفک، لوگوں کا شور، ہجوم، رونقیں سب کچھ اسی طرح سے تھیں مگر زندگی میں کچھ لوگ جب چلے جاتے ہیں وہ خلا نہ کسی رونق سے پورا ہوسکتا ہے نہ کسی ہنگامے سے اور شور شرابے سے۔ وہ تلخ اور اذیت ناک یادیں، اس خلا کو اس کمی کو مزید تکلیف دے بنا دیتی ہیں۔ شہزاد کا سارا دن ہی اداس گزرا۔ وہ گھر آیا تو مضمحل سا تھا۔ تھکا تھکا اور افسردہ۔

"کیا ہوا، خیریت تو ہے، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" گل بینا نے اس کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں..... بس نہ جانے کیوں آج صبح اچانک سے ستارہ کی یاد آگئی اور سارا دن بہت اداس رہا ہوں۔" شہزاد نے نلکے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو گل بینا بھی اداس ہوگئی۔

"بس جی انسان کیا کرسکتا ہے؟ یہ سب اللہ کے کام ہیں اور ہم صرف صبر ہی کرسکتے ہیں۔ وہ معصوم اتنا سا وقت لے کر ہی آئی تھی اور اب اس کی یاد ساری عمر ہمیں یونہی آتی رہے گی۔" گل بینا نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ تب ہی اندر کمرے سے پری گل نکلی اور دوڑ کر شہزاد کے پیروں سے لپٹ گئی۔

"بابا میرے لیے کیا لے کر آئے ہو؟" معصومیت سے روزانہ والا سوال کیا۔ شہزاد روز آتے وقت اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا۔

"ارے میں اپنی ڈمی رانی کے لیے چاکلیٹ لے کر آیا ہوں۔" شہزاد کا موڈ پری کو دیکھ کر خاصا خوش گوار ہوگیا تھا۔ شہزاد پری گل کے ساتھ مستیاں کرنے لگا اور گل بینا چائے بنانے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد نے رات کو سوتے وقت کپڑے تبدیل کیے تو گل بینا اس کے میلے کپڑے اٹھا کر غسل خانے کی طرف آگئی، گھر میں مشین تو تھی نہیں اس لیے وہ شہزاد کے میلے اور موٹے کپڑوں کو رات کو اچھی طرح صابن مل کر بالٹی میں رکھ دیتی اور صبح دھو لیتی اس سے کپڑے زیادہ صاف دھلتے تھے۔ قمیص کو سیدھا کیا تو اوپر کی جیب سے کارڈ نکل کر آ گرا۔

"شہزاد..... یہ کیا ہے؟" گل بینا نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور شہزاد کے پاس آ گئی۔

"یہ آج ایک سواری بٹھائی تھی صبح رکشہ پر تو وہ بیگم صاحبہ نے دیا تھا کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو آجانا کہہ رہی تھی کہ اس کے شوہر کا کپڑے کا کاروبار ہے..... مجھے کیا ضرورت پڑے گی بھلا میں نے کون سی نوکری کرنی ہے۔ رکھ دو کہیں پر پھینکو نہیں، نام لکھا ہے اس پر۔" شہزاد نے پری گل سے کھیلتے ہوئے سر اٹھا کر کہا تو گل بینا نے وہ کارڈ دیوار پر بنے چھوٹے سے سیمنٹ کے سلیب پر کونے میں رکھ دیا جہاں پر اس نے پلیٹیں اور اضافی چائے کے مگ اور گلاس سجا کر رکھے تھے۔

گل بینا اور شہزاد نے پرائیویٹ مگر نہایت کم خرچے والے اسکول میں پری گل کا داخلہ کروا دیا تھا۔ پری گل بہت خوشی خوشی اسکول جاتی، صبح اس کو شہزاد اپنے رکشے پر اسکول چھوڑ جاتا اور دوپہر میں کبھی وہ قریب سواری لاتا تو اسے لے آتا ورنہ گل بینا اسے اسکول سے واپس لے آتی، اب بینا میں بھی تھوڑا سا اعتماد آ گیا تھا کہ وہ پری گل کو لے کر کبھی کبھی گھر سے باہر نکل جاتی مگر مکمل نقاب میں ہوتی، چھوٹی موٹی چیزیں بھی

بازار سے لے آتی، کبھی کبھی پڑوس میں کنیز چاچی کے پاس بھی چلی جاتی، کچھ اچھا سالن پکاتی تو ان کو ضرور دے آتی۔ وقت نے اس میں کافی تبدیلی پیدا کردی تھی۔ شہزاد کی سنگت میں وہ کچھ نڈر سی ہوگئی تھی۔ ساتھ پری گل کی معصوم اور پیاری پیاری باتوں سے بھی دن بھر مزے لیتی تھی۔ پری جب سے اسکول جانے لگی تھی تب سے تو بہت باتیں کرنے لگی تھیں، اپنی ٹیچرز کی باتیں، بچوں کی باتیں، پڑھائی کی باتیں اور گل مینا کچھ باتیں سمجھتی اور کچھ نہ بھی سمجھتی تو اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اسے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیتی کہ وہ پڑھائی کی الف ب بھی نہیں جانتی، گل مینا نے خرچے میں سے پیسے بچا بچا کر اچھی خاصی رقم جمع کرلی تھی۔ چند سالوں میں ہی شہزاد نے اپنا ذاتی رکشہ خرید لیا تھا اس روز شہزاد بہت خوش تھا اور گل مینا کا بار بار شکریہ ادا کررہا تھا کہ اس نے کتنے سلیقے سے گھر کا نظام چلایا کہ اتنے کم عرصے میں اتنی ساری رقم اکٹھا کرکے دی۔ گل مینا بھی بہت خوش تھی کہ اب کسی کی محتاجی نہ تھی۔ اپنا کام تھا، اپنی ملکیت تھی نہ ٹوٹنے پھوٹنے کا ڈر اور نہ اضافی اخراجات کی فکر نہ مخصوص پیسے مالک کو دینے کی فکر اور پریشانی..... چاہے حالات اچھے ہوں یا برے، رکشہ چلے یا نہ چلے مالک کو تو روزانہ کے حساب سے مخصوص رقم دینی ہوتی تھی۔ اب وہ ایسی جھنجٹ سے پاک ہوچکا تھا۔ ان کے آس پاس کی آبادی بھی ان جیسی ہی تھی چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے والے اور فیکٹریوں میں نوکری کرنے والے لوگ آباد تھے۔ حالات تھوڑے بہتر ہوئے تو سوچا کہ اب یہ گھر بھی چھوڑ کر کم از کم دو کمروں کا گھر کرائے پر لے لیں گے کیونکہ باقی سب ٹھیک تھا مگر سلطان کے یہاں لوگوں کا آنا جانا ان لوگوں کو اچھا نہیں لگتا تھا۔

"تھوڑے سے پیسے اور جمع کرلوں شہزاد تو ہم پری گل کے اسکول کی طرف مکان لے لیں گے۔ اسکول بھی قریب ہوجائے گا۔" گل مینا نے کہا تو شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا۔ پری گل پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ اپنی کلاس میں ہمیشہ اول آتی، اس روز بھی اس کا رزلٹ تھا اور اس نے گل مینا اور شہزاد سے ضد کی کہ آج دونوں مل کر رزلٹ لینے کے لیے چلیں۔

"ہاں بھئی ضرور..... میں تو ضرور جاؤں گا اپنی بٹیا کا رزلٹ لینے..... یہ بتا جب تو اول آئے گی تو اپنے بابا سے کیا تحفہ لے گی۔" شہزاد نے لاڈ سے اس کو گود میں اٹھا کر پوچھا۔

"ارے شہزاد اب ننھی بچی نہیں رہی ہماری گڑیا..... اب پورے دس برس کی ہوگئی ہے، یوں گودی میں نہ اٹھایا کر اب اس کو بڑی ہوگئی ہے۔" گل مینا جو پاس بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی بول پڑی۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہے مینے؟ میری دھی ہے، تیرے برابر قد بھی نکال لے گی تب بھی میں اس کو یوں ہی گودی میں اٹھا کر لاڈ کروں گا۔" شہزاد نے اس کے موٹے موٹے گال چومتے ہوئے کہا۔

"بابا مجھے بولنے والی گڑیا چاہیے جو انگریزی پوئم سناتی ہے اور جس کے کانوں میں لائٹیں جلتی بجھتی ہیں۔" پری گل نے فرمائش کردی۔

"ٹھیک ہے بھئی کل جیسے ہی ہم تیرا نتیجہ لے کر باہر نکلیں گے تو تیرا بابا کوئی سواری نہیں اٹھائے گا بلکہ اپنی شہزادی اور اس کی ملکہ اماں کو سیدھا بازار لے کر جائے گا اور تجھے اور تیری اماں کو خوش کردے گا۔ تجھے تو گڑیا چاہیے ذرا اپنی اماں سے پوچھ لے اس کو کیا لینا ہے؟" شہزاد نے پری گل کو گود سے اتارتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو تم..... مرچی ہلدی والے مصالحوں کے ڈبے اور چھلنی دلوا دینا بہت خراب ہوگئے ہیں۔" گل مینا کی بات پر شہزاد نے سر پیٹ لیا۔

"عجیب عورت ہے یہ بھی، یہ تو گھر داری، آٹا چاول اور مصالحوں سے باہر نکلتی ہی نہیں۔"

"ہاں بھئی مجھے تو اپنا گھر سجانا، سنوارنا اور خیال رکھنا ہی اچھا لگتا ہے۔ اپنی لاڈلی کو دلا دینا ناں جو وہ بولتی ہے۔" گل مینا نے آٹے کے تسلے کو پرے سرکاتے ہوئے کہا تو شہزاد ہنسنے لگا۔

"ہاں بھئی میری شہزادی کے لیے تو دل جان حاضر ہے۔" پری گل کا رزلٹ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا آیا تھا۔ شہزاد اور گل مینا بہت خوش تھے۔ شہزاد ان کو لے کر پری گل کی خواہش پر لالہ

دین پارک لے گیا، چڑیا گھر بھی گئے، پری گل بہت خوش تھی۔ خوشی خوشی ادھر سے ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ آج پہلی بار اس طرح سے دن گزارا تھا۔ شہزاد نے ان دونوں کو چاٹ اور برگر بھی کھلائے۔ آئس کریم کھائی اور جوس بھی پیا آج کا دن ان لوگوں کے لیے یادگار دن تھا۔ شام ڈھلے وہ لوگ تھکے ہارے گھر واپس لوٹے تھے۔

"شہزاد کافی سارے پیسے خرچ ہو گئے ہوں گے ناں آج تو؟" گل مینا نے پری گل کو کپڑے تبدیل کرواتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ زندگی میں پہلی بار تو ہم لوگ اس طرح سے گھومے پھرے ہیں۔ دیکھا نہیں ہماری پری کتنی خوش تھی آج اور میں کماتا کس لیے ہوں؟ تمہاری اور پری کی خواہشات پوری کرنے کے لیے مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ آج سے پہلے ہم نے کبھی ایسی خوشی نہیں منائی۔" شہزاد نے کہا۔

"ارے نہیں شہزاد..... افسوس کی بات نہ کرو..... بس ہم خوش رہیں ہمارا گھر آباد رہے ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" گل مینا نے اس کی طرف دیکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"ارے یاد آیا؟" اچانک شہزاد نے کہا تو گل مینا چونکی۔

"کیوں کیا ہوا؟ تمہارے مصالحوں والے ڈبے تو رہ گئے۔" شہزاد نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو گل مینا کو بھی ہنسی آ گئی۔

"مذاق اڑا رہے ہو۔"

"نہیں جان من میری مجال کہاں..... ایسا کر کل پری گل کی چھٹی ہے ناں اس کے ساتھ جا کر بازار سے جو ضرورت کی چیزیں ہیں لے آنا اگر میں دن میں آ گیا تو میں چھوڑ دوں گا ورنہ تم دونوں پیدل چلی جانا۔"

"کوئی بات نہیں جب تم کو ٹائم ملے تب چلیں گے۔ اکیلے جانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔" گل مینا نے کہا۔

"کیوں بھئی..... اب تم بچی تو نہیں رہی ناں، میں دیکھتا ہوں بچی، عورتیں بیچاری کیا کچھ نہیں کرتیں، بجلی کا بل بھی جمع کرنا، سودا سبزی لانا، بچوں کو اسکول لانا لے جانا، اسپتال جانا، ایک تم ہو کہ باہر جانے کے نام سے ڈرتی ہو..... ارے پگلی میں چاہتا ہوں کہ تم بھی بہادر عورت بنو، باہر نکلو، باہر کی دنیا دیکھو، نہ جانے انسان پر کب کیسا وقت آ پڑے۔" شہزاد کی بات پر گل مینا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" اس کے چہرے پر خفگی ظاہر ہوئی۔

"ارے پگلی ناراض نہیں ہوتے..... میرا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو..... تم تو اور عورتوں سے بہت اچھی ہو سمجھدار، نیک اور محبت کرنے والی، بس میرا مطلب ہے کہ ذرا سا اعتماد بھی آ جائے تم میں اور کچھ نہیں۔" شہزاد سمجھ گیا کہ اس کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

"ہنہ....." وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"تو پھر جانا ہے کل بازار تو پیسے دے دوں؟" شہزاد نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ارے واہ..... شاباش۔" شہزاد نے خوش ہو کر جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے اس نے مسکرا کر پیسے پکڑ لیے۔

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر گل مینا نے ضروری کام نبٹائے اور پری گل کو لے کر بازار کی طرف چل دی۔ ضرورت کا تھوڑا بہت سامان، مصالحے کے تین چار ڈبے لے کر باہر نکلی تو سبزی کے ٹھیلے نظر آئے، صبح کا وقت تھا تازہ تازہ ہری ہری سبزی دیکھ کر منہ میں پانی آ گیا تو پالک، ٹماٹر اور شلجم بھی لے لیے۔

"اماں مجھے بڑھیا کے بال چاہیں۔" سامنے سے خوانچے والے کو آتا دیکھ کر کہا۔

"اچھا بھئی لے لے..... کتنی بار کہا ہے کہ ایسی چیزیں مت لے مگر تیرے ابا نے تیری عادت بگاڑ دی ہے۔" گل مینا نے چھوٹے سے بٹوے سے دس کا نوٹ نکال کر پری گل کی طرف بڑھایا۔

گھر آ کر گل مینا نے باورچی خانے میں سلیقے سے ڈبے رکھے اور سبزی کاٹنے لگی اور اپنے کاموں میں لگ گئی۔ آج شہزاد ابھی تک نہیں آیا تھا ورنہ دن میں ایک آدھ چکر لگا لیتا

تھا..... سہ پہر ڈھلنے لگی تو گل مینا کو تشویش ہوئی..... سہ پہر ڈھلی تو شام کے سائے پھیلنے لگے، اب یہ تشویش فکر میں بدلنے لگی تھی۔ گل مینا کو عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے۔

"اللہ پاک رحم کرنا۔" نہ جانے کیوں دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ الٹے سیدھے خیالات آرہے تھے۔

"ہوسکتا ہے آج دور کی سواریاں ملی ہوں؟" دماغ نے جواز پیش کیا مگر دل بہت بے قرار تھا، وہ اضطراری کیفیت میں آنگن میں ٹہلنے لگی، پری گل دوپہر کا کھانا کھا کر دیر تلک اپنی گڑیا سے کھیلتی رہی تھی اور وہیں لیٹ کر سو گئی تھی، اس لیے گھر میں مکمل خاموشی تھی..... اوپر سے گھبراہٹ اور بے چینی تھی، پری گل اگر جاگ رہی ہوتی تو وہ کنیز چچی کے ہاں چلی جاتی، دل ہی دل میں سوچ کر وہ عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگی، عصر کی نماز سے فارغ ہو کر ابھی جائے نماز اٹھا رہی تھی ساتھ پری گل کو بھی جگا رہی تھی کہ اٹھ کر چائے پی لے..... اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ غیر مانوس دستک پر گل مینا کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

"الٰہی خیر۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔ جائے نماز پلنگ پر رکھ کر نماز کے دوپٹے کو منہ پر لپیٹ کر دروازے کی جانب آئی۔

"یہ شہزاد رکشے والے کا گھر ہے؟" باہر کوئی مرد تھا۔

"ہاں جی..... خیر تو ہے؟" گل مینا نے دروازے کے پیچھے سے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے وہ اسپتال میں ہے۔"

"ہائے میں مری..... ہائے ربا، کب، کیسے کہاں ہے وہ؟ کون سے اسپتال میں؟" ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے..... اجنبی آدمی نے اسپتال کا نام بتایا سرکاری اسپتال میں تھا ایسے کیس تو جناح یا سول میں ہی جاتے ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ زور زور سے رونے لگی۔ نہ راستوں کا پتا تھا نہ اتنی دور اکیلی گئی تھی، کنیز چچی آواز سن کر آ گئی تھیں۔

"پریشان نہ ہو، تیرا چاچا گھر پر ہے، اس کے ساتھ چلی جائیو۔" کنیز چچی نے اس کو سمجھا کر تسلی دی، وہ پری گل کے ساتھ ہاسپٹل پہنچی، شہزاد بے ہوش پڑا تھا سر اور پیروں میں شدید چوٹیں آئی تھیں، وہ رو رو کر دعائیں مانگ رہی تھی۔

"اللہ پاک میرے سر کے سائیں کو سلامت رکھنا۔" ادھر سے ادھر ڈاکٹروں کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی نہ کوئی ڈھنگ سے بات کر رہا تھا نہ تسلی کے دو بول کہہ رہا تھا۔ پاگلوں کی سی حالت ہو رہی تھی دو گھنٹے کے طویل اور انتہائی تکلیف دہ انتظار کے بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے مل سکتے ہیں مگر زیادہ بات نہیں کرنا۔

"شہزاد..... شہزاد....." دیوانہ وار شہزاد کے بیڈ کی جانب بڑھی تھی، وہ آنکھیں موندے پڑا تھا، چہرے پر معمولی زخم تھے سر پر پٹی بندھی تھی، ہاتھوں اور منہ پر گہری خراشیں تھیں البتہ پیر پر زیادہ چوٹ تھی۔

"رکشے کا نقصان تو نہیں ہوا؟" شہزاد نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"شہزاد رکشے کو گولی مارو..... تم کیسے ہو، ٹھیک ہو ناں؟" اس کے ہاتھ تھام کر گل مینا رونے لگی۔

"ہاں ہاں..... اللہ نے بچا لیا..... پری گل کہاں ہے؟"

"یہ ہے پری گل۔" گل مینا نے پری گل کو گود میں اٹھا کر سامنے کیا۔ پری گل بھی شہزاد کو دیکھ کر گھبرا کر رونے لگی تھی۔

"بابا..... کیا ہوا..... کیسے ہوا یہ سب، تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہاں ہاں..... میں ٹھیک ہوں..... فکر نہ کرو تو بڑی ہے ناں..... دعا کر بس۔" شہزاد کو بولنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"بس بس زیادہ باتیں مت کرو..... اللہ پاک جلدی سے اچھا کر دے اور جلدی سے گھر آجاؤ۔" گل مینا نے کہا تو شہزاد نے نقاہت سے آنکھیں بند کر لیں۔

شہزاد کے دونوں پیر گھٹنوں کے نیچے سے شدید متاثر ہوئے تھے، کئی جگہ سے ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں ڈاکٹر آپریشن کا کہہ رہے تھے۔ رکشے کا الگ نقصان ہوا تھا وہ تو شہزاد کے ساتھی ڈرائیور نے رکشہ اٹھا کر اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ کہنے کو سرکاری ہسپتال تھا مگر اس میں بھی اچھا خاصا خرچہ ہو رہا تھا۔ پھر گل مینا روز آنا جاتی، اس کا کرایہ، شہزاد کے لیے کھانا پکانا پڑتا، ایک آپریشن ہو چکا تھا ابھی دو آپریشن مزید ہونے باقی تھے۔ سر اور باقی زخم ٹھیک ہونے لگے تھے مگر شہزاد ابھی

تک اٹھنے کے قابل نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے پیروں کو لے کر بہت پریشان تھا، بار بار ڈاکٹر سے پوچھتا کہ میں کب چلوں گا اور ڈاکٹر کہتے کہ آپریشن کے بعد بس دعا کرو اور دعا کرو لفظ کو لے کر وہ سوچوں میں پڑ جاتا یہی حال گل مینا کا بھی تھا۔ ہسپتال میں ایک دو بار سلطان بھی آیا تھا اور شہزاد کو پیسوں کی آفر کی تھی۔

"نہ بھائی سلطان، بس دعا کرو کہ اللہ پاک رحم کرے۔" شہزاد نے ناامیدی سے کہا تھا۔

"فکر نہ کرو بھائی شہزاد..... کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے بلا جھجک بول دینا، پڑوسیوں کا بڑا حق ہوتا ہے اور تم تو اتنے سالوں سے میرے کرائے دار بھی ہو۔"

"شکریہ بھائی سلطان۔" شہزاد نے تشکرانہ لہجے میں کہا تھا۔ گل مینا دن بھر شہزاد کے پاس ہوتی، اس کو تسلیاں دیتی، ادھر ادھر کی باتیں کرتی، شہزاد خرچے کو لے کر پریشان ہوتا تب وہ اس کو تسلی دیتی۔

"میں نے بہت کچھ جمع کر کے رکھا ہے تم پریشان نہ ہو..... بس جلدی سے اچھے ہو کر گھر آ جاؤ۔" اور شہزاد ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو جاتا۔

گل مینا کے لیے سب کچھ مینج کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا..... وہ ایک دن سکینہ کے گھر گئی سکینہ سے ساری باتیں بتا کر کچھ رقم ادھار مانگی، سکینہ خود بھی بہت پریشان ہو گئی تھی اس نے اپنے شوہر سے کہہ کر کچھ پیسے دے دیئے تھے مگر وہ خود بھی کون سا اتنے پیسے والی تھی کہ بھاری رقم دیتی مگر سکینہ نے ہمت دلائی تھی، گل مینا بہت پریشان تھی۔ ساری بھاگ دوڑ، امیدیں، آس سب کچھ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا کہ جب تیسرے اور آخری آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ شہزاد کے پیروں میں زخم کی وجہ سے مزید آپریشن ناممکن ہے اور اس کے پیر اب اس قابل نہیں کہ وہ کھڑا رہ سکے۔

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو ڈاکٹر صاحب، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے ہر چیز آپ کو لا کر دی، ہم نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی..... دوا، غذا ہر چیز کی پابندی کی پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے، اسے ایسی کیسی چوٹیں آئیں، دنیا جہاں کے لاکھوں مریضوں کے آپریشن کرتے ہو، سب ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر میرے شہزاد کو، میرے شہزاد کو اپاہج کر دیا۔" گل مینا ڈاکٹر کا بازو ہلا کر پاگلوں کی طرح چلائی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟ چھ فٹ کا تر و تازہ، توانا، لحیم شحیم اور شیر جیسا شہزاد کیسے اپاہج ہو سکتا ہے، وہ کیسے معذور ہو سکتا ہے۔

"اے بی بی یہ سب اللہ کے کام ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں، ہزاروں لوگ اس طرح سے ناکام آپریشن کی وجہ سے معذور ہو جاتے ہیں، یہ پہلا کیس نہیں ہے، اللہ کے فیصلے کو قبول کرو اب کچھ نہیں ہو سکتا، بجائے یہ کہ یہاں واویلا کرو، جا کر اپنے مریض کو سنبھالو، اسے تم سے زیادہ اس بات کا دکھ ہوگا۔" ڈاکٹر جو عمر رسیدہ تھا وہ گل مینا کو جھڑکنے یا ڈانٹنے کی بجائے نرمی سے سمجھا رہا تھا اور گل مینا آنکھیں پھاڑے وارڈ کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں شہزاد اس کا منتظر تھا، کیسے جائے گی اس کے سامنے، کیسے بتائے گی کہ وہ کبھی نہیں چل پائے گا؟

"کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے بیٹا، میرے ابا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے، بہت کم ایسے کیس ہوتے ہیں کہ اس طرح کے ایکسیڈنٹ میں یوں معذوری ہو جائے مگر..... بس اللہ کا نظام ہے یہ، وہ جسے چاہے دے دے جس سے چاہے لے لے، یہ سب آزمائش ہے کہ وہ دے کر بھی آزماتا ہے کہ میرا بندہ میرے دیئے ہوئے خزانے کو، میری دی ہوئی نعمتوں کو کس طرح سے خرچ کرتا ہے..... اس کا صحیح فائدہ اٹھاتا ہے کہ نہیں یا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور لے کے بھی یوں آزماتا ہے کہ یہ بندہ کس حد تک مجھ پر بھروسہ کرتا ہے..... اس آزمائش پر پورا اترتا ہے کہ نہیں اور اللہ کا نیک بندہ وہی ہے جو اللہ پاک کی ہر عطا کو اس کا کرم سمجھ کر قبول کرے، اس کی ذات پر مکمل بھروسہ کرے اور شکر ادا کرے، اس سے بہتری کی دعا مانگے، اس کے سامنے توبہ کرے، اس لیے تم بھی اس حقیقت کو دل سے مان لو بیٹی۔ اللہ پاک تمہاری پریشانیاں دور کرے۔" بہت دیر سے دور بیٹھا ہوا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی گل مینا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی روز آتا اور گل مینا کو یونہی حیران پریشان اور بھاگتا دوڑتا دیکھتا رہتا تھا۔ آج گل مینا کی حالت دیکھ کر اس کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ملائمت

سے کہا اس کو اس اکیلی عورت سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

گل مینا نے سر اٹھا کر اجنبی مہربان شخص کو دیکھا، سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ..... تب ہمت اور حوصلے سے گل مینا نے چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور شہزاد کے وارڈ کی طرف بڑھ گئی۔

یا اللہ، یہ کیسی آزمائش تھی۔ شہزاد کمرے میں پلنگ کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ بالکل چپ ہو کر رہ گیا تھا۔ کبھی وہ رونے لگتا، کبھی اپنے آپ ہنسنے لگتا، پاگلوں جیسی حالت ہو گئی تھی۔ پری گل بالکل چپ ہو گئی تھی اپنے باپ کو یوں کونے میں پڑا دیکھ کر وہ سہم جاتی، گل مینا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کو کیسے اور کس طرح سے گزارے، حالات نے پلٹا کھایا تھا، یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا۔ وہ ہر ممکن شہزاد کا خیال رکھتی، اس کو بہلانے کی کوشش کرتی اس کے سامنے نہ خرچے کی بات کرتی ناں کوئی اور ایسی بات کہ جس سے وہ پریشان ہو..... سکینہ اور اس کا شوہر بھی دو تین بار آئے تھے اور تھوڑی بہت مدد کر کے چلے گئے تھے۔ گل مینا نے پری کو اسکول سے اٹھوا لیا تھا۔ یہاں خرچا چلانا مشکل تھا تو کہاں سے اس کی پڑھائی کا خرچہ اٹھاتی۔ رکشہ گھر کے صحن میں ٹوٹی پھوٹی حالت میں کھڑا تھا۔

"پری گل اسکول کیوں نہیں جا رہی؟" شہزاد نے ایک دن صبح سوال کیا۔

"وہ..... وہ اس کی چھٹیاں ہیں۔" الفاظ گل مینا کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"چھٹیاں..... ابھی کون سی چھٹیاں پڑ گئیں؟ کتنے دن کی چھٹیاں ہیں آخر..... مہینہ ہو گیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھر پر ہے۔" شہزاد کی بات پر وہ گڑبڑائی۔ شہزاد مسلسل گھر پر رہتا تھا اس سے کب تک یہ بات چھپائی جا سکتی تھی۔

"میں نے اس کو اٹھوا لیا ہے اسکول سے۔" نظریں چرا کر بولی۔

"آہ....." شہزاد نے اپنی ہتھیلی پر پوری قوت سے مکہ مارا۔ "میری بچی..... میں اس کا ایک خواب بھی پورا کرنے کے قابل نہ رہا، ابھی تو اس نے پڑھائی شروع کی تھی، میں کسی قابل نہ رہا..... میں اپاہج ہو گیا؟" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ کر چلانے لگا۔

"شہزاد..... شہزاد..... اللہ کا واسطہ ہے ہوش کرو..... ایسا مت کرو، تم ایسا کرو گے تو ہمارا کیا ہو گا؟ پری گل بھی پریشان ہو جائے گی۔" گل مینا اس کے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے اس سے لپٹ کر بری طرح سے رونے لگی۔

"کیا کروں مینے، کیا کروں میں؟" وہ بے بسی سے سوال کر رہا تھا گل مینے کیا کہتی بس اس کو سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔

اسی شام سلطان کو بلوا کر شہزاد نے رکشے کو بیچنے کے لیے کہا۔

"اس میں کیا رکھا ہے شہزاد..... ہر طرف سے تو ٹوٹا ہوا ہے یہ۔" صحن میں کھڑے رکشے کو اچھی طرح سے دیکھتے ہوئے سلطان نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ارے یار، جیسا بھی ہے، جتنے میں بھی یہ کھوکھا جائے اسے نکلوا دو..... میرے لیے تو بے کار ہی ہے ناں۔" شہزاد کا لہجہ دکھی ہوا۔

"اچھا، دیکھتا ہوں کوئی گاہک ملے تو لیتا آؤں گا۔" گل مینا حسرت سے رکشے کی ٹوٹی پھوٹی باڈی کو دیکھ رہی تھی، کتنی مشکلوں سے پیسے جمع کر کے اس نے یہ رکشہ دلوایا تھا۔ نیا چم چم کرتا رکشہ دیکھ کر دونوں میاں بیوی کتنے خوش تھے لیکن ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی، اتنی جلدی..... اتنی جلدی..... وہ رکشہ اس حالت میں آ گیا تھا۔

دو تین دن کے اندر رکشہ اونے پونے بک گیا۔ سلطان نہایت چالاک آدمی تھا اس نے ہی موقع سے فائدہ اٹھا کر رکشہ خرید لیا تھا۔ جس وقت رکشے کی فروخت کے بعد کچھ نوٹ شہزاد کی ہتھیلی پر آئے تو شہزاد رو پڑا، کتنے ارمانوں سے وہ رکشے کو سجا کر رکھتا تھا۔ اس میں سب سے پہلے آیتیں لگائیں پھر موتیوں اور دھاگوں سے بنے پھولوں سے سجایا تھا، پلاسٹک کے پھولوں کی چاروں طرف بیل لگائی تھی روز صبح ایک گھنٹہ رکشے کی صفائی کرتا اور کبھی کبھی گل مینا کو بھی چھیڑتا۔

"گل مینے یہ تیری سوکن ہے دل کرتا ہے اس کو بھی خوب سجاؤں، سنواروں اور دل بھر کر پیار کروں۔" اور گل مینا اس کی بات پر ہنس دیتی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے تو سن لو شہزاد آگ لگادوں گی تیری اس دلہن کو آئی سمجھ۔"

"اوئے اوئے اتنے بھرم۔" شہزاد زور سے ہنس دیتا۔

"دیکھ گل مینے تیری سوکن کو بیچ دیا ہے میں نے۔" شہزاد نے زخمی نظروں سے گل مینا کو دیکھا۔ گل مینا تڑپ کر آگے بڑھی۔

"نہیں شہزاد..... ایسے نہ بولو وہ..... وہ تو مذاق کی بات تھی، دیکھو تو تقدیر نے بھی کیسا مذاق کیا ہے ہمارے ساتھ۔" وہ اپنے پیروں کو حسرت سے دیکھ کر کہتا۔

بیٹھے بیٹھے کھانے سے تو قارون کے خزانے بھی ختم ہوجاتے ہیں بھلا چند ہزار کب تک گھر کے اخراجات پورے کرپاتے، کھانا پینا، گھر کا کرایہ، شہزاد کی دوائیں، دنیا بھر کے اخراجات تھے، گل مینا بڑی مشکلوں سے یہ سب سنبھال کر پاتی، شہزاد اب بالکل چپ ہوگیا تھا، بیساکھی کے سہارے ضرورت کے لیے اٹھتا ورنہ وہی جھلنگا چارپائی پر پڑا رہتا، الٹی سیدھی سوچوں کا شکار رہنے لگا تھا۔ گھر میں عجیب اداسی رہنے لگی تھی۔ کبھی اس گھر میں قہقہے گونجا کرتے تھے آج اداسی اور ویرانی کا راج تھا، پری گل سہمی سہمی سی رہنے لگی تھی۔ آخر کار گھر میں کھانے کے لالے پڑ گئے تھے۔ شہزاد اتنا ناامید ہوگیا تھا کہ وہ ہلنا بھی نہیں چاہتا تھا..... گل مینا اس کو جتنا زندگی کی طرف لانے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی ناامید ہوتا جارہا تھا۔ جب غصہ آجاتا تو چیزیں اٹھا کر پھینکنا شروع کردیتا گل مینا کو برا بھلا کہتا اور گل مینا آنسو پونچھتی ہوئی سامنے سے ہٹ جاتی۔

"شہزاد ایک بات بولوں اگر تم کو برا نہ لگے تو۔" ایک دن شہزاد کو ناشتہ کروا کر گل مینا نے پوچھا۔

"کیا؟" شہزاد نے نگاہ اٹھائی۔

"شہزاد سکینہ کہہ رہی تھی کہ اس کے بچوں کے اسکول میں کام کرنے کے لیے عورت کی ضرورت ہے، اس نے ہیڈ ماسٹرنی سے بات کی ہے اگر تم اجازت دو تو وہاں چلی جاؤں۔" اس کی بات ختم ہوئی تو شہزاد نے غصے سے اس کو گھور کر دیکھا۔

"اب تو گھر سے باہر جائے گی، کما کر لائے گی؟ تو مجھے پالے گی، کھلائے گی تو..... ظاہر کرنا چاہتی ہے ناں کہ میں ناکارہ ہوگیا ہوں..... میں اپاہج بن کر بوجھ بن گیا ہوں، میں لاچار ہوگیا ہوں؟"

"نہیں..... نہیں شہزاد ایسی بات نہیں، یہ تو آزمائش ہے اللہ کی، اس نے ہم پر ڈال دی ہے..... دیکھو ٹھنڈے دل سے سوچو جو پیسے ہیں وہ دھیرے دھیرے ختم ہورہے ہیں، گھر کا کرایہ اور کچھ نہ کچھ کھانا تو ضروری ہے ناں، ہم بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔" گل مینا نے اس کے پاس آکر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"مرجا بھوکی تو بھی مرجا اور مجھے بھی مرجانے دے..... میرا مرجانا ہی بہتر ہے خوامخواہ کا بوجھ بن کر پڑا ہوں میں..... زندہ لاش بن کر رہ گیا ہوں، اللہ پاک مجھے موت بھی نہیں دیتا کہ اس عذاب والی زندگی سے نجات مل جائے..... مرجانے دے مجھے..... مرجانے دے۔" وہ ہذیانی انداز میں دیوار پر سر مارنے لگا۔ گل مینا نے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالا۔

"شہزاد..... پاگل ہوگئے ہو تم۔ یہ کیا کررہے ہو؟ ہم بھوکے رہ سکتے ہیں معصوم پری گل نہیں رہ سکتی..... اللہ کے واسطے ایسا نہ کرو شہزاد، تمہارا یوں میرے سامنے بیٹھے رہنا ہی میرے لیے بہت ہے..... اللہ نہ کرے کہ تمہیں موت آئے شہزاد..... اللہ کے واسطے ہوش کرو، تم خود ہی کہتے تھے ناں کہ عورتیں دنیا جہاں میں گھومتی ہیں، بازاروں میں جاتی ہیں، بل جمع کرواتی ہیں، تم چاہتے تھے ناں کہ میں بھی باہر نکلوں..... مجھ میں بھی اعتماد آجائے تو..... تو..... اب رب نے ہم پر آزمائش ڈالی ہے تو ہمیں اس آزمائش کا مقابلہ کرنا ہے، مجھے ہمت بھی آگئی ہے شہزاد لیکن اللہ رسول کا واسطہ ہے تمہیں آئندہ ایسا کچھ مت بولنا کہ میری بنتی ہوئی ہمت ٹوٹ جائے..... شہزاد تمہارا وجود ہی میرے لیے بہت بڑی ہمت ہے۔ میرا بہت بڑا سہارا ہے۔ ہزاروں عورتیں کام کرتی ہیں، اپنے گھر والے کا ساتھ دیتی ہیں، اب تک تم نے سب کچھ کیا اب اگر ایسا وقت آیا ہے تو، میرا بھی تو فرض بنتا ہے ناں؟" گل مینا نے شہزاد کو سینے سے لگا کر نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔ شہزاد نے نم نم آنکھوں سے اس کو دیکھا۔

"میں کیا کروں گل بینے، میں اتنا بے بس کیوں ہوگیا؟" مٹھیاں بھینچ کر شکستہ لہجے میں وہ گویا ہوا، گل بینے نے اس کے ماتھے سے بالوں کو پیچھے کیا۔

"شہزاد لاکھوں لوگ ہیں ایسے بے بس تم اکیلے نہیں ہو..... یوں ہر وقت اللہ سے گلہ نہ کیا کرو۔" پتا نہیں کہاں سے اللہ پاک نے وہ کمزور، ڈرپوک اور معصوم گل بینا میں اتنی طاقت، اتنی ہمت دے دی تھی کہ وہ نہ صرف ہمت سے اسے سمجھاتی بلکہ حوصلے سے آگے کے لیے بھی پلاننگ کر رہی تھی۔

اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ صبح صبح گھر کے کاموں سے فارغ ہوکر شہزاد اور پری گل کو ناشتہ کروا کر اسکول چلی جایا کرے گی اور دوپہر میں آکر دوسرے کام نپٹا لیا کرے گی۔ جاتے ہوئے کنیز چاچی سے کہہ دوں گی کہ دن میں ایک آدھ چکر لگا کر دیکھ لیں ویسے پری گل تو رہے گی گھر پر، حالات جب کٹھن ہوں تو ہمت بھی آجاتی ہے اور خود بخود دماغ میں ترکیبیں بھی آتی ہیں۔ وسیلے بھی بن جاتے ہیں یوں سکینہ کا بازار میں ملنا اس سے میل ملاقات اور پھر اس کے اپنے آمدنی کا ذریعہ۔

دوسرے دن صبح صبح وہ کام نبٹا کر پیدل اسکول گئی، اسکول کی مالکن خدا ترس خاتون تھیں اچھی خاصی عمر رسیدہ تھیں انہوں نے گل بینا کے حالات سنے تو فوراً ہی کام پر رکھ لیا اور تنخواہ بھی معقول دینے کا ارادہ کرلیا بلکہ یہ بھی آفر کردی کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیٹی کو بھی یہاں داخل کرواسکتی ہے، گل بینا نے ہاتھ اٹھا کر میڈم ہما کو دعائیں دیں۔ اللہ پاک ایک در بند کرتا ہے تو دوسرا کھول بھی دیتا ہے، پہلے شہزاد واویلا کرتا، روتا دھوتا تھا لیکن جب سے گل بینا اسکول جانے لگی تھی وہ بالکل چپ ہوکر رہ گیا تھا اور شہزاد کی زبردستی پر گل بینا نے پری گل کو بھی داخلہ دلوادیا تھا۔ حالانکہ گل بینا چاہتی تھی کہ پری گل گھر میں شہزاد کے پاس رہے مگر شہزاد نے بہت زبردستی کرکے اس کو بھی گل بینا کے ساتھ بھیجنا شروع کردیا تھا۔ گل بینا کا سارا دھیان شہزاد کی طرف رہتا کہ وہ گھر میں اکیلا ہوگا مگر شہزاد نے مطمئن کردیا تھا کہ اسے ضرورت نہیں ہے وہ کون سا بیمار ہے۔

زندگی عجیب وغریب راستے پر چل پڑی تھی۔ گل بینا اسکول سے آتے آتے سودا سبزی وغیرہ لے آتی آتے ہی وہ پہلے روٹیاں پکاتی، رات کا سالن ہوتا تینوں مل کر کھانا کھاتے، گل بینا کچھ دیر آرام کرتی پھر شام کو اٹھ کر صفائی وغیرہ کرکے ہانڈی بنالیتی، وہ روزانہ رات کو ہانڈی پکالیتی اور دوسرے دن دوپہر کو وہی کھالیتے تھے۔

❁.....❁.....❁

سکینہ کے شوہر توصیف نے مشورہ دیا تھا کہ وہ مدد کردے گا اگر شہزاد گھر میں ہی کوئی چھوٹی موٹی بچوں کے کھانے کی چیزوں کی دکان کھول لے تو اس کا دل بھی بہلا رہے گا اور کچھ آمدنی بھی ہوجائے گی۔ گل بینا نے شہزاد سے بات کی تو شہزاد نے صاف منع کردیا تھا۔

"شہزاد دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو معذور ہوکر بھی روزی کماتے ہیں، گھر چلاتے ہیں، تم نے اس روگ کو دل سے لگالیا ہے کہ خود کو بالکل ناکارہ سمجھنے لگے ہو، ہمت ہی کھودی تم نے، توصیف بھائی ٹھیک کہتے ہیں وہ کہتے ہیں میں سامان گھر پر پہنچادیا کروں گا تم کو صرف کرسی پر بیٹھنا ہوگا۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو، مجھے کھلا کر احسان جتا رہی ہو ناں؟ تمہاری باتوں سے لگتا ہے تم مجھ سے بیزار ہوگئی ہو..... طعنہ مار رہی ہو، مجھے احساس دلا رہی ہو کہ میں بے کار ہوگیا ہوں، میں اپاہج اور ناکارہ انسان ہوں۔" شہزاد غصے سے چیخ کر بولا۔

"نہیں شہزاد اللہ کی قسم میرا ایسا مطلب نہیں تھا، میرا مطلب تھا کہ تم گھر میں بور ہوجاتے ہو تو تم مصروف ہوجاؤ گے اور تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ہاں..... میں یہاں دل لگالوں اور تو..... تو..... کہیں اور دل لگالے۔" شہزاد کی بات پر گل بینا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب..... مطلب کیا ہے شہزاد؟"

"کوئی مطلب نہیں ہے..... بس چپ چاپ تجھے جو کرنا ہے کر اگر مجھے روٹی پانی دے سکتی ہے تو دے ورنہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔" شہزاد ہاتھ اٹھا کر تلخ لہجے میں بولا۔

"شہزاد، تجھے بتانا پڑے گا..... تیرا مطلب کیا ہے؟ تیرے خیال میں میں باہر دل لگانے کے لیے جاتی ہوں۔" وہ ایک جملہ گل بینا کے دل پر جا کر لگا تھا۔

"ظاہر ہے تو اب بھی اتنی حسین ہے اور لوگوں سے ملتی ہے تو لوگ کیا تجھے دیکھتے نہیں ہوں گے؟" شہزاد کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"اف اللہ کے واسطے شہزاد..... یہ فضول باتیں اپنے دل میں مت لا..... میں نے آج تک منہ سے حجاب نہیں ہٹایا، میں خود کو صرف اور صرف تیری امانت سمجھتی ہوں اور مجھے پتا ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے کیا حکم ہے، میں تو کبھی بھی گھر سے باہر ہی نہیں نکلتی اگر میرے سامنے نفسی پری گل نہ ہوتی..... اللہ اور رسول کا واسطہ ہے تجھے، فالتو رہ رہ کر اپنے ذہن میں فالتو سوچوں کو مت پالو مجھے میری پری کی قسم ہے میں مرجاؤں گی مگر خود پر کسی کی میلی نظر نہیں پڑنے دوں گی۔" گل بینا کو رونا آ گیا تھا۔ شہزاد نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر خود بھی رونے لگا..... گل بینا نے آگے بڑھ کر اس کو گلے سے لگالیا۔

"شہزاد..... شہزاد میری جند جان ہے، تیرے واسطے ہی میں نے زندگی میں اتنے ستم اٹھائے، ایک امید اور آس پر تیرا انتظار کیا اور تیرے قدموں میں ہی مرنا چاہوں گی شہزاد..... آئندہ ایسی بات کی تو موت سے پہلے مرجاؤں گی..... مجھے پری کی قسم۔" گل بینا کی بات پر شہزاد نے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ دکھ اور بیچارگی تھی۔ گل بینا کو سینے سے بھینچ کر وہ پھر سے رونے لگا۔ لگتا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا ہے۔ اپنا وجود ناکارہ اور بے کار لگتا تھا۔ احساس کمتری اور احساس محرومی اس کے اندر روز بروز بڑھا رہی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ شہزاد ضدی ہوتا جارہا تھا۔ گل بینا گھر سنسار، پیار شوہر اور پری گل کو سنبھالتے سنبھالتے ادھ موئی ہوئی جارہی تھی۔ ایک سکینہ تھی جو کبھی کبھار آجاتی تو دل بہل جاتا یا پھر کنیز چاچی مگر کنیز چاچی بھی اب بوڑھی ہوگئی تھیں۔

اس روز حسب معمول فجر کے وقت گل بینا جاگی، نماز سے فارغ ہوکر باورچی خانے میں آئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔ تھوڑی دیر بعد پری گل کو جگانا پھر اسکول کی تیاری کرنی تھی، اس وقت شہزاد بھی اٹھ جاتا، وہ اٹھ کر ادھر ادھر دیکھتا، اس کی کھانسی اور کنکھارنے کی آواز پر گل بینا اس کے لیے گرم گرم چائے کا کپ بنالاتی اور وہ کلی کرکے چائے پی لیتا پھر جب پری گل اٹھ جاتی تب تینوں ساتھ ناشتہ کرتے۔ چائے کا پانی اور دودھ چولہے پر رکھ کر گل بینا آٹا گوندھنے لگی۔ آج پہلی تاریخ تھی۔ آج اس کو تنخواہ ملنے والی تھی۔ آٹا، دال سب ختم ہوگیا تھا۔ سارے ڈبے خالی پڑے منہ چڑا رہے تھے۔ وہ ذہن میں سودے سلف کو ترتیب دینے لگی کہ آج آتے آتے اسے کون سی چیزیں لانی ہوں گی۔ باقی کل اتوار تھا تو دن میں جاکر لاسکتی تھی۔ چائے پک چکی تھی، ابھی تک شہزاد کے کھنکھارنے کی آواز نہیں آئی تھی تب وہ خود ہی چائے کا کپ لے کر کمرے میں آئی کہ ہوسکتا ہے شہزاد اٹھ چکا ہو مگر شہزاد کو سوتا پاکر تشویش ہوئی ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا تھا وہ تو ہمیشہ سے فجر میں اٹھنے کا عادی تھا..... یہ عادت برسوں پرانی تھی، وہ قریب گئی۔

"شہزاد..... شہزاد..... اٹھ کر چائے پی لو۔" ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا دوسرا ہاتھ شہزاد کے ماتھے پر رکھ کر اسے اٹھانا چاہا مگر ماتھا برف کی مانند سرد تھا۔ گل بینا بری طرح گھبرائی۔ جلدی سے چائے کا کپ میز پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے شہزاد کا منہ پکڑا۔

"شہزاد..... شہزاد..... شہزاد..... اٹھو..... شہزاد۔" وہ شہزاد کو زور زور سے ہلانے لگی مگر شہزاد کے وجود میں کوئی جنبش، کوئی حرکت نہ ہوئی تھی۔

"یا اللہ رحم کرنا۔" وہ بڑبڑائی۔ "شہزاد آنکھیں کھولو..... کیا ہوا..... تم اٹھ کیوں نہیں رہے شہزاد۔" وہ پاگلوں کی طرح شہزاد کے بے جان وجود کو جھنجوڑ رہی تھی، چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی۔ اس کی چیخوں کی آواز آس پاس کے گھروں تک پہنچ گئی تھی۔ صبح صبح اٹھنے والے لوگ اس کی آواز پر چونکے تھے..... پری گل اٹھ گئی تھی اور پاس آکر کھڑی ہوگئی تھی۔

"اماں..... اماں کیا ہوا اماں؟" وہ نیند سے ابھی اٹھی تھی۔ یوں ماں کو چیختا اور بے تحاشا روتا دیکھ کر گھبرا کر خود بھی زور زور سے رونے لگی۔

شہزاد نہ جانے رات کے کون سے پہر زندگی سے ناطہ توڑ

بیٹھا تھا۔ ناامیدی، بے بسی اور بیچارگی معذوری اور مسلسل سوچوں نے اس کے دماغ پر بھرپور اثر کیا تھا..... کب تک وہ دل و دماغ کی جنگ کا مقابلہ کرتا آخرکار ہار بیٹھا تھا..... اسکول تک خبر پہنچ چکی تھی، محلے والوں نے مل کر تدفین کا انتظام کردیا تھا۔ سکینہ آئی تو وہ سکینہ کے گلے لگ کر ہوش وحواس کھونے لگی۔

"سکینہ..... سکینہ شہزاد چلا گیا..... بزدل، ڈرپوک، نکلا خود تو چلا گیا مجھے کس کے سہارے چھوڑ گیا؟ سکینہ کیسے جی پاؤں گی میں، وہ تو مجھے بھی مار گیا۔" سکینہ خود بھی زاروقطار رو رہی تھی۔ پری گل مسلسل اس کے پہلو سے چمٹی ہراساں بیٹھی تھی۔

"شہزاد..... شہزاد..... اللہ کا واسطہ شہزاد..... یوں مجھے تنہا کرکے مت جاؤ..... میں..... کیسے رہوں گی..... کیسے زندگی گزاروں گی؟ بے شک مجھے ڈانٹو، مارو..... مجھے کوسنے دو مگر یوں چھوڑ کر مت جاؤ..... نہیں..... نہیں..... میرے شہزاد کو چھوڑ دو..... چھوڑ دو اسے کہاں لے کر جارہے ہو، یہ چل نہیں سکتا، اس کو میرے سہارے کی ضرورت ہے، یہ کیسے رہ پائے گا اکیلا، اس کو میری عادت ہوگئی ہے، اس کو کون سنبھالے گا، کون دوائیں دے گا، اس کو کہاں لے جارہے ہو..... چھوڑو، چھوڑو، نہیں جانے دوں گی، بڑی مشکلوں سے تو یہ ملا تھا اور آج تم لوگ پھر اسے مجھ سے دور لے جارہے ہو..... چھوڑ دو، اللہ کے واسطے۔" جنازہ اٹھنے لگا تو گل بینا پاگلوں کی طرح جسد خاکی سے لپٹ گئی۔ سکینہ اس کو سنبھال رہی تھی۔

"ہوش کر گل بینا، ہوش کر، ایسا نہیں کرتے، خود کو سنبھال، دیکھ تو شہزاد بھائی کو تیرے رونے سے دکھ ہوگا..... انہیں جاتے جاتے دکھی نہ کر..... دعا کر اللہ پاک شہزاد بھائی کے لیے آسانی پیدا کرے، تو ایسا کرے گی تو پری گل کا کیا حال ہوگا؟"

"پری گل..... پری گل۔" وہ روتے ہوئے چونکی، آنکھیں پھیلا کر سکینہ کی طرف دیکھا، سکینہ سے لپٹی پری گل پر نظر ڈالی، دیوانہ وار اس کی سمت بڑھی پری گل کو سینے سے بھینچ لیا اور اس سے پہلے کہ سکینہ اس کو سنبھالتی وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر چکی تھی۔

یہ کیسی تلخ سچائی تھی کہ جس کو ذہن قبول کرنے سے انکاری تھا۔ شہزاد جیسا بھی تھا، اس کا کونے میں پڑا رہنا ہی تحفظ کا احساس تھا۔ وہ دن بھر باہر بھی ہوتی تو گھر لوٹنے پر یہ احساس ہوتا کہ اس کے سر پر چادر موجود ہے، شہزاد کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا تھا وہ کسی صورت پورا نہ ہو پارہا تھا۔ ہوتا بھی کیسے؟ شہزاد کا پلنگ، اس کی خالی دوا کی بوتلیں، اس کے کپڑے، تولیہ، اس کا چشمہ، ایک ایک چیز میں اس کی یادیں بسی ہوئی تھیں۔ بارہ تیرہ سالہ زندگی کا اختتام ہوگیا تھا۔ اتنی سی زندگی اور اتنے سے ساتھ کے لیے دونوں بچپن سے بچپنے دیکھتے آئے تھے اور یہ وقت..... یہ ساتھ پر لگا کر گزر گیا تھا، آج پھر گل بینا تنہا تھی، آج اس کے ساتھ بارہ سالہ پری گل بھی تھی۔ زندگی کا نہ جانے کتنا سفر باقی تھا اور اس سفر کو گزارنے کی کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔ میڈم ہما نے اس کی سیلری کے ساتھ اسٹاف سے بھی جمع کرکے اور کچھ رقم اپنی طرف سے بھی دے دی تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ ابھی گل بینا کا گھر سے نکلنا ناممکن تھا، عدت کے دن جو پورے کرنے تھے۔ سکینہ نے اس عرصے میں ہر طرح سے مدد کی، اس کا خیال رکھا، سودا سلف بھی لاتی، وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ اللہ پاک نے سکینہ سے ملوادیا تھا اگر وہ نہ ملتی تو کون یوں مددگار ہوتا۔ سکینہ نے کہہ دیا تھا کہ عدت کے ختم ہوتے ہی وہ اس کے گھر کے پاس ایک کمرے کا گھر لے کر شفٹ ہوجائے۔ یہاں اکیلی رہنا مشکل ہوگا اور گل بینا نے اس کی بات سے اتفاق بھی کرلیا تھا۔

زندگی عجیب وغریب ہوکر رہ گئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح دن بھر گھر میں ادھر سے ادھر گھوما کرتی، قرآن پاک پڑھ پڑھ کر شہزاد کے لیے دعائیں کرتی پاگل سی ہوجاتی کوئی کام نہ ہوتا، بس گزری ہوئی یادوں میں الجھتی رہتی، کبھی روتی، کبھی ہنستی اور پری گل کے لیے سوچتی رہتی کہ اگر مجھے کچھ ہوجاتا ہے تو میری بچی کا کیا ہوگا۔

"اللہ پاک میرے حال پر رحم کرنا۔" آنکھیں بھیگ جاتیں، عدت ختم ہونے والی تھی ادھر سکینہ کو اپنی نند کی شادی

کے سلسلے میں حیدرآباد جانا تھا، وہ جاتے ہوئے کہہ گئی تھی کہ آنے کے بعد تیرے لیے گھر کی بات کروں گی۔ توصیف ابھی یہیں پر تھا۔

سکینہ کے جانے کے بعد ایک دو بار توصیف آیا تھا بجلی کا بل جمع کرانا تھا، گل مینا کی کوشش ہوتی کہ وہ دروازے پر نہ جائے اور دوسرا یہ کہ کرایہ، بل وغیرہ وقت پر ادا کردے تاکہ سلطان کو بھی کوئی شکایت نہ ہو، اس روز پری گل کو بخار تھا، توصیف گھر کے لیے سودا سلف لایا تو مجبوراً گل مینا کو دروازے پر آنا پڑا گو کہ اس نے خود کو حجاب کیا اور پھر دروازے پر گئی۔ توصیف نے سلام کیا سودا پکڑوایا اور واپس ہو گیا مگر غلط ذہن اور غلط سوچ والے لوگوں کی کمی نہیں ہے، شام تک پری گل کا بخار کم ہو گیا تھا، دوا کھا کر وہ بہتر ہو گئی تھی۔ آج بہت دن بعد پری گل نے گڑیا نکالی تھی اور گل مینا سے کہا تھا کہ کپڑے سی کر دو۔

"اچھا....." گل مینا جو خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی بات پر سوئی دھاگہ اور کپڑوں کی کترنیں لے کر بیٹھ گئی اور اس کی گڑیا کے کپڑے سلائی کرنے لگی۔ شام ہو گئی تھی، پری گل نے چائے کی فرمائش بھی کر دی تو گل مینا سوئی رکھ کر کچن میں آ گئی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

"اس وقت کون ہو گا بھلا..... کرایہ تو وہ دے چکی تھی؟"

پری گل دروازے پر آئی دروازے پر سلطان تھا۔

"جی چاچا؟" پری گل نے پوچھا۔

"اپنی ماں کو بلاؤ۔" سلطان نے کہا۔

"ماں نہیں آتی آپ بولیں کیا ہوا؟" پری گل نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ارے بھئی کیوں نہیں آتی، کیا تمہاری اماں کو ہم پسند نہیں یا پسندیدہ لوگوں کے لیے دروازے پر آتی ہے۔" وہ اتنی زور سے بولا کہ گل مینا اس کی آواز پر چونکی اور دروازے کے پیچھے آ گئی۔

"کیا ہوا بھائی؟"

"دیکھو جی..... یہ تمہارے گھر ایک آدمی آتا ہے..... میں نے بہت بار دیکھا ہے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، وہ کیوں آتا ہے؟" سلطان نے بدتمیزی سے کہا۔

"وہ میرا بھائی ہے، میرے گھر کا سودا سلف لاتا ہے، اس کی بیوی ابھی نہیں ہے ورنہ وہ بیوی کے ساتھ آتا ہے، اس میں کیا اعتراض ہے آپ کو؟"

"اعتراض..... اعتراض کیوں نہ ہو گا جی..... یہ گھر میرا ہے، یہ شریفوں کا محلہ ہے تم اکیلی رہتی ہو، یوں کسی کا آنا جانا میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"بھائی ایسی کوئی بات نہیں، میں اکیلی ہوں، وہ میرا بھائی ہے وہ میرے کام نہیں کرے گا تو کون کرے گا؟"

"بھائی ہے تو اندر کیوں نہیں آتا؟" سلطان کے سوال پر وہ گڑبڑائی۔

"دیکھو جی..... میں صاف بات کرتا ہوں اگر اس سے کوئی چکر وکر ہے تو شرافت سے نکاح پڑھوالو..... میں اپنے گھر میں کوئی گند برداشت نہیں کر سکتا بہت بار دیکھ چکا ہوں میں اب آئندہ ایسا نہ ہو۔"

"میں کیا کروں؟ تھوڑے دن کی بات ہے میری عدت ہے میں تم سے بات کر رہی ہوں، یہ بھی غلط ہے مگر مگر..... اللہ کا خوف کرو بھائی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اگر تم چاہو تو میں نکاح کر سکتا ہوں تم سے۔" وہ اصل مقصد پر آیا..... ابھی چند دن پہلے کی بات تھی کہ پری گل سو رہی تھی صبح صبح گل مینا نے کپڑے دھوئے اور وہ صحن میں بندھی رسی پر کپڑے پھیلا رہی تھی اس بات سے قطعی ناآشنا تھی کہ سلطان جو گھر کے پچھواڑے چھت پر تھا اس کی خبیث نظروں کی زد میں تھی۔ گل مینا جو گزشتہ بارہ تیرہ سال سے اس کے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے رہ رہی تھی اور آج تک اس کی ایک جھلک بھی نہ دکھائی دی تھی، آج وہ مکمل طور پر سامنے تھی، کالی پھول دار قمیص، سفید شلوار اور دوپٹا کمر کے گرد کسے لمبے لمبے سیاہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے پسینے میں شرابور سرخ و سفید رنگت، سلطان دیکھتا رہ گیا، اتنی خوب صورت عورت اس کے پڑوس میں تھی اور وہ بے خبر تھا..... تنہا اور بے آسرا عورت تب ہی وہ آج بہانے سے آیا تھا۔

"کچھ اللہ کا خوف کرو..... شرم آنی چاہیے آپ کو، ابھی

میرے شوہر کو مرے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں، میں عدت میں ہوں اور آپ..... آپ ایسی باتیں کررہے ہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"دیکھو ابھی یہ بات صرف میں نے کی، کل کو سارے محلے والے یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ میں نے تو ہمدردی والی بات کی ہے سوچ سمجھ کر جواب دینا ابھی ٹائم ہے تمہارے پاس۔" سلطان چلا گیا اور گل بینا دروازہ بند کرکے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"یا اللہ..... یہ کیسی آزمائش ہے، مجھے کن کن آزمائشوں سے گزرنا ہوگا؟" رات بھر گل بینا کو نیند نہیں آئی..... وہ کیا کرے سمجھ سے باہر تھا ابھی تو تو صیف بھی حیدرآباد جانے والا تھا اس لیے کچھ دن تک تو اس کو آنا نہیں تھا مگر سلطان کی بات پر گل بینا بہت پریشان تھی۔ دو دن گزر گئے، گل بینا الجھن کا شکار تھی۔ سلطان کی فطرت اچھی نہیں تھی اس بات کا عندیہ تو شہزاد نے بھی دیا تھا۔

"یا اللہ اگر وہ زبردستی کرے گا تو؟" اس کا دل دہل گیا۔

"اس کے دوست بھی سارے ایسے ہی تھے نشئی اور غنڈے اگر خدانا خواستہ..... اف۔" خوف سے اس کو جھرجھری آئی، دو دن بعد پھر سلطان دروازے پر تھا۔

"کیا سوچا تم نے، عدت تو ختم ہوگئی ہے تمہاری؟"

"سلطان..... شرم کرو کچھ، میں مجبور ہوں، بے سہارا ہوں، مجھے یوں پریشان نہ کرو، تھوڑے دنوں کی بات ہے، میری بہن آجائے گی تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ گڑگڑائی۔

"سوچ لے اچھی طرح سے..... ابھی تم جوان ہو، یوں بیٹی کو لے کر کہاں ماری ماری پھرو گی یہ گھر تمہارا ہوسکتا ہے، تم مالکن بن سکتی ہو، میں جائز طریقے سے بات کررہا ہوں ورنہ....." وہ مونچھوں کو تاؤ دے کر خباثت سے بولا۔ گل بینا سر سے پیر تک لرز گئی اور جلدی سے دروازہ بند کردیا۔

"سنو..... میں ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر جارہا ہوں آکر بات کروں گا۔" وہ جاتے ہوئے کہہ گیا۔

"یا اللہ کس سے کہوں، کس سے بات کروں؟" وہ تو اتنے مہینوں بعد پری گل کی خاطر نارمل ہونے کی کوشش کررہی تھی ایک بار پھر پریشانیوں میں گھر گئی تھی۔ سلطان کا لہجہ، اس کی بات سن کر دل دہل گیا تھا..... کہاں جائے، کیسے اپنی عزت کی حفاظت کرے، کہاں پناہ ملے گی؟ یہ ساری دنیا ہی بھوکی ہے..... مجبور اور بے بس لوگوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے والی، یہ زہریلے لوگ، غلیظ اور ناپاک سوچ رکھنے والے درندے جو عورت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں جو کسی مجبور عورت کے جسم سے چادر تو کھینچ سکتے ہیں مگر کسی برہنہ سر عورت کے سر پر تحفظ کی چادر اوڑھاتے ان کی جان نکلتی ہے۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ اسے لگا جیسے دروازے پر دستک ہورہی ہے، وہ کچی نیند سے بیدار ہوئی تھی لگا جیسے خواب دیکھ رہی ہو مگر ہلکی سی دستک دوبارہ ہوئی تھی۔ گل بینا نے تھوڑا سا سر اٹھا کر پری گل کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی تیسری بار دستک ہوئی تو خوف و دہشت سے گل بینا کانپنے لگی، اسے لگا جیسے وہ پتھر کی ہوگئی ہو۔ اگر بلی بھی تو اف..... خوف سے آنکھیں پھٹنے لگی تھیں، دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا، اچھے خاصے موسم میں پورا جسم پسینے سے شرابور ہوگیا تھا، وہ ایسے لیٹی تھی جیسے کہ جسم میں جان ہی نہ ہو، ایک دم ساکت صرف آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں، دل دہشت کے مارے اچھل کر حلق میں آرہا تھا، ایک ہاتھ سینے پر رکھے دوسرا ہاتھ پری گل پر رکھے وہ اس وقت دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کررہی تھی۔

"یا اللہ پاک میری عزت تیرے ہاتھ ہے میرے مولا..... میری حفاظت فرما۔" ساتھ ہی ساتھ دعائیں جاری تھیں آنکھوں سے آنسو رواں تھے، پل پل گزرتی رات گویا قیامت کی طرح تھی۔ رفتہ رفتہ دستک میں کمی آتی گئی اور پھر اسے لگا جیسے کوئی چھت پر سے دوڑتا ہوا گیا ہو۔

"یا اللہ پاک..... رحم، رحم کرنا میرے مولا۔" وہ صبح ہونے کا شدت سے انتظار کررہی تھی، یہ قیامت کی رات گزر گئی، ساری رات ایک پل کو بھی آنکھ نہ جھپکی تھی، صبح ہوئی تو اس نے سوچ لیا کہ اب ایک دن بھی یہاں نہیں رہے گی..... رات کو بال بال اللہ نے عزت بچائی تھی نہ جانے کون تھا..... ایک تھا یا

پھر سلطان اور اس کے دوست..... خدانا خواستہ کچھ بھی کر سکتے ہیں، مجھے بے ہوش بھی کر سکتے ہیں، میری بچی، پری گل بھی بڑی ہو رہی تھی، خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

مرد کا ساتھ عورت کے لیے تحفظ مان، بھروسہ ہوتا ہے۔ مرد بوڑھا ہو یا جوان، تندرست ہو یا بیمار اگر اس کا وجود عورت کے سر پر سلامت رہے تو یہی آسرا بہت ہوتا ہے۔ کسی کی بری نظر اس عورت کی طرف نہیں اٹھتی، جس کے سر پر سائبان کی صورت اس کا شوہر موجود ہو، ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ یتیم اور بیوہ عورتوں کو ہر کوئی لوٹ کا مال سمجھ لیتا ہے، گل بینا حیرت زدہ تھی کہ سلطان کو اچانک ہی یہ بات کیسے سوجھی مگر جو بھی تھا..... اب گل بینا کو نہ صرف اپنا بلکہ پری گل کا بھی خیال تھا۔

"اگر خدانا خواستہ رات کو کوئی گھر میں کود جاتا؟" خوف سے جھرجھری لی۔

"یا اللہ کیا کروں، کہاں جاؤں؟" زندگی کس موڑ پر آ گئی تھی چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا کوئی راستہ سجھائی نہ دے رہا تھا..... کوئی ہمدرد، کوئی چارہ گر، کوئی بھی تو ایسا نہ تھا کہ جس کے کاندھے پر سر رکھ کر دو آنسو بہا سکے، جس کے سائے میں آ کر ساری تلخیاں بھول جائے، پری گل نہ ہوتی تو شاید اس رات کے بعد وہ خودکشی کر لیتی، جس کے لیے اسے جینا تھا، زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنا تھا، حالات کا مقابلہ کرنا تھا..... لگتا تھا جیسے دماغ ماؤف ہو گیا ہو، سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔

"سلطان تو شہر سے باہر گیا ہوا تھا پھر..... یہ..... یہ کون تھا؟" وہ انہی سوچوں کا شکار تھی تب اچانک ہی بیٹھے بیٹھے اس کو یاد آیا کہ ایک دن شہزاد نے کسی میم کا ذکر کیا تھا اور اس کا کارڈ بھی لایا تھا کہ میڈم نے کہا تھا کہ کبھی ضرورت پڑے تو آ جانا، وہ امیر خاتون تھیں، کارڈ کا خیال آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر کارڈ تلاش کرنے لگی، کچن کے ڈبوں کے پاس بستر والے صندوق پر، میز کی پلاسٹک کے نیچے، کپڑوں والی الماری میں دیوانوں کی طرح ایک ایک چیز دیکھ لی..... پری گل حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"اماں کیا دیکھ رہی ہو؟" آخر وہ پوچھ بیٹھی۔

"ایک چھوٹا سا سفید کارڈ تھا..... تمہارے بابا نے دیا تھا وہی ڈھونڈ رہی ہوں۔" دماغ پر زور دے کر پاگل ہو رہی تھی۔

"ہائے اللہ کہیں صفائی میں جھاڑو میں نہ نکال دیا ہو....." سوچ کر پریشان ہوئی۔

"نہیں..... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" خود سوال کرتی اور خود ہی جواب دیتی پاگلوں کی طرح تلاش کرتے کرتے دوپہر ہو گئی تھی۔ تب اچانک یاد آیا کہ وہ تو برتنوں کے سلیپ پر کاغذ کے نیچے رکھا تھا، امید کی کرن چمکی تو تیزی سے اٹھ کر سلیپ کی طرف لپکی، کونے میں اخبار کے نیچے پیالوں کے پاس وہ ننھا سا کارڈ رکھا تھا۔

"ہائے اللہ بہت بہت شکر ہے تیرا۔" امید کی ہلکی سی کرن تھی کہ شاید یہاں سے کوئی آسرا بن جائے، کارڈ مٹھی میں دبا کر چادر لپیٹ کر گھر کی چابی اٹھائی۔

"کیا ہوا اماں؟" پری گل اماں کی عجیب و غریب حرکتوں کو دیکھ رہی تھی۔

"پری گل تم تھوڑی سی دیر کے لیے کنیز چاچی کے یہاں چلی جاؤ..... میں ابھی آتی ہوں؟" پری گل کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا۔

"اماں کہاں جا رہی ہو؟ مجھے بھی لے کر چلو۔" پری گل نے ضدی لہجے میں کہا۔

"نہیں پری گل پتا نہیں مجھے کتنا چلنا پڑے تم تھک جاؤ گی۔ دعا کرو کہ میں جس کام کے لیے جا رہی ہوں وہ پورا ہو جائے۔ گھبرانا نہیں، نہ گھر سے باہر نکلنا۔" وہ تاکید کر کے گھر کو تالا لگا کر پری گل کو پڑوس میں چھوڑ کر اللہ پر مکمل بھروسہ کر کے خود کو اللہ کے سپرد کر کے گھر سے چل پڑی اور بے تحاشہ چلتے چلتے، ادھر ادھر سے پوچھتے پچھاتے آخر کار وہ مطلوبہ منزل تک پہنچ گئی تھی۔

اپنی بات مکمل کر کے گل بینا نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، گزشتہ ماہ و سال اس کے ذہن کے پردے سے یوں چپٹے ہوئے تھے جیسے کل ہی کے واقعات ہوں، زندگی کے نشیب و فراز، ہنسی، آنسو، دکھ اور صدمات سے

بھری ہوئی زندگی کھلی کتاب کی طرح کھول کر زرنگار بیگم کے سامنے رکھ دی تھی، ایک ایک لفظ میں سچائی، اذیت اور کرب تھا۔ زرنگار بیگم کی آنکھیں بھی اس کے دکھ پر نم ہوگئی تھیں، انہوں نے تاسف سے اس عورت کو دیکھا جو اتنی سی عمر میں زندگی کی کتنی سختیاں جھیل کر، زندگی کے تلخ حقائق کا سامنا کرکے، پل پل جیتے مرتے، ایک ایک دن کتنے کرب میں گزارے..... اتنی زندگی میں خوشی کے چند سال نصیب ہوئے ورنہ تو آزمائش، پریشانیوں اور مصیبتوں میں گھری زندگی گزار کر وہ یہاں تک آئی تھی۔ پہلے ہی زرنگار کو اس سے ہمدردی تھی مگر آج..... آج جب انہوں نے اس کی زندگی کی کہانی سنی تو ہمدردی دو چند ہوگئی تھی۔ ان کو اس معصوم اور مظلوم عورت پر بے حد ترس آرہا تھا۔

یہاں آکر گل مینا کو تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ رات کو گل مینا بستر پر لیٹتی تو سوچتی شہزاد تو نے، ہمارے لیے کم از کم یہ آسرا تو چھوڑ دیا تھا کہ اللہ کا کرم ہوا کہ تجھے زرنگار بیگم صاحبہ ملیں اور ہم ماں بیٹی کو سر چھپانے کا آسرا مل گیا، اس کی آنکھیں نم ہوجاتیں..... شہزاد کی یاد آجاتی تو بہت سی اچھی بری یادیں بھی ساتھ چلی آتیں اور نیند اس سے روٹھ جاتی۔

شام کا وقت تھا، بچوں کے ٹیوٹر آنے والے تھے۔ گل مینا نے چائے تیار کی تو پری گل چائے لے کر لان میں آگئی، وہیں پر سب لوگ بیٹھے تھے۔ چائے میز پر رکھ کر وہ وہیں کیاریوں کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی، جہاں اب گل مینا پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ ٹیبل پر کتابیں پھیلی ہوئی تھیں، مختار، زوار اور ثمین پڑھ رہے تھے۔ زوار نے پڑھتے ہوئے کتاب سے نظر ہٹائی اور پری گل کو دیکھا پری گل بڑی حسرت سے پھیلی کتابوں کو دیکھ رہی تھی۔

''مما، پری گل کی عمر کیا ہوگی؟'' اچانک زوار نے سوال کیا تو زرنگار چونکی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ اس کی عمر بھی تو پڑھائی کرنے والی ہے ناں مما..... وہ روزانہ ہم لوگوں کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہے، کل میں نے اس کو اخبار بھی پڑھتے دیکھا شاید وہ پڑھنا چاہتی ہو اس کا ایڈمیشن بھی کروادیں۔''

''اوہ زوار تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟ وہ لوگ پڑھائی وڑھائی کو کیا جانیں، اخبار میں تصویر دیکھ رہی ہوگی وہ..... اتنی سی تو ہے اس کو کون سا پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا ہے وہ نوکر ہیں ان کو نوکر ہی رہنے دو۔'' مختار شاہ کو بھائی کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی تب ہی جھٹ سے بولا۔

''یہ کیا بات کہی بھائی آپ نے؟ کیا غریب لوگ پڑھ لکھ نہیں سکتے؟ پتا نہیں کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ایسے ہیں جن کے باپ ریڑھیاں لگاتے ہیں، مزدوری کرتے ہیں، وہ خود محنت کش ہیں۔'' زوار نے پلٹ کر کہا اس کو مختار شاہ کا اس طرح کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''افوہ، چپ کرو تم لوگ کس بحث میں پڑ گئے ہو بس خاموشی سے پڑھائی کرو۔'' زرنگار بیگم نے سرزنش کی لیکن ان کو بھی احساس ہوا تھا کہ پری گل جو نگین کی ہم عمر ہے اس کو واقعی ایڈمیشن دلوانا چاہیے۔

''گل مینا یہاں آؤ۔'' انہوں نے آواز دی تو گل مینا ہاتھ جھاڑتی ہوئی پاس آگئی۔

''پری گل نے کچھ پڑھا ہے، مطلب اسکول گئی ہے کیا؟''

''جی بیگم صاحبہ، پری گل کا داخلہ کروایا تھا میں نے، اس کے بابا کو خواہش تھی کہ میری بیٹی بہت سارا پڑھے، بہت اچھا پڑھتی تھی جی تین امتحانات میں اول آئی تھی۔'' گل مینا نے فخر سے بتایا۔

''اچھا واہ بھئی۔'' زرنگار مسکرائیں۔ اتنے میں ٹیوٹر آگئے تو زرنگار اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئیں۔ زرنگار نے اسی روز دلاور شاہ سے پری گل کی پڑھائی کے حوالے سے بات کی۔

''ہنہ..... اس طرف تو کبھی دھیان گیا ہی نہیں..... ٹھیک ہے کروادو اس کا داخلہ کسی عام سے اسکول میں۔'' دلاور شاہ نے سر ہلا کر کہا تو زرنگار نے سوچا کہ گھر کے قریب ہی چھوٹا سا پرائیویٹ اسکول ہے وہاں داخل کروادیں گی۔ پری گل کے ایڈمیشن کو لے کر مختار نے بہت ہنگامہ کیا۔

''کیا ضرورت ہے اتنی مہربانی کی، بس گھر میں رکھ لیا،

تنخواہ دیتے ہیں، کھانا پینا، رہنا سب کچھ تو ہے پھر ضروری ہے کہ تعلیم بھی حاصل کی جائے۔" جبکہ زوار اور نگین اس بات سے خوش تھے، ان کو معصوم سی پری گل بہت اچھی لگتی تھی جو بس دور دور سے دیکھ کر مسکراتی رہتی، نگین کے کام دوڑ دوڑ کر کرتی اور پھر اپنی اماں کے پہلو سے لگ جاتی، زرنگار بیگم نگین کو کپڑے جوتے وغیرہ دیتی تو وہ بہت خوش ہو جاتی، اسکول میں داخلہ لیا تو بہت خوش تھی اس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا، وہ دل لگا کر پڑھتی تھی۔

زرنگار کی ایک بڑی بہن سحر نگار بھی تھیں جو شادی کے فوراً بعد ہی شہر میں آبسی تھیں اس لیے وہ شہر کے ادب آداب سے اچھی طرح واقف تھیں جبکہ زرنگار نے بھی بہت جلدی خود کو شہری ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ اب ان کے رہن سہن، پہننے اوڑھنے اور بات چیت سے اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا کہ ایک عمر گاؤں میں گزاری ہے۔ بچوں کو تو ویسے بھی کافی سوجھ بوجھ تھی، سحر نگار کی ایک بیٹی تھی زرتاشہ انتہائی مغرور اور بدتمیز تھی وہ، زوار کی ہم عمر تھی اس کو اپنے باپ کی دولت کا بہت غرور تھا، صورت شکل عام سی تھی، کافی دن بعد سحر نگار آئی تھیں، گھر میں صبح سے ہی غیر معمولی چہل پہل تھی۔ صبح صبح زرنگار بیگم نے گل بینا کو آج کا مینو بتا دیا تھا۔ زرنگار کو اپنی بھانجی بہت عزیز تھی اور ایک ہی بہن تھیں تو ان کے آنے پر خاصا اہتمام ہوتا تھا۔

"کوئی آرہا ہے کیا آج؟" گل بینا نے پوچھا۔

"ہاں میری بڑی بہن آرہی ہے اور کچھ دن یہی رہیں گی۔" زرنگار بیگم نے کہا۔

"جی اچھا۔" گل بینا نے سر جھکا کر جھاڑو لگاتے ہوئے کہا۔

❁.....❁.....❁

"زرنگار یہ کچن میں کون عورت کام کر رہی ہے؟" سحر نگار نے گہری تنقیدی نظریں بینا پر ڈالتے ہوئے بہن سے سوال کیا۔

"یہ میڈ ہے آپا..... گھر کے سارے کام کر لیتی ہے، اس کے آنے سے بڑی سہولت ہو گئی ہے مجھے۔" زرنگار بیگم نے بینا پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر بہن کی طرف دیکھا۔

"ارے زرنگار..... کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئیں، اتنی بے فکری اور اطمینان سے کہہ رہی ہو مجھے تو تمہارے اطمینان پر حیرت ہو رہی ہے قسم سے۔" سحر نگار آنکھیں پھیلا کر قدرے تیکھے انداز میں بہن سے مخاطب ہوئیں۔

"کیا ہو گیا آپا، خیریت تو ہے، آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟" زرنگار بہن کے رویے سے پریشان ہوئیں۔

"کتنی بے وقوف ہو تم زرنگار، شہر میں رہتی ہو مگر یہاں کے داؤ پیچ اور فتنوں سے بے خبر ہو..... اتنی خوب صورت جوان اور صحت مند نوکرانی رکھ کر کیوں اپنے ہاتھوں سے برائی کو دعوت دے رہی ہو..... ایسی عورت کو دیکھ کر تو کوئی مرد بھی پھسل سکتا ہے پھر دلاور بھی تو مرد ہی ہے ناں؟"

"توبہ کرو آپا..... یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟ بہت سیدھی سادی اور معصوم ہے بیچاری، دکھی اور پریشان حال ہے، اپنے کام سے کام رکھنے والی وہ تو مجھ سے بھی غیر ضروری بات نہیں کرتی۔" زرنگار کو بہن کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"ایسے سیدھے معصوم اور بھولے بھالے لوگ جب ہاتھ دکھاتے ہیں ناں تو بڑے بڑے سورماؤں کے طوطے اڑا کر رکھ دیتے ہیں..... یوں ہر کسی پر بھروسہ مت کیا کرو..... شہر میں رہتی ہو تو یہاں کے داؤ پیچ اور ہیرا پھیری سے بھی واقف رہو، ترس کھانے سے بہتر ہے چند روپوں سے مدد کر دو اور چلتا کر دو..... ویسے بھی ایسے لوگ بڑے ڈرامے باز ہوتے ہیں۔" سحر نگار اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی رہیں۔

"آپا خوامخواہ آپ یوں پریشان مت ہوں، وہ ویسے بھی دلاور شاہ کے سامنے نہیں آتی اور ہمیشہ خود کو چادر میں چھپائے رکھتی ہے، اتنا تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے عورت کی نقل و حرکت سے اسے کام سے ہی مطلب ہوتا ہے بس۔" زرنگار بدستور اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"تم نہیں بدلو گی زرنگار..... بچپن سے ہی تم ایسی ہی ہو سیدھی سادی اور سب پر بھروسہ کرنے والی، تب ہی تو دلاور شاہ سے شادی بھی کر لی سب کچھ جانتے ہوئے بھی، اب بھی ویسی ہی ہو نہ بچوں پر سختی کرتی ہو نہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت

ہے۔"

"ارے آپا آپ کہاں پرانی باتیں لے کر بیٹھ گئیں..... اب ان باتوں کو نکالنے کا کیا مقصد ہے؟ جو بھی ہوا سو ہوا الحمدللہ آج میں دلاور کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" زرنگار نے جلدی سے بہن کی بات کاٹ کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ دلاور شاہ کے بارے میں ان کے بچوں کو کچھ پتا چلے کہ جوانی میں ان کے ساتھ کیا کیا ہوا؟

"زرنگار سب باتیں اپنی جگہ مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ تم اس پر نظر رکھا کرو..... شہر میں اس قسم کے بے شمار واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ویسے بھی تم دن میں گھر پر اکیلی ہوتی ہو اس لیے دل ڈرتا ہے، بس تم ذرا خیال رکھا کرو۔"

"کھانا لگادیں بیگم صاحب؟" آواز پر دونوں کی توجہ اس جانب مرکوز ہوئی۔

"ہاں لگادو۔" زرنگار نے جواب دیا سحر نگار نے سر سے پیر تک پری گل کو دیکھا ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"یہ کون ہے؟" پری گل کے جانے کے بعد سوال کیا۔

"یہ پری گل ہے، گل بینا کی بیٹی۔"

"اوہ..... پری گل..... واہ بھئی کیا نام رکھے ہیں تمہاری نوکرانیوں نے بھی چن چن کر۔" سحر نگار مسخرانہ قہقہہ لگا کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ زرنگار بیگم نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا دونوں بہنیں کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں، ننھی پری گل ماں کے ساتھ مل کر جلدی جلدی ٹیبل پر چیزیں رکھ رہی تھی۔

"خالہ..... یہ لڑکی کون ہے؟" زرتاشہ نے پری گل کو دیکھ کر سوال کیا۔

"یہ ہماری نئی میڈ کی بیٹی ہے۔" زرنگار نے کہا۔

"یہ کہاں سے آئی؟" زرتاشہ کے بے ساختہ سوال پر سب کو ہنسی آئی۔

"پتا نہیں کہاں سے آئی ہے؟ ہماری مما کو نہ جانے کہاں کی دریافت ہے جو مستقل ہمارے یہاں رہنے لگی ہیں اپنی والدہ کے ہمراہ..... ویسے بھی ہماری مما زیادہ ہی خدا ترس ہیں۔" مختار شاہ کے لہجے میں طنز تھا۔

"چلو بھئی کھانا اسٹارٹ کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" زرنگار نے سب کی توجہ کھانے کی جانب دلوائی تو سب کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زرتاشہ کی فطرت میں خودسری شامل تھی۔ مزاج حاکمانہ تھا۔

"اے لڑکی ادھر آؤ۔" زرتاشہ نے پری گل کو اشارہ سے اپنی طرف بلایا۔

"پری گل نام ہے اس کا۔" زوار نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے سر اٹھا کر زرتاشہ کی طرف دیکھا۔ پری گل آہستگی سے چلتی ہوئی زرتاشہ کے قریب آ گئی۔

"اوہ..... پری گل۔" زرتاشہ نے تمسخر سے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے لفظ پری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"پر..... کہاں ہیں تمہارے..... ذرا گھوم کر دکھاؤ تو سہی۔" پری گل معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سچ مچ گول گھومنے لگی۔

"ہاہاہا" سب لوگ محظوظ ہو رہے تھے۔

"زری بیٹا بری بات کھانا اسٹارٹ کرو۔" زرنگار نے ایک بار پھر کھانے کی طرف توجہ دلائی۔

"او کے خالہ۔" زرتاشہ کاندھے اچکا کر بولی۔

"یہ لو، یہ گلاس اچھی طرح دھو کر لاؤ۔" زرتاشہ نے سامنے رکھا دھلا دھلایا گلاس پری کی جانب بڑھایا۔ پری جھٹ پٹ گلاس دھو کر لے آئی۔

"گل بینا، سالن کی ایک اور ڈش لا کر ٹیبل پر رکھ دو اور تم دونوں بھی کھانا کھالو۔" زرنگار نے گل بینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے؟" سحر نگار نے ترچھی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"نہیں آپا..... یہ دونوں کچن میں کھاتی ہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ یہ لوگ بچا کھچا کھانا کھائیں، اس لیے کہتی ہوں کہ ساتھ ہی کھالیا کرو۔"

"ہاں بھئی ہماری اماں جان ہیں ناں ان کو مدر ٹریسا اپنا جان نشین بنا کر گئی ہیں، بڑی ہمدردی رکھتی ہیں سب کے لیے یہ دل میں۔" مختار شاہ مزاحیہ انداز میں بولا تو زرنگار نے اسے

ہے۔"

"ارے آپا آپ کہاں پرانی باتیں لے کر بیٹھ گئیں..... اب ان باتوں کو نکالنے کا کیا مقصد ہے؟ جو بھی ہوا سو ہوا الحمدللہ آج میں دلاور کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" زرنگار نے جلدی سے بہن کی بات کاٹ کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ دلاور شاہ کے بارے میں ان کے بچوں کو کچھ پتا چلے کہ جوانی میں ان کے ساتھ کیا کیا ہوا؟

"زرنگار سب باتیں اپنی جگہ مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ تم اس پر نظر رکھا کرو..... شہر میں اس قسم کے بے شمار واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ویسے بھی تم دن میں گھر پر اکیلی ہوتی ہو اس لیے دل ڈرتا ہے۔ بس تم ذرا خیال رکھا کرو۔"

"کھانا لگا دیں بیگم صاحب؟" آواز پر دونوں کی توجہ اس جانب مرکوز ہوئی۔

"ہاں لگا دو۔" زرنگار نے جواب دیا سحر نگار نے سر سے پیر تک پری گل کو دیکھا ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"یہ کون ہے؟" پری گل کے جانے کے بعد سوال کیا۔

"یہ پری گل ہے، گل مینا کی بیٹی۔"

"اوہ..... پری گل..... واہ بھئی کیا نام رکھے ہیں تمہاری نوکرانیوں نے بھی چن چن کر۔" سحر نگار مسخرانہ قہقہہ لگا کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ زرنگار بیگم نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا دونوں بہنیں کھانے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئیں، ننھی پری گل ماں کے ساتھ مل کر جلدی جلدی ٹیبل پر چیزیں رکھ رہی تھی۔

"خالہ..... یہ لڑکی کون ہے؟" زرتاشہ نے پری گل کو دیکھ کر سوال کیا۔

"یہ ہماری نئی میڈ کی بیٹی ہے۔" زرنگار نے کہا۔

"یہ کہاں سے آئی؟" زرتاشہ کے بے ساختہ سوال پر سب کو ہنسی آئی۔

"پتا نہیں کہاں سے آئی ہے؟ ہماری مما کو نہ جانے کہاں کی دریافت ہے جو مستقل ہمارے یہاں رہنے لگی ہیں اپنی والدہ کے ہمراہ..... ویسے بھی ہماری مما زیادہ ہی خدا ترس ہیں۔" مختار شاہ کے لہجے میں طنز تھا۔

"چلو بھئی کھانا اسٹارٹ کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" زرنگار نے سب کی توجہ کھانے کی جانب دلوائی تو سب کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زرتاشہ کی فطرت میں خودسری شامل تھی۔ مزاج حاکمانہ تھا۔

"اے لڑکی ادھر آؤ۔" زرتاشہ نے پری گل کو اشارہ سے اپنی طرف بلایا۔

"پری گل نام ہے اس کا۔" زوار نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے سر اٹھا کر زرتاشہ کی طرف دیکھا۔ پری گل آہستگی سے چلتی ہوئی زرتاشہ کے قریب آ گئی۔

"اوہ..... پری گل۔" زرتاشہ نے تمسخر سے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے لفظ پری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"پر..... کہاں ہیں تمہارے..... ذرا گھوم کر دکھاؤ تو سہی۔" پری گل معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سچ مچ گول گھومنے لگی۔

"ہاہاہا" سب لوگ محظوظ ہو رہے تھے۔

"زری بیٹا بری بات کھانا اسٹارٹ کرو۔" زرنگار نے ایک بار پھر کھانے کی طرف توجہ دلائی۔

"او کے خالہ۔" زرتاشہ کاندھے اچکا کر بولی۔

"یہ لو، یہ گلاس اچھی طرح دھو کر لاؤ۔" زرتاشہ نے سامنے رکھا دھلا دھلایا گلاس پری کی جانب بڑھایا۔ پری جھٹ پٹ گلاس دھو کر لے آئی۔

"گل مینا، سالن کی ایک اور ڈش لا کر ٹیبل پر رکھ دو اور تم دونوں بھی کھانا کھا لو۔" زرنگار نے گل مینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائیں گے؟" سحر نگار نے ترچھی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"نہیں آپا..... یہ دونوں کچن میں کھاتی ہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا کہ یہ لوگ بچا کھچا کھانا کھائیں، اس لیے کہتی ہوں کہ ساتھ ہی کھا لیا کرو۔"

"ہاں بھئی ہماری اماں جان ہیں ناں ان کو مدر ٹریسا اپنا جان نشین بنا کر گئی ہیں، بڑی ہمدردی رکھتی ہیں سب کے لیے یہ دل میں۔" مختار شاہ مزاحیہ انداز میں بولا تو زرنگار نے اسے

گھور کر دیکھا جبکہ باقی لوگوں کے چہروں پر ہنسی آ گئی تھی۔ مختار شاہ کا کاندھے اچکا کر پلیٹ پر جھک گیا تھا۔

"تمہاری ماں تو بچپن سے ہی ایسی ہے سیدھی اور بے وقوف ہے اسے اپنے اختیارات کا صحیح استعمال آج تک نہیں آیا، گل بینا یہیں کھڑی رہو..... جب تک ہمارا کھانا نہیں ہو جاتا، یہ کون سا طریقہ ہے کہ کسی چیز کی ضرورت پڑے تو تم خود اٹھ کر جاؤ لینے کے لیے۔" سحر نگار نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

"یہی بات میں مما سے ہزار بار کہہ چکا ہوں مگر مما میری سنتی کب ہیں؟" مختار شاہ کو خالہ کی شدید بھی تو وہ بھی شیر ہوا۔

"چھوڑیں خالہ، اب یہ اتنا بڑا ایشو بھی نہیں ہے، ویسے بھی ٹیبل پر ہر چیز وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔" اس بار زوار بولا تھا اسے خالہ کی مسلسل شوشے چھوڑنے والی عادت سخت ناپسند تھی۔

"ارے بھیا میں تو صرف اصول اور طریقہ بتا رہی ہوں، باقی تم لوگوں کا گھر ہے تمہاری مرضی جیسے اور جس طرح سے رہو مگر کسی کے سامنے ایسا کرو گے تو برا محسوس کرے گا، انسان کو زندگی ہمیشہ اصولوں پر گزارنی چاہیے، جو بات بہتر سمجھی وہ کہہ دی، آگے تم جانو تمہارا گھر جانے۔" سحر نگار کو زوار کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

"جی آپا، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، آئندہ خیال رکھوں گی۔" زرنگار نے بہن کا بگڑتا موڈ دیکھا تو جلدی سے کہا ان کو بہن کی ناراضگی منظور نہ تھی، سحر نگار منہ بنا کر پلیٹ کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

کھانے کے بعد گل بینا قہوہ بنا کر لے آئی، قہوہ پی کر زرنگار، سحر نگار کے ساتھ بیڈ روم کی طرف چلی گئیں۔ بچے اپنے اپنے کمروں کی طرف اور گل بینا اور پری گل نے کچن سمیٹ کر برتن دھوئے، سلیقے سے برتنوں کو شیلف میں رکھ کر دونوں اپنے کوارٹر میں چلی آئیں۔ یہ دو گھنٹے دونوں اپنے کوارٹر میں گزارتی تھیں۔ جس میں گل بینا کچھ دیر آرام کر لیتی اور پری گل پڑھائی کر لیتی تھی۔

❁.....❁.....❁

شام کی چائے سب لوگ لان میں پیتے تھے اس وقت تک دلاور شاہ بھی آ جاتے تھے، حسب معمول پانچ بجے گل بینا چائے بنا کر لے آئی، مختار شاہ اور زوار شاہ نے تھوڑے فاصلے پر ٹیبل لگا کر کیرم بورڈ لگا لیا تھا۔ نگین اور زرتاشہ بھی قریب ہی بیٹھی تھیں، نگین اس وقت انگلش کی بک کھولے کچھ یاد کر رہی تھی۔

"نگین، زرتاشہ آ جاؤ کیرم کھیلتے ہیں۔" مختار شاہ نے بورڈ کے درمیان کالی اور سفید گوٹوں کو جما کر آواز لگائی۔

"نہیں بھائی میرا کل ٹیسٹ ہے میں نہیں کھیل رہی۔" نگین نے صاف انکار کیا۔

"ارے یار، کم ان، ایک دو گیم کھیلتے ہیں یار..... پھر پڑھ لینا۔" زوار شاہ نے کہا۔

"نہیں بھئی ویری سوری، میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔" نگین نے جواب دیا۔

"اوہ یار، پھر گیم کیسے کھیلیں؟ چار پلیئر ہوں گے تو پارٹنرز کا کھیل سکیں گے ناں، ویسے تو تڑپتی ہے کھیلنے کو مگر اب بڑی پڑھائی یاد آ رہی ہے اس کو، ایک دن میں ٹاپ ہی تو کرنا ہے ناں۔ اتنے دنوں بعد زرتاشہ آئی ہے اور محترمہ کے نخرے عروج پر ہیں۔" مختار شاہ کو غصہ آ گیا۔

"پری کو لے لو ناں۔" نگین نے کچھ فاصلے پر گھاس پر بیٹھی پری کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاٹ..... نگین، اس کے ساتھ؟ وہ بھلا کھیل پائے گی گیم، بھلا اسے کیا سمجھ ہوگی کیرم کی؟" زرتاشہ نے طنز سے پری کی طرف دیکھا، پری جز بز ہوئی۔

"اوہو، تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو یار، تمہارا پارٹنر تو میں ہوں ناں آ جاؤ فٹافٹ۔" مختار شاہ نے تسلی دی تو زرتاشہ عجیب سا منہ بنا کر مختار شاہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"پری، یہاں آؤ میرے سامنے بیٹھو، ہم کیرم کھیل رہے ہیں۔" زوار شاہ نے کہا تو پری ہچکچاتے ہوئے آگے آئی۔ زرتاشہ نے منہ بنا کر طنزیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ پری زوار کے سامنے بیٹھ گئی تھی، وہیں کچھ فاصلے پر زرنگار، سحر نگار اور دلاور شاہ بیٹھے چائے پی رہے تھے، ساتھ ساتھ مختلف

موضوعات پر گفتگو بھی چل رہی تھی۔ گل بینا چائے کے برتن سمیٹ کر اندر کی طرف چلی گئی تھی۔ ویسے بھی اس کی یہی کوشش ہوتی کہ جب دلاور شاہ گھر پر ہوں تو وہ زیادہ وقت کچن میں ہی گزارے۔

کھیل اسٹارٹ ہوا زرتاشہ کو سو فیصد یقین تھا کہ اس نے اور مختار شاہ نے ہی گیم جیتنا ہے مگر جب پری کے ہاتھ میں اسٹرائیکر آیا تب اسے احساس ہوا کہ اس کی سوچ غلط تھی اسے ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی کہ پری کا کھیل اتنا شاندار ہوگا..... اسٹرائیکر پکڑنے کا مخصوص انداز اس پر کمال ہوشیاری سے کوائن کی ججمنٹ کرتے ہوئے وہ اتنی عمدگی سے کھیل رہی تھی کہ مختار شاہ کے ساتھ ساتھ زرتاشہ کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ زوار شاہ کے چہرے پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ پہلا ہی بورڈ جب بارہ کا مارا تو زرتاشہ کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہوگیا۔ دوسرا بھی بورڈ نو پوائنٹ سے مارا۔

"مختار کیا ہوگیا ہے تمہیں، اتنے برے کھلاڑی تو نہ تھے تم..... مجھے تو لگتا ہے جان بوجھ کر خراب کھیل رہے ہو تم۔" زرتاشہ نے غصہ مختار شاہ پر نکالا۔

"تو تم کون سا اچھا کھیل رہی ہو..... تم بھی تو بے کار کھیل رہی ہو گوٹی کدھر ہے اور تمہارا نشانہ کدھر ہے۔" مختار شاہ بھی جھنجلایا۔ زوار کی بات الگ تھی مگر زرتاشہ کو دو کوڑی کی نوکرانی سے کسی صورت ہارنا قبول نہ تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نوکرانی اتنا اچھا کھیل سکتی ہے، جیتنا تو درکنار بلکہ ہار بھی ایسی تاریخی ملنے والی تھی کہ زرتاشہ نے جھنجلا کر بورڈ ہی الٹ دیا۔

"نہیں کھیلنا مجھے، بکواس کھیل۔" وہ تنتناتی ہوئی اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی سحر نگار کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئی۔

"ارے..... اسے کیا ہوا، کیوں ناراض ہوگئی میری بچی..... موڈ کیوں اتنا خراب ہوگیا؟" زرنگار نے آگے بڑھ کر اس کو چمکارا۔

"کچھ خاص نہیں مما، متوقع شاندار اور جاندار ہار کا ری ایکشن ہے۔" زوار بھی پیچھے چلا آیا تھا۔ پری گل ڈر کے مارے اندر اماں کی طرف بھاگ گئی تھی۔

"چپ کرو تم زوار۔" زرتاشہ زوار پر چلائی۔

"ارے گڑیا، اس طرح ری ایکٹ نہیں کرتے کھیل میں تو اس طرح ہوتا ہے ایک ہارتا ہے تب ہی تو دوسرا جیت جاتا ہے۔ اسپورٹ میں شرط تو یہی ہے کہ بندہ اپنی جیت پر جتنی خوشیاں مناتا ہے اسی طرح اپنی ہار کو بھی خوش دلی اور کھلے دل سے قبول کرے اور اپنی اس خامی کو تلاش کرے جو شکست کا سبب بنی۔" دلاور شاہ نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"خالو، پتا نہیں آج مختار کو کیا ہوگیا تھا جو اتنا بورنگ، اتنا لوزر تو کبھی بھی نہ تھا یہ۔" اب سارا غصہ مختار پر نکالا۔

"چلو یار چھوڑو بھی۔ اپنا موڈ خراب مت کرو۔ گولی مارو کیرم کو اندر چل کر اچھی سی مووی دیکھتے ہیں۔" مختار شاہ کو اس کی ناراضگی بالکل بھی گوارا نہ تھی۔ وہ منہ بنا کر مختار شاہ کے ساتھ اندر کی طرف چل دی اور زوار ہنس دیا۔

"اللہ پاک اس لڑکی کا غصہ ختم کردے..... ذرا ذرا سی بات پر اتنی ہائپر ہوجاتی ہے کہ مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔" سحر نگار نے اسے جاتا دیکھ کر کہا۔

"ارے بچی ہے ابھی، وقت کے ساتھ ٹھیک ہوجائے گی آپا۔ دراصل اکیلی ہے ناں اس لیے لاڈ اٹھوانے کی عادت ہوگئی ہے، ویسے بھی آپ کو اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، ہم ہیں ناں فکر کرنے والے۔" زرنگار نے مسکراتے ہوئے ذومعنی بات کہی تو دلاور شاہ مسکرا دیے۔

"ہاں بھئی اللہ پاک سلامت رکھے تم سب کو۔" سحر نگار بھی مسکرائیں (آمین ثم آمین) زرنگار بآواز بلند بولیں۔

"قسم سے مختار مجھے ہارنے کا افسوس نہیں مگر یہ سوچ کر میرا خون کھول رہا ہے کہ ایک معمولی نوکرانی اتنا اچھا کھیلی، اس کے سامنے ہم لوگ، اف اتنے نحس اور ناکارہ، اپنی بے عزتی فیل کر رہی ہوں یار۔" زرتاشہ بدستور جھنجلاہٹ کا شکار تھی۔ اس نے زندگی میں ہارنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سب سے آگے رہنا چاہتی تھی۔ آج ایک ادنیٰ اور معمولی سی لڑکی سے ہارنا اس کے لیے برداشت سے باہر تھا۔

"افوہ زرتاشہ تم اتنا کیوں ہائپر ہو رہی ہو یار..... وہ کیا اس کی حیثیت کیا؟ تمہاری اس کی کیا برابری، مارو گولی اس کو، اس

کے ساتھ خود کو کیوں میچ کررہی ہو تم۔" مختار شاہ اس کی جھنجلاہٹ پر پریشان ہوا۔ تب ہی اس کو بہلانے کے لیے سر توڑ کوشش کررہا تھا۔ اس کا دھیان بٹانے کے لیے اس کی پسندیدہ مووی لگائی۔ ڈھیر ساری چاکلیٹس اس کے آگے رکھ دی۔ زرتاشہ کے موڈ کو نارمل کرنے میں مختار کو ایک گھنٹہ لگا لیکن زرتاشہ خوامخواہ معصوم پری گل سے چڑنے لگی تھی۔

اور تو اور سحر نگار بھی نہ جانے کیوں گل مینا پر گہری نظر رکھتیں، اس کا چلنا پھرنا، کام کرنا ہر چیز کا تنقیدی انداز میں جائزہ لیتیں، قدم قدم پر زرنگار کو اونچ نیچ سے آگاہ کرتیں۔

"تم بے وقوف ہو، تم تو پاگل ہو، اتنی معصومیت اور اتنا اعتماد بھی ٹھیک نہیں ہے۔ نظر رکھا کرو اس پر، تمہاری انگوٹھی ڈریسنگ ٹیبل پر کیوں پڑی تھی؟ تمہارا پرس سامنے کیوں رکھا ہے؟" وہ بہن کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرتیں اور زرنگار سر ہلا ہلا کر بہن کے خدشات کا جواب دیتیں تو کبھی ان کی بات کی تائید کرکے ان کو مطمئن کردیتیں، کچھ دن رہ کر سحر نگار اور زرتاشہ واپس چلے گئے مگر جاتے ہوئے زرنگار کو سمجھانا نہیں بھولی تھیں۔ نگین اور زوار کی دیکھا دیکھی پری گل نے مختار شاہ کو بھائی کہہ دیا تو مختار شاہ کو اس کا بھائی کہنا برا لگا تھا۔

"میں تمہارا بھائی نہیں ہوں آئی سمجھ۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"جی....." پری گل اس کے جارحانہ انداز پر ڈر گئی تھی۔

یونہی وقت کا پہیہ چلتا رہا، دن ہفتوں، ماہ اور سال میں بدلتے چلے گئے۔ کل کے بچے آج جوان ہوچکے تھے۔ مختار نے گریجویشن کرلیا تھا، زوار نے انٹر، پری گل اور نگین میٹرک میں تھیں۔ پری گل ویسے تو پندرہ سال کی تھی مگر قد کاٹھ سے بیس سال کی لگتی تھی۔ خوب صورت نین نقش، سفید رنگت اور دراز قد والی پری گل وقت کے ساتھ ساتھ مزید حسین ہوگئی تھی۔ جبکہ نگین کی عام سی شکل وصورت اور گندمی رنگت تھی، نگین کبھی کبھی پری گل سے حسد محسوس کرتی، وقت کے ساتھ ساتھ دلاور شاہ نے اپنے کاروبار کو مزید وسیع کرلیا تھا، مختار شاہ پڑھائی سے فارغ ہوئے تو دلاور شاہ نے ان کو اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کرلیا، ویسے بھی وقتاً فوقتاً وہ مختار شاہ اور زوار شاہ کو کاروباری امور سے آگاہ کرتے رہتے ان کو بھی بزنس میں دلچسپی تھی اور ادھر زرنگار بیگم کو اس بات کی جلدی تھی کہ کب مختار شاہ کاروبار میں شریک ہوں اور وہ زرتاشہ کو بہو بنا کر گھر لے آئیں۔ زرتاشہ بھی ابھی کم عمر ہی تھی اس نے انٹر پاس کیا تھا لیکن سحر نگار، بہن کی خواہش کو دیکھتے ہوئے جلد شادی کرنے پر رضامند ہوگئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

پری گل جب سے بڑی ہوئی تھی وہ زیادہ تر اپنے کوارٹر میں ہی رہتی تھی۔ کوئی کام ہوتا تو آتی جھٹ پٹ کام نبٹا کر واپس کوارٹر میں چلی جاتی، اسے پڑھائی کے ساتھ ساتھ سلائی، کڑھائی کا بھی بہت شوق تھا، سوزرنگار سے اجازت لے کر گل مینا نے پری کو سلائی کا کورس بھی کروادیا تھا، اس کا شوق اور دلچسپی ہی تھی کہ وہ وقت سے پہلے ہی سب کچھ سیکھ گئی تھی اور بڑی نفاست اور مہارت سے کٹنگ اور سلائی کرتی۔ گل مینا کی طبیعت کچھ خراب تھی نگین کی سہیلیاں ملنے آئیں تو پری چائے وغیرہ لے کر آئی۔

"نگین یہ کون ہیں، کیا تمہاری ہونے والی بھابی ہیں؟" پری گل چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو نگین کی ایک سہیلی سمجھی کہ وہ زرتاشہ ہے۔

"ارے نہیں..... نہیں، یہ تو ہماری میڈ کی بیٹی ہے یار..... یہ بھی میڈ ہی ہے، اپنی ماں کے ساتھ ہمارے ہاں ہی رہتی ہے سرونٹ کوارٹر میں، اکیلی تھیں تو ممانے ان کو رکھ لیا تھا۔" نگین نے جلدی سے وضاحت دی۔

"اچھا مگر دیکھنے میں تو اچھی لگتی ہے۔" سہیلی نے نفاست سے سلے صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس پری کو بغور دیکھتے ہوئے قدرے رازداری سے کہا۔

"دیکھو تو کتنا اچھا ڈیزائن کیا ہے سوٹ یقیناً تمہارا ہی ہوگا۔" دوسری سہیلی نے شرٹ کی ڈیزائننگ دیکھتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

"نہیں یہ اس کا اپنا سوٹ ہے۔" نگین نے اس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ واقعی اچھی ڈیزائن کیا ہوا تھا۔

"تم نے شرٹ کس سے سلوائی ہے؟" ایک سہیلی نے

آخرکار پوچھ لیا۔

"نہیں جی، میں نے خود ہی سلائی کی ہے۔" چائے کپ میں نکالتے ہوئے پری گل نے دھیرے سے کہا۔

"واؤ، بہت زبردست اسٹیچنگ کی ہے تم نے تو..... نگین دیکھو تو ذرا..... ایسا ہی ملتا جلتا ڈیزائن میں نے ٹیلر کو بتایا تھا مگر اس بدتمیز آدمی نے ستیاناس کردیا میرے اتنے مہنگے سوٹ کا..... اسے دیکھو کتنی صفائی سے اسٹیچ کیا ہے اس نے۔" نائلہ نے ستائشی نظریں پری پر ڈالتے ہوئے نگین کی توجہ پھر سے پری کے سوٹ کی جانب دلائی۔ نگین نے آج شاید پہلی بار پری گل کو اس طرح سے دیکھا تھا۔ واقعی اچھی اور مہارت سے اسٹیچنگ کی گئی تھی۔

"جی بی بی، میں نے سلائی سیکھی تھی تین ماہ کا کورس کیا ہے۔" نگین نے بتایا۔

"گڈ یار۔" نائلہ نے کہا۔

"نگین مختار بھائی کی شادی پر تمہارا مسئلہ تو حل ہوجائے گا، گھر میں اتنی اچھی ٹیلر موجود ہے، ڈیزائن دے کر سلوالینا۔ ٹیلرز کے ہاں کے چکروں سے بھی بچ جاؤ گی۔" نائلہ نے کہا تو نگین نے اثبات میں سر ہلایا۔

گھر میں مختار شاہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہوچکی تھیں۔ دونوں پارٹیاں ہی پیسے والی تھیں۔ سحر نگار کے شوہر کا بھی اپنا بزنس تھا اور اکلوتی بیٹی زرتاشہ تھی۔ سو وہاں کی تیاریاں بھی خوب زور شور سے شروع ہوچکی تھیں۔ زرتاشہ کی پسند بھی سب سے الگ تھی۔ اس کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے بات کا خیال رکھا جارہا تھا تو سسرال میں بھی ایک ایک چیز اس کی پسند اور مرضی کے مطابق خریدی جارہی تھی۔ بری کے جوڑوں سے لے کر، جیولری، شوز، شادی، ولیمے کے بھاری جوڑے، چوڑیاں گولڈ کے سیٹ، ہر چیز میں اس کی پسند شامل تھی۔ نگین کی اپنی تیاری بھی عروج پر تھی۔ بھائی کی شادی تھی تو دوسری طرف اس کی بہترین دوست بھاوج بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر آنے والی تھی۔ ویسے بھی جب بھائی کی شادی ہو اور بہن چھوٹی ہو تو اس کے نخرے دیکھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ تیاری میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہیں یہی حال نگین کا بھی تھا۔ وہ دل کھول کر شاپنگ کررہی تھی۔ کبھی کبھی پری حسرت سے زرتاشہ کی بری کا سامان دیکھتی، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی حسین کامدار بھاری جوڑے، چمکتی دمکتی حسین اور جدید فیشن کی جیولری، لمبی لمبی ہیل والی خوب صورت نازک نگینوں اور موتیوں سے سجی سینڈلز، بیش قیمت پرس، جس چیز پر نظر پڑتی آنکھیں چمک جاتیں، یا اللہ تو نے انسان تو سارے ایک جیسے بنائے ہیں، وہی ناک، کان، آنکھیں ہاتھ، پیر لیکن قسمتیں، نصیب سب کے الگ الگ بنائے ہیں۔ کسی کے نصیب میں عیش، آرام، سکون ہی سکون ہے تو کوئی دکھ، پریشانی، غربت کی چکی میں پستے پستے، دو وقت کی روٹی کی خاطر کیسے کیسے جتن کرتا ہے، کتنے عذاب جھیلتا ہے۔ کوئی ساری زندگی صرف بھاگتا ہی رہتا ہے خوشیوں کے پیچھے، سکون کی خاطر، اچھے دنوں کی آس میں زندگی تکلیف دہ سفر طے کرتے کرتے، وہ تھک ہار کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوجاتا ہے، یہی دنیا ہے اور یہی دنیا کے کاروبار۔

"دہاٹ میں..... میں اپنے کپڑے اس نوکرانی سے سلواؤ گی؟ تمہیں پتا ہے ناں میں اپنے ٹیلر کے علاوہ کسی اور سے نہیں سلواتی، اسے کیا سمجھ ہے اچھی اور جدید سلائی اور فیشن کے بارے میں؟ میرے جہیز کے کپڑے..... پتا بھی ہیں کتنے قیمتی ہیں، میں کیسے رسک لوں؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" نگین نے زرتاشہ کو پری کی سلائی کے بارے میں بتایا تو زرتاشہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"اوکے..... اوکے یار، تمہاری مرضی، تم جس سے بھی سلواؤ، یوں ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں، تمہاری مرضی سے ہی سارے کام ہوں گے۔"

"اور نگین تمہیں کیا ضرورت ہے فضول اور بے تکے مشورے دینے کی..... پتا بھی ہے زرتاشہ کتنی چوزی ہے اس معاملے میں اس کی چوائس سب سے الگ ہے۔ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو تم۔" مختار شاہ پہلے قدرے نرمی سے زرتاشہ سے اور پھر تیز لہجے میں نگین سے مخاطب ہوا۔

"چلیں بھائی ایسی بھی کوئی ٹینشن والی بات نہیں، بھابی کو نہیں سلوانا نہ سلوائیں یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔" زوار کو

مختار کا لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔ نگین جز بز ہوئی۔ زرتاشہ کو پری گل سے اللہ واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔

"کم آن زری، چلو ہم لوگ شاپنگ کرنے چلتے ہیں۔"

زرتاشہ کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر مختار نے جلدی سے آفر کی تاکہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ مختار شاہ کی آفر پر سب لوگ شاپنگ کرنے چلے گئے۔ پری گل نے بکھرے ہوئے گھر کو سمیٹا، گھر میں شادی کی تیاریاں اور عین وقت پر گل بینا کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی، گھر کے کاموں کی ساری ذمے داری پری گل پر پڑ گئی تھی۔ سارا دن کچن چکر بنی رہتی۔ گھر کے کام، کچن کی ذمے داری کے ساتھ ساتھ شادی کے کاموں میں بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا، کم از کم بکھری چیزوں کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے میں ہی آدھا دن گزر جاتا، زرتاشہ کے کپڑے بھی ٹیلر کے پاس سے آ رہے تھے۔ نگین کی سہیلیاں آ جاتی تو کپڑوں کی پیکنگ وغیرہ ہو جاتی۔ ساتھ ہی کبھی کھانے اور کبھی چائے، کولڈ ڈرنک کا دور چلتا، پری گل بھاگ بھاگ کر احکامات بجالاتی، ایک پیر کچن میں ہوتا تو دوسرا باہر..... جیسے جیسے شادی کا دن قریب آ رہا تھا تیاریوں میں اتنی ہی تیزی آ رہی تھی۔ ویسے بھی جس گھر میں شادی ہوتی ہے، دلہا دلہن کی تیاری تو اپنی جگہ مگر گھر والوں کی تیاریاں تو آخری دن تک چلتی رہتی ہیں یہی حال نگین کا تھا۔ زرنگار نے اپنی تیاریوں میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دلاور شاہ بھی دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے تھے۔ پہلے بیٹے کی شادی تھی اس لیے وہ کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے، ادھر نگین اور زرنگار کوئی بات منہ سے نکالتے ادھر وہ بات پوری ہو جاتی۔ دھیرے دھیرے شادی کے حوالے سے کام نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی ولیمے کے بہترین جوڑے زرتاشہ کی پسند کے عین مطابق تیار ہو کر آ چکے تھے۔ ہالز کی بکنگ، کھانے کے آرڈر اور دیگر انتظامات دلاور شاہ اور زوار شاہ کی ذمے داری تھے۔ مختار شاہ ویسے بھی فطرتاً لاابالی تھے۔ کسی قسم کی ذمے داری قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نہ ان میں اتنی قابلیت تھی جبکہ زوار چھوٹے ہونے کے باوجود نہایت ذمے دار اور منتظم تھے۔ ہر کام بڑے سلیقے اور ذمے داری سے نبھانے کی عادت تھی۔ عقل مندی اور دانش مندی سے سوجھ بوجھ کے ساتھ کام کرتے..... دلاور شاہ، زوار شاہ سے خاصے مطمئن بھی تھے ان کو اندازہ تھا کہ زوار شاہ کاروباری امور میں بھی مختار شاہ سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دونوں مل کر کاروبار سنبھال سکتے ہیں۔

شادی کی رسومات انتہائی شاندار طریقے سے شروع ہو چکی تھیں۔ 'دلاور ولا' کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ نگین جھالروں سے جگمگ جگمگ پھوٹتی روشنی ماحول کو متحرک کر رہی تھی۔ لان کے درختوں اور ننھے پودوں پر بھی چھوٹی چھوٹی جلتی بجھتی لائٹیں لگا کر سارے لان کو بقعہ نور بنا دیا گیا تھا۔ موتیا اور گلاب کے پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ آج مایوں مہندی کی رسم گھر کے لان میں ہی کی گئی تھی۔ شام سے ہی لان کو سجا دیا گیا تھا۔ موتیا اور گلاب کی مہک سے لان کی خوب صورتی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مہندی کے تھال سجانے کی ذمے داری پری گل کی تھی۔ وہ بڑے بڑے پیتل کے تھالوں میں مہندی جمائے اس پر افشاں، ستاروں اور نگینوں سے نقش و نگار بنا رہی تھی۔ تھال میں چھوٹی چھوٹی موم بتیاں لگا کر آخری بار تھال کا جائزہ لیا، بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ موم بتیوں کو ماچس دکھائی ساری موم بتیاں جگمگانے لگیں۔ باہر لان میں زرتاشہ آ چکی تھی۔ مختار شاہ کے دوستوں نے فائرنگ کر کے تقریب کا آغاز کیا۔ آج زرتاشہ نے اورنج لہنگا چولی جس پر گرین گوٹے اور سلمیٰ ستاروں کا کام تھا وہ پہنے ہوئے تھی۔ لمبے بالوں میں ریشمی پراندا ڈالے گرین اور ریڈ سلک کی فل گوٹے والی چنری سر پر پہنے موتیا اور گلاب کے پھولوں کے زیور میں اچھی لگ رہی تھی۔ جبکہ نگین نے اسی طرح کا یلو اور پرپل ڈریس پہنا تھا۔ زرنگار نے پری گل کو سادہ سا یلو سلک کا سوٹ بنوا دیا تھا جس پر ہلکا سا کام تھا اس پر جارجٹ کا پرنٹڈ دوپٹا سر پر اوڑھے وہ موم بتیاں سیٹ کر رہی تھی کہ زوار مہندی کے تھال لینے اندر آیا..... مہندی کے تھال کے پیچھے موم بتیوں کی لو میں دمکتا سرخ و سفید میک اپ سے بے نیاز دوپٹے کے ہالے میں پری گل کا چہرہ چاندنی رات میں آسمان پر چمکتے اس چاند کی مانند محسوس ہوا جس کی روشنی سے آنکھیں چندھیاں جاتیں، زوار شاہ ایک لمحے کو ٹھٹکا..... اس کی آنکھوں کا مرکز

دوپٹے کے ہالے میں چمکتے چہرہ پر تھا..... پری دنیا و مافیہا سے بے خبر سر جھکائے موم بتی ٹھیک کر رہی تھی اور زوار یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا..... آج پہلی بار زوار نے یوں آنکھ بھر کر پری کو دیکھا تھا..... کبھی کبھی ساری زندگی ایک لمحے میں قید ہو کر رہ جاتی ہے، لمبا اور طویل سفر ایک لمحے پر محیط ہو جاتا ہے، نہ چاہتے ہوئے، لاکھ خود کو بچاتے ہوئے بھی انسان ایک لمحے میں قید ہو کر رہ جاتا ہے، وقت تھم جاتا ہے اور لمحے بے بس ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی وہ لمحہ تھا، یہی وہ گھڑی تھی کہ زوار شاہ کے مضبوط قدم ایک لمحے کے لیے ڈگمگائے تھے..... دل بہت زور سے دھڑکا، نظروں نے بغاوت کی..... دماغ مچلنے لگا، نہ چاہتے ہوئے بھی زوار نے کیمرے میں وہ لمحہ قید کر لیا۔ پری موبائل کی روشنی سے چونکی۔

"دیکھیں..... زوار بھیا اچھا لگ رہا ہے ناں تھال؟" وہ سمجھی زوار نے تھال کی تصویر لی ہے۔

"آں..... ہاں..... بہت اچھا، بہت خوب صورت۔" وہ بے ساختہ بولا تو پری مسکرا دی۔ اف زوار شاہ نے سر جھٹکا۔

"وہ مما کہہ رہی ہیں تھال لے کر باہر آ جاؤ۔" جلدی سے کہہ کر وہ تیزی سے واپسی کے لیے پلٹا۔

"اچھا جی۔" پری نے دوپٹا دوبارہ سے سر پر ٹھیک کیا اور مہندی کا تھال لیے باہر کی طرف آ گئی۔ گو کہ مہندی کے فنکشن میں زیادہ لوگ نہیں تھے، رشتے دار خاص تھے نہیں..... سحر نگار کے سسرال کے چند افراد تھے، باقی دونوں جانب سے دوست، احباب اور کاروباری حضرات تھے جو کہ دلاور شاہ کے حوالے سے آئے تھے۔ ان لوگوں نے شرکت کی، زرتاشہ اچھی لگ رہی تھی۔ مختار شاہ نے دھانی کرتا اور وائٹ پاجامے پر چنری گلے میں ڈال رکھی تھی۔ فنکشن نے عروج پکڑا..... رسم کے بعد ہلا گلا اور طوفان بدتمیزی کا دور چل رہا تھا..... دلہا دلہن کے ساتھ دوست اور نگین اور اس کی سہیلیاں بھی لڈی ڈال رہی تھیں جبکہ نوجوان لڑکے بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ عجیب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ دلاور شاہ کے ساتھ ساتھ زرنگار، سحر نگار اور ان کے شوہر خادم حسین بھی عمروں کا لحاظ کیے بغیر اس شور شرابے کا حصہ بن گئے تھے۔ گل بینا سوفٹ ڈرنک اور دیگر لوازمات مہمانوں میں وقتاً فوقتاً پیش کر رہی تھیں۔ پری گل کچھ دیر کے لیے نسبتاً کونے کی کرسی پر آ بیٹھی..... ابھی کھانا لگنے کا کوئی امکان نہ تھا، کوئی بھی اس ہنگامہ خیزی کو ختم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کچھ لوگ اپنے اپنے کیمروں میں یہ تماشے قید کر رہے تھے۔ پری گل ایسے ماحول اور شور و غل میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ دل کر رہا تھا کہ کوارٹر میں چلی جائے مگر کسی کو کام نہ پڑ جائے یہ سوچ کر مجبوراً کونے کی کرسی پر ٹنگ گئی تھی۔

"ارے تم..... یہاں پر اکیلی کیوں بیٹھی ہو..... اتنا مزا آ رہا ہے وہاں پر..... تم بھی آ جاؤ، انجوائے کرو یار، میں تمہیں دور سے دیکھ رہا تھا اسی لیے تمہیں بلانے آ گیا..... تم..... تم مختار کی کزن ہو کیا؟ پہلے دکھائی نہیں دیں کبھی۔" اس قدر بے تکلفی سے مخاطب کیے جانے پر وہ چونکی اور مخاطب کی جانب دیکھا، سامنے کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے دراز قد اور شکل سے قدرے عیاش لگنے والے نوجوان کو دیکھ کر گھبرائی..... بیش قیمت کپڑوں، بہترین گھڑی اور اس کے وجود سے اٹھتی غیر ملکی پرفیوم کی مہک سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پری گل گھبرا کر کھڑی ہوئی..... وہ کتنی بے تکلفی سے مخاطب تھا۔

"جی نہیں..... میں ڈانس نہیں کرتی..... ایکسکوزمی۔" اس نے اٹھ کر گل بینا کی جانب جانے کا ارادہ کر کے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"اوہ کم آن یار، میری ڈانس پارٹنر بنو گی؟" نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کی نرم و ملائم کلائی اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لی، پری گل سر سے پیر تک کانپ گئی۔ اس کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی، اجنبی مرد کے ہاتھوں میں اس کا برف جیسا ہاتھ مچل رہا تھا..... گرفت خاصی مضبوط تھی۔

"یہ تو بتاؤ تمہارا نام کیا ہے..... حسینہ، چندا؟ تمہارے حسن کے عین مطابق۔" وہ پری گل کی بدحواسی پر مسکرایا، وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سب مگن تھے۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" وہ تھوڑے تیز لہجے میں بولی..... شاید نوجوان کی نظر سحر نگار پر پڑ گئی تب ہی گرفت ڈھیلی کی اسی

لمحے پری نے پوری قوت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور بے ساختہ پری کا ہاتھ نوجوان کے منہ پر جا لگا۔

"اوہو..... سوری۔" وہ گھبرا گئی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو تم؟ بجائے کام کرنے کے یہ کیا ہو رہا ہے یہاں پر..... جاؤ زرنگار تمہیں بلا رہی ہے۔" سحر نگاہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا انہوں نے تو کچھ اور دیکھا بھی نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ غفران سے باتیں کر رہی ہے۔

"آنٹی جی، یہ اکیلی بیٹھی تھیں تو میں خود ہی آیا تھا اس کو ڈانس پارٹی میں لے جانے کے لیے۔" غفران نے جلدی سے کہا۔

"ڈانس.....؟" سحر نگار نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "بیٹا یہ میڈ ہے اس گھر کی۔"

"اوہو....." غفران نے ہونٹ سکیڑ کر ناک چڑھا کر پری گل کی طرف دیکھا، پری گل تیزی سے زرنگار کی طرف بھاگ رہی تھی۔

"چلو کھانا لگ رہا ہے۔" سحر نگار نے کہا تو غفران ان کی جانب متوجہ ہوا۔ اس دو فٹ کی لڑکی نے غفران کی بری طرح سے بے عزتی کر دی تھی۔ غفران سر ہلاتا ہوا مختار شاہ کی طرف بڑھ گیا۔ اسٹیج پر زرتاشہ بیٹھی تھی اس وقت سب لوگوں کی توجہ کھانے کی جانب تھی اور زرتاشہ بھی کھانے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ کھانا لگ جاتا تو مختار شاہ اور وہ ساتھ کھانا کھاتے۔

"آجاؤ غفران..... انجوائے کر رہے ہو ناں فنکشن کو؟" اپنی جانب آتا دیکھ کر زرتاشہ نے غفران کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہاٹ..... تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا غفران؟ اتنی گھٹیا اور عام سی لڑکی پر فریفتہ ہو گئے ہو، اتنا گھٹیا معیار ہے تمہارا..... وہ دو کوڑی کی لڑکی کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت کیا تھی تم کو..... وہ اس قابل نہیں۔" غفران نے آہستہ سے جانے کیا کہا کہ زرتاشہ تو ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔ اچھی خاصی کلاس لے لی، زرتاشہ کو پری پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا کہ اس نے غفران سے سیدھے منہ بات نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا، اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ میرے کزن سے ایسا بی ہیو کرے، زرتاشہ نے اس بات کو خوب اچھالا اور رات کو پری سب کے درمیان نظریں جھکائے سہمی کھڑی تھی۔

"شرم نہیں آئی تم کو..... آخر تم نے کیا سوچ کر غفران سے بدتمیزی کی؟ زرتاشہ کا کزن کروڑ پتی انسان ہے، تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ یوں روڈلی بی ہیو کرو۔" مختار آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

"میں..... میں..... نے..... تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا جی۔" پری گل خوف زدہ لہجے میں منمنائی۔

"بکواس بند کرو اپنی، تم بہت پارسا ہو..... سچی بات کرنے والی پتا نہیں کیوں مما نے یہ مصیبت پال رکھی ہے گھر میں..... کتنی بار کہا ہے کہ کسی بھی ادارے میں بھیج دیں، بیسیوں ادارے ہیں جہاں ایسے لوگ رہتے ہیں مگر پتا نہیں مما کو کیا انسیت ہے اس سے۔" مختار نے نفرت سے پری کو دیکھتے ہوئے کہا اور جملے کے اختتام پر ماں پر گہری نظر ڈالی۔ غصہ تو زرنگار بیگم کو بھی آ رہا تھا۔

"ارے بھائی اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے اگر غفران نے اسے کزن سمجھ کر بات کر لی اور پری نے اپنی حیثیت کو جانتے ہوئے معذرت کر لی تو اس میں زرتاشہ کو بھی اتنا سیریس ہونے کی ضرورت نہیں..... بات کو ختم کر دیں اب۔" واحد زوار شاہ تھا جس نے پری کی حمایت میں آواز اٹھائی تھی۔

"مما..... پلیز اس سے کہیں کہ آج کے بعد اس کو شادی کے فنکشن میں شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں یہ گھر پر رہے گی بس۔" مختار نے زوار کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا۔

پری گل اپنی روپے کی معافی مانگ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، گل بینا نے بھی اسے آڑے ہاتھ لیا تھا۔ دو دن بعد بارات تھی اور مختار کا موڈ اس لیے بہت زیادہ خراب تھا کہ زرتاشہ کا موڈ پری کے رویے سے آف ہو گیا تھا۔ مختار کا بس چلتا تو پری کو گولی سے اڑا دیتا جس نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ بھی ہو گیا تھا کہ کوئی

بھی معمولی سا رشتہ دیکھ کر پری گل کو پہلی فرصت میں رخصت کر دیا جائے کیونکہ پری کی خوب صورتی اس کے لیے وبال بن چکی تھی۔ گل مینا خود بہت پریشان تھی جوان بیٹی کے ساتھ کہاں خوار ہوتی پھرتی۔ دنیا تو ویسے بھی انسانوں سے زیادہ بھیڑیوں سے آباد ہے۔ جہاں پر خوب صورتی اور جوانی لڑکی کے لیے اس وقت عذاب بن جاتی ہے جب اس کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو یا بھائی کا، ماں کا ساتھ نہ ہو ایسے میں لڑکی کا زندہ رہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر جانب گھات لگائے بیٹھے شیطان صفت لوگ موقع کی تلاش میں رہتے کہ کب موقع ملے اور کب وہ اپنا شکار پھانس لیں۔ یہی حال گل مینا اور پری گل کا بھی تھا۔ یہاں پر کم از کم عزتیں تو محفوظ تھیں۔ رہنے کو چھت تھی، پری کا کالج میں آخری سال تھا۔ گل مینا نے سوچ رکھا تھا جیسے تیسے یہ سال مکمل ہو جائے پری گل کو کسی غریب مگر شریف لڑکے سے کوئی ٹھیلے والے، کوئی ریڑھی لگانے والا، مزدور کوئی بھی جو عزت سے رکھ سکے اس کے ساتھ پری گل کی شادی کر کے خود ایدھی سینٹر چلی جائے گی۔

بارات کی تیاریاں خوب زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ گل مینا تو بارات کے ساتھ جانے والی تھی مگر کسی بھی حادثے کے پیش نظر پری کا داخلہ منع تھا سو اسے گھر پر رہ کر بارات کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ ویسے بھی پری گل کو کون سا شوق تھا ایسے فنکشنز میں جانے کا، جہاں جا کر اپنی کم مائیگی کا احساس دو چند ہو جاتا تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا، اسے کہاں ادب و آداب آتے تھے سو وہ گھر میں ہی خوش تھی۔

مختار تیار ہوا تو علاقہ فائرنگ، پٹاخوں اور پھلجھڑیوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ مختار کے دوستوں نے مل کر خوب طوفان بدتمیزی مچا رکھا تھا۔ ناچ گانا، اچھل کود اور ہنگامے کے ساتھ بارات روانہ ہوئی۔ پری گل کمرے کی کھڑکی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ دولت کے نشے میں انسان کتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اسے صحیح غلط کا فرق بھی سمجھ نہیں آتا۔ یوں محرم، نامحرم اکٹھے مل کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے لڈیاں ڈال رہے تھے، ڈانس کر رہے تھے کسی نیک کام کی شروعات اللہ پاک کے بابرکت نام سے ہونی چاہیے، دو رکعت نماز ادا کر کے رب کے حضور شکرانے بھیج کر اللہ کے سپرد کر کے اور آنے والے دنوں کی خوشیوں، مسرت، محبت اور سکون کے لیے دعائیں مانگ کر اللہ پاک پر کامل یقین اور بھروسے کے ساتھ ابتدا کرنے سے اللہ پاک کام میں برکت، کشادگی اور سکون عطا فرماتا ہے، دلوں میں محبت، خلوص اور ایک دوسرے سے باہمی ہم آہنگی کے راستے بحال کرتا ہے۔

بارات جا چکی تھی۔ پری گھر میں اکیلی رہ گئی تھی۔ مین دروازے پر چوکیدار تھا ورنہ اتنے بڑے گھر میں پری اکیلی اپنے کوارٹر میں تھی۔ اسے ڈر بھی محسوس ہو رہا تھا مگر مالکان کا جو آرڈر تھا وہ ہر حال میں ماننا تھا۔ سو وہ بھی بارات کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ وقت گزاری کے لیے پرانی کتاب اٹھالی تب ہی اس کا سیل بجنے لگا۔ نمبر انجانا تھا مگر کسی گھر والے کا بھی ہو سکتا تھا شاید کوئی ہدایت، کوئی اہم بات بھی ہو سکتی تھی اس لیے ناچاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم!" عادتاً کہا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو حسینہ چار سو بیس؟" دوسری جانب چہکتی مردانہ آواز پر وہ چونکی۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟" اس نے سنبھل کر سوال کیا۔

"اوہ جان من تم سے ہی تو بات کرنی ہے اور کس سے بات کریں گے۔" انداز عامیانہ تھا، پری گل کے اوسان خطا ہو رہے تھے، اس نے گھبرا کر جلدی سے کال کاٹ دی۔

"یہ..... یہ کون..... کون ہو سکتا ہے؟ اتنا گھٹیا انداز۔" وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ بیل دوبارہ بجی نمبر دوسرا تھا، پری بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"یا اللہ کیا کروں؟" بیل مسلسل بج رہی تھی۔ "اگر تو کوئی گھر والا ہوگا تو؟ یا اللہ رحم کرنا۔" پری نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل تھاما۔

"پری گل..... پری گل ہی نام ہے ناں تمہارا اور تم..... اس وقت اکیلی بھی ہو..... کیوں نہ میں آجاؤں کمپنی دینے، بہت ٹائم ہے ہمارے پاس..... اچھا تو میں آرہا ہوں..... ہاہاہا..... غفران آرہا ہے۔" کال بند ہوگئی، پری گل تھر تھر

کانپنے لگی۔

"یا اللہ اگر وہ سچ مچ آ گیا تو؟ یا اللہ پاک میری مدد فرما میرے مالک۔" تھر تھر کانپتے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ یہ..... یہ کیسی مصیبت آن پڑی تھی، کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

"یا اللہ سب لوگ جلد واپس آ جائیں۔" کچھ بھی نہیں سوجھا تو وضو کر کے جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی اور اپنی عزت کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا اسے اپنے موبائل سے خوف آ رہا تھا..... خوف اور دہشت سے برا حال تھا، گھڑی کی ٹک ٹک سے بھی چونک کر ادھر ادھر دیکھتی، کاش اماں بھی نہیں جاتیں، برے وقت میں اللہ کے بعد ماں کی ہی یاد آتی ہے۔ پری بھی اللہ پاک سے دعائیں مانگ رہی تھی، ماں کو یاد کر رہی تھی، وقت جیسے تھم گیا تھا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی پر محیط لگ رہا تھا۔ یہ کیسی سزا تھی؟ رات کے دو بجے باہر شور بلند ہوا..... بارات واپس آ گئی تھی۔ ایک بار پھر اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ مطلب تھا کہ دلہن کو لے کر آ گئے۔

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" پری کی جان میں جان آئی۔ دل کا بے تحاشہ دھڑکنا قدرے کم ہوا تو ہمت کر کے پہلے کھڑکی سے جائزہ لیا، بے شمار گاڑیوں کے درمیان سجی سجائی گاڑی آ کر رکی تھی۔ مووی کیمروں کی روشنی سے پہلے سے روشن ماحول مزید روشن ہو گیا تھا، گاڑی کا دروازہ کھلا پہلے مختار اور پھر مختار کے سہارے سے زرتاشہ بھاری بیش قیمت شرارہ سنبھالتی گاڑی کے دروازے سے باہر نکلی۔ مختار نے پوری طرح بانہوں کا سہارا دے کر اسے اترنے میں مدد دی دیگر گاڑیوں سے نگین، زرنگار بیگم اور مختار کے دوست بھی اترے..... مختار کی دوسری جانب زوار تھا، زرنگار بیگم نے پہلے سے کھڑے چار سیاہ بکروں کو دلہا دلہن کے قریب لا کر صدقے کی رسم ادا کروائی، پری کی نگاہ زوار کے پیچھے گئی تب اس کی نگاہوں میں خوف سمٹ آیا، غفران گاڑی سے اترا اور نگاہ ادھر ادھر دوڑائی جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ پری کی جان نکل گئی، اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں، غفران سے بے تحاشہ خوف آ رہا تھا۔ ایک ایک کر کے گھر والے اندر آ رہے تھے۔ پری کو خیال آیا کہ اگر وہ کمرے سے باہر نہ نکلی تو یقیناً زرنگار بیگم ناراض ہوں گی اس لیے بادل ناخواستہ سر پر دوپٹا اچھی طرح لپیٹ کر وہ ڈرتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی، ڈرائنگ روم میں گھر والے جمع تھے اور دلہن کی رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔

"پری گل فرج سے کھیر کا باؤل نکال کر لاؤ۔" اس پر نظر پڑی تو زرنگار بیگم نے کہا۔

"جی اچھا۔" وہ دوڑ کر فرج سے کھیر کا بڑا سا پیالہ نکال لائی۔ مختار اور زرتاشہ کو صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔ مختار کے دو تین دوست پیچھے کھڑے تھے۔ زوار بھی تھا۔ نگین بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ غفران کچھ فاصلے پر کھڑا گہری نظروں سے پری کو دیکھ رہا تھا۔ پری ایک طرف سمٹ کر کھڑی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" زرتاشہ نے زعفران، بادام پستوں سے سجا ہوا چاندی کے ورق لگے کھیر کے پیالے کو دیکھ کر ناک چڑھائی۔

"یہ..... یہ رسم ہے..... زری بیٹا..... کھیر کھلانے کی..... دلہا اور دلہن ایک دوسرے کو کھیر کھلاتے ہیں۔" زرنگار بیگم نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ نہیں..... بالکل بھی نہیں..... پہلے ہی بہت تھک چکی ہوں..... مووی کیمرے اور روشنیوں سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے، میں یہ نہیں کھا سکتی وومٹ ہو جائے گی مجھے۔ الجھن ہو رہی ہے، پلیز مختار روم میں چلیں..... بس۔" زرتاشہ نے منہ بنا کر صاف انکار کرتے ہوئے مختار کی طرف دیکھ کر کہا..... اس کے لہجے میں بے زاری اور اکتاہٹ نمایاں تھی۔

"ارے ارے..... نہیں بھئی..... ابھی تو روم میں جانے سے پہلے بھی رسم کرنی ہے مجھے..... بھیا کی جیب خالی کروا کر روم میں جانے دوں گی میں۔" نگین نے شوخ لہجے میں کہا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ زرتاشہ اس قدر بیزار ہو رہی ہے۔

"افوہ..... یہ لو بھئی۔" زرتاشہ نے ہاتھ میں پکڑا اپنا کلچ نگین کی طرف اچھال دیا۔ "یہ پکڑو سارے پیسے رکھ لو مگر پلیز

یہ فضول سی رسومات میں مجھے مت گھسیٹو، بہت تھک چکی ہوں اب آرام کرنا ہے مجھے۔" زرتاشہ نے نہایت بدتمیزی سے کہتے ہوئے کلچ نگین کی جانب اچھالا تھا، نگین کے ساتھ ساتھ زرنگار بیگم حیرت سے منہ کھولے اس نئی نویلی دلہن کو دیکھ رہی تھیں۔ زوار کو بھی زرتاشہ کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی تب ہی وہ خاموشی سے بنا کچھ کہے اٹھ کر باہر کی طرف نکل گیا۔

"او کے آنٹی میں چلتا ہوں..... میں سمجھ رہا تھا آج جملہ گلہ ہوگا تب ہی آ گیا تھا۔" غفران نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور کن انکھیوں سے پری کو دیکھتے ہوئے زرنگار بیگم سے اجازت چاہی۔

"او کے بائے۔" سب سے پہلے زرتاشہ بولی مختار اس کا ہاتھ تھام کر روم کی جانب بڑھ گیا۔ نگین اور زرنگار بیگم ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

"پری میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔" زرنگار بیگم کا سر درد کرنے لگا تھا۔

"جی اچھا۔" پری کچن کی طرف بڑھ گئی۔ گل مینا لاؤنج میں رکھا سامان سمیٹنے لگی۔ زوار تھوڑی دیر بعد اندر آیا تو پری چائے تیار کر چکی تھی۔ وہ بھی لاؤنج میں ماما کے پاس بیٹھ گیا۔ نگین بھی کھینچ کر کے آ گئی۔ مختار اور زرتاشہ اندر کمرے میں تھے۔ چائے ختم ہوئی تو پری چائے کے برتن سمیٹ کر کچن کی جانب بڑھی۔

"پری....." تب ہی مختار کمرے سے نکلا۔

"جی بھیا۔" آواز پر پری تیزی سے پلٹی۔

"زری تمہیں بلا رہی ہے۔" مختار نے کہا۔ پری ٹرے کچن میں رکھ کر جلدی سے مختار کے روم کی جانب دوڑی۔

"اے لڑکی گرم پانی لے کر آؤ اس میں نمک شامل کر دینا میرے پیروں پر ڈالنا ہے۔" زرتاشہ کا انداز بہت ہتک آمیز تھا۔

"جی بہتر۔" پری اسی تیزی سے واپس پلٹی۔

"کیا ہوا بیٹی؟" زرنگار بیگم بھی آ گئی تھیں۔

"پیروں میں تکلیف ہو رہی ہے خالہ جی..... گرم پانی کا مساج کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔" زرتاشہ نے زیورات اتارتے ہوئے کہا۔

"اوہو تھکن ہو گئی ہے تمہیں بہت زیادہ۔ چلو ٹھیک ہے مساج کر کے آرام کرو تم۔" زرنگار بیگم نے کہا اور کمرے سے باہر جانے لگیں۔ اسی وقت پری گرم پانی اور ٹب لے کر کمرے میں آئی۔ زرتاشہ نے شرارہ گھٹنوں تک اوپر اٹھایا اور سرک کر بیڈ کے کونے تک آ گئی۔

"ٹب یہاں رکھو میرے پیروں کے نیچے اور آہستہ آہستہ پانی ڈال کر میرے پیروں کا ہلکے ہلکے مساج کرو۔"

"جی اچھا۔" پری اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور نرم نرم ہاتھوں سے ہلکے ہلکے مساج کرنے لگی۔ مساج کر کے نرم تولیے سے اچھی طرح پیروں کو صاف کیا اٹھا کر پیروں کو بیڈ پر رکھا، پری کی آنکھیں نم تھیں، زرتاشہ کا انداز شاہانہ تھا۔ اس کے چہرے پر تفاخر تھا۔ پری کے لیے اس کی آنکھوں میں ہتک تھی۔

"ڈریسنگ ٹیبل سے نیل کلر ریموور لے کر آؤ اور میرے پیروں کی نیل کلر صاف کرو۔" پری ٹب لے کر اٹھنے لگی تو زرتاشہ نے نخوت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا....." ٹب واش روم میں رکھ کر وہ ریموور لے آئی اور نیل کلر صاف کرنے لگی، مختار سامنے صوفے پر بیٹھا والہانہ انداز میں زرتاشہ کو دیکھ رہا تھا، ساتھ ساتھ بے چین بھی تھا، زرتاشہ مطمئن انداز میں پری سے کام کروا رہی تھی اور اسے وقت کا احساس نہیں تھا۔ پری گل خود بھی اس ماحول میں خود کو عجیب سا محسوس کر رہی تھی مگر پری گل کے ساتھ ساتھ مختار بھی مجبور تھا۔ مبادا نئی نویلی دلہن ناراض نہ ہو جائے۔ پری گل ان کے روم سے باہر آئی تب رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے، گل مینا بھی سو چکی تھی۔ جبکہ گھر کے باقی افراد بھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اتنی دیر تک جھک جھک کر مساج کرنے سے پری کی کمر بھی دکھنے لگی تھی۔ ایک نظر کچن پر ڈال کر لائٹس آف کر کے وہ اپنے روم میں آ گئی..... گل مینا بھی سارا دن بے حد مصروف رہی تھی اس لیے تھک کر اب گہری نیند سو رہی تھی۔ پری گل بھی اپنے بستر پر لیٹ گئی..... تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔

"کیا حسن دیا ہے مولا نے تمہیں، ایمان سے شادی پر اتنی لڑکیاں دیکھیں مگر جو بات تم میں ہے وہ..... وہ کسی میں نہیں، ایک ایک چیز اللہ پاک نے فرصت سے بنائی ہے یارا..... صرف اور صرف تمہیں دیکھنے آیا تھا، تم شادی پر آئی نہیں تھیں مزا آ رہا ہے ناں مجھے تڑپا کر..... سوچ لو..... سوچ لو اگر میں، میں خود آ جاتا تم سے ملنے تو..... تو کتنا مزا آ جاتا تمہیں..... ہاہاہاہا..... آؤ گا تو ضرور صرف اور صرف تم سے ملنے..... ہاہاہاہاہا۔"

"اف....." گھبرا کر جلدی سے موبائل آف کر دیا، پلٹ کر گل بینا کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی۔

"یا اللہ....." وہ سر سے پیر تک پسینے میں نہا گئی، خوف سے اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ "یہ..... یہ کیا..... کہہ رہا تھا وہ..... یا اللہ یہ کیسی مصیبت سر پر آ پڑی ہے، کاش میں مہندی میں نہیں جاتی، یہ شخص، کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟ کس سے کہوں، کس کو بتاؤں، کس سے مدد مانگوں..... کون..... کون میری بات کو سچ سمجھے گا؟ کون یقین کرے گا اور اس کا سیل نمبر؟ اس خبیث تک کیسے پہنچا؟ کس سے فریاد کروں سوائے رب کے۔" نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وسوسے اور اندیشے ساری رات اسے ڈراتے اور ستاتے رہے، ہر آہٹ پر وہ چونک جاتی، گھبرا کر گل بینا سے لپٹ کر آنکھیں موند لیں، ماں کے سینے سے لگی تو نہ جانے کب نیند کی دیوی بھی مہربان ہو گئی تھی۔

صبح پری کی آنکھ کھلی تو گل بینا بھی اٹھ چکی تھی۔ دونوں ماں بیٹی ہاتھ منہ دھو کر کچن کی طرف آ گئے..... مینو تو پہلے سے طے شدہ تھا آج زرتاشہ کے گھر سے بھی ناشتہ آنے والا تھا۔ کچھ ان لوگوں نے بنانا تھا۔ پری گل لان میں آ گئی تاکہ تازہ پھولوں کو جمع کر کے گلدستہ بنائے صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لان میں کھلے پھولوں کے معطر جھونکے ماحول بہت خوب صورت محسوس ہو رہا تھا۔ لمبی لمبی سانسیں لے کر خوشبو اپنے اندر اتاری اور پھر گلاب کے پودوں کی جانب بڑھی..... زوار نیند سے بیدار ہوا تو حسب معمول اٹھ کر سب سے پہلے لان کی جانب کھلتی کھڑکی کا پردہ سرکایا..... صبح اٹھنے کے بعد سب سے پہلے وہ یہی کام کرتا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی لان کا ہرا بھرا منظر..... تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اپنے اندر توانائی محسوس کرتا تھا..... پردہ سرکایا تو پھولوں کے درمیان پری گل، پنک اور گرین کمبینیشن والے شلوار سوٹ میں دوپٹا سر پر پھیلائے..... تازہ اور کھلی کھلی سی زوار کی نگاہ اس پر پڑی تو کچھ دیر وہ پری کو تکتا رہا، بے ساختہ اور بے دھیانی میں ایسا دوسری بار ہوا تھا کہ زوار نے اتنے غور سے پری کو دیکھا تھا..... پری کو دیکھ کر زوار کا دل کچھ عجیب انداز میں دھڑکا تھا، وہ بھی تو ایک لڑکی تھی..... چھوٹی چھوٹی خواہشات دلوں میں رکھنے والی لڑکیوں کی طرح..... اس کے سینے میں بھی گوشت پوست کا ویسا ہی دل ہوگا جو ایک بے فکر اور لاابالی لڑکی کے سینے میں ہوگا، خواہشات کرتا، مرضی چلاتا اور آسائشات میں پلنے والا، اپنی خواہشات کی تکمیل پانے والا..... خوش باش، بے فکر اور آزاد دل لیکن یہ لڑکی کچھ اللہ کی طرف سے آزمائشوں میں گھری ہوئی تھی..... آج کل گھر والوں کے عتاب کا شکار ڈری سہمی اور سب کی باتیں لعن طعن برداشت کر رہی تھی..... زوار کو پری پر ترس آ رہا تھا مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا..... حالات ہی کچھ اس طرح کے چل رہے تھے کہ وہ خود کو بھی بے بس ہی سمجھ رہا تھا۔ ٹھنڈی سانس بھر کر زوار پلٹا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کی طرف آیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

سعید

www.naeyufaq.com

اعتبارِ وفا

حنا اشرف

اس نے اسٹیڈی روم میں دبے قدموں سے قدم رکھا تو ہال میں گونجتی آواز نے اس کو ساکت کر دیا اور وہ سکون سے بیٹھ کر سننے لگی۔

"دنیا میں جہاں بہت سی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو بغیر کسی وجہ کے دوسروں میں خوشیاں پھیلانے کی کوشش میں ہمہ وقت تیار رہتے ہیں وہیں پہ بہت سی تعداد ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جن سے دوسروں کی خوشیاں برداشت سے باہر ہوتی ہیں، وہ لوگ حسد کی اس آگ میں جل رہے ہوتے ہیں جو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر ڈالے اور پھر اس راکھ کو کریدنے کے باوجود اس سے کچھ نہ نکلے۔ ایسے لوگ کہیں پہ ہمارے درمیاں ہی موجود ہوتے ہیں اور موقع دیکھتے ہی اپنا وار کر ڈالتے ہیں، ہمیں خود ہی سنبھل کر ایسے لوگوں سے بچنا ہوگا۔ اپنا شمار ان لوگوں میں کریں جو خیر خواہی کے لیے کوشاں ہوں، بغیر کسی مطلب اور بغیر کسی صلے کے۔" کوئی موٹیویشنل اسپیکر تھی جو اپنی خوب صورت آواز اور لہجہ سے وہاں بیٹھی تمام لڑکیوں کو اپنے سحر میں گرفتار کر رہی تھی۔ اس نے مزید کہنا شروع کیا۔

"میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ "اچھے لوگ خوشیاں دیتے ہیں اور برے لوگ سبق" تو آپ بھی اپنا شمار اچھے لوگوں میں کرلیں دنیا و آخرت دونوں جہاں سنور جائیں گے اور دلی سکون بھی میسر ہوگا۔ اچھے لوگ من کے سچے ہوتے ہیں ان کے دلوں میں بغض نہیں ہوتا نہ ہی ان کی عادت کینہ چینی کرنے کی ہوتی ہے۔" اس بار اس کے الفاظ اس کے دل لگے تھے۔

"اف میں نے کیا کیا؟ دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ کر رہی ہوں، ہاتھ پھر بھی کچھ نہیں آرہا۔ اللہ مجھے صبر دے۔" آواز گویا دل سے نکلی تھی تب ہی آنسو قطار در قطار آنکھ کے کونے سے باہر نکل پڑے۔ اس نے جلدی سے ان آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کیا اور اپنی توجہ اس لڑکی کی جانب مرکوز کی جو

اب کہہ رہی تھی۔

"ساری بات سوچ کی ہوتی ہے۔ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں تو سب کچھ دیکھنے میں بھلا محسوس ہوگا، فضول سوچوں کو ہرگز دماغ میں جگہ مت دیں، لامتناہی سوچیں گھیرا مضبوط کرلیتی ہیں، ان سے بچنا ہوگا۔" وہ جیسے سانس روکے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی باتیں سن رہی تھی، کس قدر سوز و گداز تھا اس لڑکی کے لہجے میں کہ لفظ تو جیسے دل میں اتر رہے تھے۔

ہاسٹل کی کچھ لڑکیوں نے مل کر ہفتے میں ایک دن خاص اس طور پر مختص کرلیا تھا کہ جہاں وہ سب بیٹھ کر کسی بھی اچھے سے موضوع کو منتخب کرکے اس پر گفتگو کرتی تھیں۔ اس کی روم میٹ کو اس طرح کی محفلیں بہت پسند تھیں، وہ اسے ہر بار ساتھ چلنے کا کہتی مگر اس نے کبھی کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی تھی۔ آج نجانے کیوں دل بہت اداس تھا تب ہی نا چاہنے کے باوجود اس کے قدم اسٹڈی ہال کی طرف بڑھ گئے تھے، جہاں محفل اختتام کی طرف گامزن تھی۔ ہمیشہ کی طرح آخر میں دعا کے بعد لڑکیاں اپنے کمروں میں چلی گئیں تو اریج بھی اسے ساتھ لیے کمرے میں آئی۔

"اُنہم تم ٹھیک تو ہو ناں؟ کل سے کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو۔ نہ تو تم باہر نکلی ہو نہ کوئی اور کام کیا، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اریج نے اس کا ہاتھ تھام کر فکرمندی سے اس کی نبض چیک کی تو انہم بے ساختہ ہنس دی۔

"پاگل چیک تو ایسے کر رہی ہو جیسے ڈاکٹر ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے اریج کو چھیڑنے لگی مگر دوسری طرف خلاف توقع مکمل سنجیدگی تھی۔

"تمہیں تو بخار ہو رہا ہے انہم چلو میڈیکل سینٹر چلتے ہیں۔" وہ بولی تو انہم مسکراتی ہوئی جہاں بیٹھی تھی وہیں لیٹ گئی۔

"جنہیں دل کے روگ لگے ہوں ان کی دوائی کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہوتی اریج اشفاق۔" اب کی بار اس کے انداز میں مکمل سنجیدگی تھی، ایک گہرا دکھ۔ اریج بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں صبر کرنا سیکھ جاؤں گی، اس دل کو مسیحائی کی ضرورت نہیں پڑنی چاہیے اب۔" اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا مگر وہ برداشت کر رہی تھی۔ وہ خود کو اب اس راستے کی طرف لے کر جائے گی جو اذیت کا سفر ہے۔ آزمانے کی ضرورت تھی کہ صبر کہاں تک لے جاتا۔

❁ ❁ ❁

"عاشر تم آج کل گھر سے باہر کچھ زیادہ رہنے لگے ہو بیٹا تمہارے پاپا کل بھی خفا ہو رہے تھے کہ تمہیں سمجھاؤں، آخر چاہتے کیا ہو تم؟" وہ نک سک سا تیار کہیں باہر جانے کے لیے تیار تھا تب ہی مسز احتشام خفگی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔ ان کی بات پر عاشر کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔

"کیا ہے مما۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ "اب میں کوئی چھوٹا بچہ تو ہوں نہیں جسے اپنے مما پاپا کی انگلی پکڑ کر چلنا چاہیے۔ پاپا کو تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے مجھ پہ بات کرنے کا آفاق بھائی کو تو کبھی کچھ کہتے ہی نہیں ہیں۔" ماتھے پہ بل سجائے اس نے اکھڑ پن سے کہا تو مسز احتشام نے اپنے خوبرو بیٹے کو افسوس سے دیکھا۔ اسے ذرا سی بھی روک ٹوک پسند نہ تھی، اسی سب کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں ضدی پن آگیا تھا۔

"اچھا سوری مما خفا تو مت ہوں، پلیز جلدی واپس آجاؤں گا دوستوں کے ساتھ موویز دیکھنے کا پروگرام ہے آج۔"

"مگر بیٹا تمہارے پاپا نے کہا تمہیں سمجھاؤں، رات گئے تک گھر سے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے اور ویسے بھی تم....."

"پلیز مما آج تک آپ پاپا کو تو سمجھا نہیں سکیں مجھ پہ بھی کوئی اثر نہیں ہونے والا، پاپا سے کہیے گا اولاد پہ بے جا پابندیاں لگانا چھوڑ دیں۔ کبھی خود بھی گھر میں ٹک کر بیٹھیں تو بات بنے ہم بھی انہی کے نقش قدم پہ چل رہے ہیں۔" ماں کی بات درمیان سے کاٹتے وہ تیز لہجے میں بولا۔

"عاشر تمیز سے بات کرو، مت بھولو وہ صرف آپ لوگوں کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے ہی دن رات محنت کر رہے ہیں۔" اس کے منہ پھٹ انداز پہ وہ اونچی آواز میں گویا ہوئیں۔

"اچھا..... سوری سوری مجھے اب چلنا چاہیے باقی کا لیکچر واپس آکر سنوں گا، اپنا خیال رکھیے گا، کوشش کروں گا جلدی واپس آجاؤں۔" اس نے آگے بڑھ کر ماں کو گلے لگایا اور ان کے ماتھے پہ بوسہ دے کر تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

آنسو بے ساختہ ان کی پلکیں بھگو گئے تھے۔ انہوں نے بچوں کی اچھی تربیت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر اب

عاشر گویا ان کے ہاتھوں سے نکلا جارہا تھا نجانے آج کل وہ کیسے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا جو انتہا کا خودسر اور ضدی ہوگیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اب کی بار وہ گھر آئی تو پہلے کی طرح مسکرانے کی کوشش کرنے لگی جس میں بہت حد تک کامیابی بھی رہی تھی۔

"انعم تم ٹھیک تو ہو ناں؟" سارہ آپی کے بیٹے سے کھیلتے ہوئے وہ اسے گدگدانے کے ساتھ خود بھی کھلکھلا کر اس کے ساتھ ہنس رہی تھی۔ آسیہ بیگم اور سارہ آپی کافی دیر سے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"الحمدللہ آپی بالکل ٹھیک ہوں آپ کو کہیں سے لگ رہا ہے کہ میں ٹھیک نہیں ہوں؟" اس نے جواب طلب نظروں سے بہن کی طرف دیکھا جواب گہرا سانس لے کر ماں کی طرف متوجہ ہوکر دھیمے انداز میں بات کرنے لگیں۔

"بھائی جان سے بات ہوئی ہے میری، عدنان اچھا لڑکا ہے پھر اتنی محبت سے سدرہ آنٹی انعم کا رشتہ مانگ رہی ہیں۔ مزید سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے مما آپ پاپا سے بات کریں کوئی نہ کوئی فیصلہ تو اب کرنا پڑے گا ناں۔" سارہ مکمل سنجیدگی سے گویا ہوئی، آسیہ بیگم نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا اور پھر سے انعم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ مان جائے گی؟" فکرمند انداز میں انعم کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"انکار کی کوئی گنجائش بھی تو نہیں ہے، نہ بھی مانی تو بھائی جان خود اس سے بات کرلیں گے پھر بھلا کیونکر انکار کرسکے گی بلکہ میں خود بھائی جان سے کہتی ہوں وہی بات کرلیں۔" انعم گھر میں سب سے زیادہ بھائی کی لاڈلی تھی، اگرچہ کچھ ضدی طبیعت کی مالک تھی وہ مگر بھائی جان جب نرمی سے اسے سمجھاتے تو وہ ان کی بات جلدی مان جایا کرتی تھی۔

"آپ ریلیکس رہیں مما سب ٹھیک ہوجائے گا۔ پرانی یادیں بھلانے میں وقت تو لگے گا ناں۔" وہ نم آواز میں گویا ہوئیں۔

"وہ بہت خوش رہے گی ان شاءاللہ ہم سب کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔" ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس نے یقین بھرے انداز میں کہا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

❁.....❁.....❁

"کیا کہتا ہے آپ کا صاحب زادہ؟" احتشام صاحب کی نظریں بظاہر ہاتھ میں پکڑی کتاب پر تھیں مگر ان کا مخاطب پاس بیٹھی بیوی تھیں، بے چینی جن کے ہر انداز سے ظاہر تھی۔ دوسری طرف کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے کتاب بند کرکے میز پر رکھی اور مکمل عشرت کی طرف متوجہ ہوئے جو گویا کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

"عشرت آپ پریشان ہیں؟" انہوں نے نرمی سے ان کا کاندھا ہلایا تو وہ چونک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"کچھ کہا آپ نے؟" وہ تیزی سے بولیں تو احتشام صاحب دھیمے انداز میں مسکرائے اور گویا ہوئے۔

"یہ گم صم انداز میں کیا سوچا جارہا ہے؟"

"ک..... ک..... کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑی ہوئیں اور ترتیب سے رکھی چیزوں کو بے ترتیب کرنے لگیں۔ انہوں نے ان کی کیفیت دیکھی اور کہا۔

"عشرت آپ عاشر کی وجہ سے پریشان ہیں ناں؟" وہ گہری سانس لے کر بولے۔

"انعم کے لیے عدنان کا رشتہ آیا ہے اور بھائی صاحب اور سب گھر والے راضی ہیں۔" آواز کو بھیگنے سے وہ کوشش کے باوجود نہ روک پائیں۔ احتشام صاحب اٹھ کر ان کے پاس آئے اور انہیں کاندھے سے تھام کر دوبارہ بیڈ پر بٹھایا۔

"دیکھیں عشرت بچوں پر زور زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ انعم میری بھانجی ہے میری دلی خواہش تھی وہ اس گھر میں ہمیشہ کے لیے آئے، آپ کی محبت سے بھی میں بخوبی واقف ہوں، دکھ مجھے بھی بہت ہوا ہے عاشر کے فیصلے سے مگر آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں اس معاملے میں اولاد پر کوئی زور زبردستی نہیں کرسکتا۔ زندگی بچوں نے گزارنی ہے تو اس اہم فیصلے کا حق بھی انہی کو دیا جائے، آفاق کی پسند کو بھی پہلی ترجیح دی گئی تھی تو عاشر کی بار زبردستی کیسے کرلوں۔"

"آپ اسے سمجھا تو سکتے ہیں ناں، اب اچانک انعم میں

کیوں خامیاں نظر آنے لگی ہیں؟" وہ ترشی سے بولیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں نے اپنی سی کوشش نہیں کی؟ انعم سے بڑھ کر ہمارے لیے بھلا اور کون ہوسکتی ہے؟ وہ نہیں مان رہا، دوٹوک انکار کرکے گیا ہے بلکہ سیدھی دھمکی دے کر گیا ہے کہ اگر اس پہ زبردستی کی گئی تو وہ یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا۔"

"والدین ہمیشہ اولاد کی خوشی چاہتے ہیں، ان کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے زندگی تیاگ دیتے مگر اولاد کو صرف اپنی خوشیاں عزیز ہوتی ہیں۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"بالفرض ہم اپنی مرضی کر بھی لیں تو کیا گارنٹی ہے وہ انعم کو خوش بھی رکھ پائے گا، اپنے بیٹے کی ضد سے آپ اچھی طرح واقف ہیں پھر اس بچی سے ناانصافی کیوں کریں جو ہمیں اپنی اولاد کی طرح پیاری ہے۔" اب کے وہ خفگی سے بولے تو عشرت خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں اور احتشام صاحب کافی دیر تک پرسوچ انداز میں وہیں بیٹھے رہے۔

❁.....❁.....❁

کس قدر بے بس تھی وہ، بھائی جان کو عدنان کے لیے رضا مندی دیتے ہوئے دل عجیب سے راگ الاپ رہا تھا مگر بہت دن ہوئے اس نے دل کی سننا چھوڑ دی تھی۔

"بھیا جانی آپ سے ایک درخواست ہے۔" بھائی کے کاندھے پہ سر رکھے وہ آہستگی سے بولی۔

"میری گڑیا درخواست کیوں، حکم کرو۔" انہوں نے اس کے گرد اپنے بازو پھیلائے۔

"ابھی کوئی تقریب وغیرہ مت ہونے دیجیے گا جب تک میرے امتحانات نہیں ہوجاتے، میں جانتی ہوں نما اور سارہ آپی کو بہت جلدی ہے میرؔ شادی کی پر مجھے امید ہے آپ میرا ساتھ دیں گے۔" اسے یقین تھا شرجیل بھائی اس کی بات ضرور مانیں گے تب ہی بغیر جھجکے اس نے کہہ دیا اور ہوا بھی وہی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کی بات مان گئے تھے۔

"عارف انکل نے کہا تھا انہیں کوئی جلدی نہیں ہم آرام سے سوچ سمجھ کر تسلی سے جواب دیں، سو میری گڑیا کو پریشان ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے جیسا چاہو گی ویسے ہوگا بلکہ ابھی ہم انہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے جب تک امتحان نہیں ہوجاتے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی دھیمے انداز میں مسکرادی۔

"چلو شاباش اب جلدی سے تیار ہوجاؤ تمہاری بھابی کو لینے چلتے ہیں وہ میکے جا کر واپس آنا ہی بھول گئی ہیں۔" وہ نرم انداز میں بولے تو وہ اثبات میں سر ہلا کر تیار ہونے کے لیے چل دی تھی۔

❁.....❁.....❁

احتشام صاحب اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور ان سے چھ سال چھوٹی بہن آسیہ، وہ اپنی بہن سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اللہ نے انہیں دو بچوں سے نوازا تھا۔ بڑا بیٹا آفاق اور اس سے چھوٹا عاشر۔ عاشر بچپن میں خاصا بیمار رہا کرتا تھا جس کی وجہ سے ماں اور باپ کی خاص توجہ اس کی جانب مرکوز ہوگئی تھی۔ عشرت کی خواہش تھی اس کی بیٹی ہوتی اور یہ خواہش من موہنی سی انعم کو دیکھ کر مزید بڑھ گئی، چونکہ عاشر کے بعد ان کے ہاں پھر کوئی اولاد نہ ہوئی تب ہی انہوں نے انعم کو گود لے لیا جب وہ محض دو سال کی تھی، آسیہ اپنی بھابی کو انکار نہ کرسکیں اور چھوٹی بیٹی کو بھابی کے حوالے کردیا تھا۔

اشعر جسے ہمیشہ سے اپنے ہم عمر دوست کی تلاش رہتی تھی وہ انعم کی صورت پوری ہوگئی تھی، اگرچہ وہ اس سے چند برس چھوٹی تھی مگر وہ آفاق کی طرح سنجیدہ طبیعت کی مالک ہرگز نہ تھی، جسے ہر وقت صرف اپنی پڑھائی سے غرض رہتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ بچے بڑے ہوگئے۔ انعم عشرت سے بہت محبت کرتی تھی مگر وہ آسیہ کے بغیر بھی نہ رہ سکتی تھی۔ تب ہی وہ میٹرک کے بعد واپس چلی گئی تھی، آسیہ بیگم اکثر بیمار رہتی تھیں اور سارہ پڑھائی کے لیے دوسرے شہر ہاسٹل میں مقیم تھی۔ جب انعم واپس آئی تو عشرت نے اسے منع نہ کیا مگر وہ ہر ہفتے متواتر یہاں کے چکر بھی لگاتی رہتی تھی۔ جتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ اور دوستی اس کے اور عاشر کے درمیان تھی اس کو دیکھتے ہوئے احتشام صاحب نے بیٹے کی اجازت لیے بغیر بہن سے انعم کا رشتہ مانگ لیا تھا۔ وہ بیٹے کو سرپرائز دینا چاہتے تھے مگر آگے سے ان کے لیے بھی سرپرائز تیار تھا۔

❁.....❁.....❁

"اشعر بیٹا آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔" وہ سب اس وقت ناشتہ کررہے تھے جب احتشام صاحب نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا جو وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں موجود نہ تھا۔ نظریں متواتر ہاتھ میں تھامے موبائل پر تھیں، جہاں چوتھی مرتبہ اس کے دوست کی کال آرہی تھی، عشرت دو تین بار اسے ٹوک چکی تھیں کہ وہ پہلے ناشتہ مکمل کرلے۔

"اشعر تمہارے پاپا کچھ کہہ رہے ہیں توجہ سے بات سنو۔" عشرت نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر خفا نظروں سے لاؤنج کی طرف دیکھا جو ہمیشہ ان کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔

"اچھا سوری..... جی بتائیں پاپا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ اب کے ہنستے ہوئے کان پکڑ کر باری باری دونوں کو دیکھنے لگا۔

"تمہارے لیے بہت اچھی خوشخبری ہے۔" احتشام صاحب نے اپنی بات پھر دہرائی۔

"کہیں آپ نے میری شادی تو طے نہیں کردی۔" وہ شریر انداز میں گویا ہوا اور یہی وہ وقت تھا جب انعم نے گھر کے اندر قدم رکھا تھا۔ رات چونکہ وہ دیر سے گھر واپس آئی تھی اس لیے اب صبح صبح ان لوگوں سے ملنے آئی تھی۔ عاشر کی آواز سن کر باہر ہی رک گئی اور دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ ہاسٹل سے واپس آنے پر خوشخبری اسے بھی مل چکی تھی کہ اس کی نسبت عاشر سے طے ہوگئی ہے۔

"شادی تو نہیں مگر ہم نے تمہارا رشتہ پکا کردیا ہے وہ بھی تمہاری بہترین دوست انعم سے۔" اب کی بار آفاق مسکراتے ہوئے بولا تھا جس کے جواب میں وہ زور سے ہنس دیا۔

"نا کریں لالہ، بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ ہنسی روکنے کی کوشش کرتا گویا ہوا۔

"لالہ کی جان ایسا ہوچکا ہے اور ہم سوچ رہے ہیں۔ اگلے ہفتے کوئی چھوٹی موٹی تقریب بھی کردی جائے تاکہ خاندان میں سب کو پتہ چل جائے۔" آفاق بھائی نے مزید کہا تو وہ حیرت سے ماں باپ کے ہنستے چہرے دیکھنے لگا۔ عشرت نے اثبات میں سر ہلاتے چائے کا کپ اٹھا کر احتشام صاحب کو تھمایا جو اپنا ناشتہ مکمل کرچکے تھے۔

"اگر واقعی یہ بات سچ ہے تو پلیز جا کر پہلی فرصت میں انکار کر آئیں، آپ نے ایسا سوچا ہی کیوں، وہ بھی مجھ سے پوچھے بغیر؟ یہ ناممکن ہے۔" وہ مکمل سنجیدگی سے بولا، سامنے رکھی پلیٹ کھسکا کر دور کی اور چائے کا کپ پٹخنے کے سے انداز میں میز پر رکھا جس سے چائے چھلک کر نیچے گری اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عاشر؟ ہوش میں تو ہو تم۔" آفاق بھائی نے اسے بازو سے تھاما۔

"اپنے مکمل ہوش و حواس میں ہوں تب ہی ایسا کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ سے انکار نہیں ہوتا تو مجھے بتائیں میں خود کال کرکے پھوپو سے بات کرلیتا ہوں۔" وہ اکھڑپن سے بولا۔

"عاشر وہ تمہاری دوست ہے، تم دونوں کی اچھی انڈراسٹینڈنگ ہے اور ہمیں لگا تمہاری خواہش بھی وہی ہوگی جو ہم چاہتے ہیں۔" اب کی بار عشرت بولیں۔

"دوست ہے تو کیا اسے لاکر سر پر بٹھالوں۔ مما کیسی بات کرتی ہیں آپ؟ اس لڑکی میں ایسی کوئی خوبی نہیں جسے اپنی زندگی میں شامل کرلوں۔"

"عشرت ہم اس کا رشتہ طے کرچکے ہیں اور اب یہ انکار کررہا ہے، اسے بتادو کہ اب ایسا ممکن نہیں۔" احتشام صاحب نے بیوی کو مخاطب کرکے کہا اور وہاں سے چلے گئے۔

"اور آپ بھی سن لیں اس دو ٹکے کی لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں خودکشی کرلوں۔ آپ سب کی زندگی میں تو سکون آجائے گا۔" وہ زور سے چیخا اور پیر پٹختے وہاں سے نکل گیا۔ وہ جیسے ہی گھر سے آندھی طوفان کی طرح نکلا تھا اس کی نظر ڈرائنگ روم میں منہ پر ہاتھ رکھے کھڑی انعم پر گئی، ایک لمحے کو وہ پشیمان ہوا مگر پھر سر جھٹک کر ایک تیز نظر اس پہ ڈال کے اس کے پاس سے ہوتا ہوا گھر سے باہر ہی نکل گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"ہر کسی کو مجھ سے مسئلہ ہے، سارے جہاں کا آوارہ اور بدتمیز تو جیسے میں ہوں ناں، جسے دیکھو سمجھانے آجاتا ہے۔ یہ نہ کرو، وہ کرو، دوستوں کی کمپنی خراب ہے انہیں چھوڑ دو؟ بھئی میری زندگی ہے جیسے چاہوں میں گزاروں، ہر کام میں روک ٹوک۔ تنگ آگیا ہوں میں اپنی زندگی سے۔ جس میں ایک پل

کا سکون بھی نہیں۔" وہ شدید غصے میں تھا اور ہاتھ میں تھاما پانی سے بھرا گلاس پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔ آفاق نے بے حد افسوس سے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

"آخر تم اتنے جذباتی کیوں ہو عاشر؟ ہمارے بڑے ہمارا بھلا چاہتے ہیں تب ہی ہمیں سمجھاتے ہیں۔ اس میں کوئی غلط بات تو نہیں ہے؟" اس نے نرمی سے اسے سمجھنا چاہا، جس کا چہرہ شدت ضبط سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"اچھا سب چھوڑو یہ بتاؤ کوئی اور لڑکی پسند ہے کیا؟ اگر کوئی پسند ہے تو بلا جھجک مجھے بتا سکتے ہو مجھ سے جتنا ہو سکا میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یار بھائی یقین مانیں کوئی بھی پسند نہیں بلکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں میرا حلقۂ احباب بے شک وسیع ہے مگر ڈھونڈنے سے بھی کوئی لڑکی نظر نہیں آئے گی۔"

"ہاں میں جانتا ہوں سوائے انعم کے کوئی لڑکی تمہاری دوست نہیں بن سکی آج تک پر صبح تم نے اس کے لیے بہت برے الفاظ استعمال کیے تھے جو اس نے خود بھی سن لیے تھے، میں تمہیں بتا نہیں سکتا ہمیں کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی اس وقت۔" وہ افسردہ انداز میں بول کر اسے صبح والی غلطی کا احساس دلانا چاہتے تھے مگر وہ محض سر جھٹک کر رہ گیا۔ اپنا آپ اسے ہمیشہ ہی درست لگتا تھا جبکہ باقی سب اسے بے جا پابندیاں لگانے والے۔

غصے میں انسان سوچنے، سمجھنے اور بولنے کی تمام تر صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے، عاشر کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس وقت وہ صرف خود کو دیکھ رہا تھا اگر وہ ایک بار خود سے منسلک لوگوں کے متعلق سوچ لیتا تو کبھی بھی ایسا رویہ نہ اپناتا، ضد اور ہٹ دھرمی تو گویا اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔ آفاق کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

عاشر راضی نہیں ہے، یہ بات آسیہ بیگم تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ ہرگز زبردستی کی قائل نہ تھیں اس لیے انہوں نے خود ہی انعم کے مسلسل اصرار پر کال کر کے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ انعم فی الحال ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ وہ کسی صورت اپنے بڑے بھائی کا شرمندہ اور جھکا ہوا سر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ انہیں مزید شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

عشرت کی طبیعت کچھ ناساز تھی تب وہ آفاق کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں مگر واپسی پر ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، آفاق کو تو چند معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر عشرت کے سر پر لگنے والی چوٹ شدید تھی، انہیں کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود ہوش نہ آ رہا تھا۔ سب کے لبوں پر ان کی صحت یابی کے لیے دعائیں تھیں۔ اشعر کی صورت تو دیکھنے والی تھی۔ اس کی بے قراری کی اصل وجہ اس کی ماں کی ناراضی تھی جو پچھلے کچھ دنوں سے اس سے ہم کلام بھی نہ ہوئی تھیں۔

"اگر مما کو کچھ ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کروں گا۔" وہ بھیگی آواز میں بولا تو احتشام صاحب نے اسے خود سے لگا کر حوصلہ دیا۔

"بہادر بنو میرے بچے، دعا کرو، ان شاء اللہ تمہاری ماں بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" وہ نم آواز میں بولے۔

ہر ایک کے لبوں پر اس وقت دعا تھی بالآخر ان کی دعائیں رنگ لائیں تب ہی مزید تین گھنٹے گزرنے کے بعد انہیں ہوش آ گیا تھا۔ اب عشرت کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ چونکہ ہاسٹل میں تھی اور امتحان ہو رہے تھے تب ہی کسی نے اسے ایکسیڈنٹ اور عشرت کی حالت کا بتا کر پریشان نہیں کیا تھا۔ گھر آنے پر بہت سی خبریں اس کی منتظر تھیں جن میں اس کی اشعر سے دوبارہ نسبت طے ہونے کی خبر سرفہرست تھی۔ وہ ماں کے ساتھ وہاں چلی آئی اور اب عشرت کی پٹی سے لگ کر بیٹھی رو رہی تھی۔

"ارے میری جان میں بالکل ٹھیک ہوں اب۔" اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتے اس کے فکر مند انداز اور رونے پر وہ مسکرائیں۔ وہ کافی دیر تک بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہی تھی۔

بات صرف ایک لمحے کی تھی اور عاشر احتشام کو اس ایک لمحے نے بدل دیا تھا۔ تب ہی وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"حیران ہوناں ایک لمحہ مجھ جیسے ضدی اور جذباتی انسان کو کیسے بدل سکتا ہے؟ جب انسان اپنی من مانیوں پر اکڑ کر کھڑا ہو تو اس کا حال پھر میرے جیسا ہوتا ہے۔ جب مما ہسپتال میں تھیں تو میں ان کی زندگی کی طرف لوٹ آنے کی دعا کرنے لگا، مسجد گیا تو پتہ ہے بے ساختہ میرے دل سے کیا دعا نکلی؟ مالک میری ماں مجھے ویسے ہی دے جیسی وہ پہلے تھیں، میں اب کبھی بھی انہیں تنگ نہیں کروں گا، نا ان کی نافرمانی کروں گا، میں نے عہد کیا اور اس لمحے جو سکون میرے اندر سرائیت کر گیا تھا میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ بس ابھی تک اس سکون بھرے لمحے کے حصار میں ہوں اور اسی میں ساری زندگی رہنا چاہتا ہوں۔ تم بھی مجھے معاف کر دو انعم۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب مزید تمہیں کوئی دکھ نہیں دوں گا۔" وہ بڑی مما کے لیے سوپ بنانے کچن میں آئی تو عاشر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ وہ بول رہا تھا دوسری طرف وہ اس کی جانب پشت کیے کھڑی رہی تھی، مڑ کر ایک بار بھی اس کی جانب نہ دیکھا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر عاشر نے بے چینی سے واپسی کے لیے قدم موڑے۔

"پتہ ہے ہم لڑکیاں بہت بے بس ہوتی ہیں۔ والدین کے فیصلے پر فرماں برداری سے سر جھکانے والی۔ ہم یہ نہیں دیکھتیں کہ ہمارے لیے کیا اہم ہے؟ اپنی خواہش کو ماں باپ کی خوشی پہ قربان کر دیتی ہیں مگر اف تک نہ کرتیں۔ میرے بس میں ہوتا تو اشعر احتشام میں کبھی بھی ان چاہی بن کر تمہاری زندگی میں نہ آتی مگر پھر بات یہاں بھی والدین کی خوشی پہ آٹھہری۔ میں جوان کے سامنے انکار کرنے گئی تھی ان کی بات سن کر قدم واپسی موڑ لیے تھے۔ بابا نے کہا تھا..... انعم میری سب سے اچھی بیٹی ہے اور یہ کبھی نہیں چاہے گی کہ اس کی وجہ سے ہمیں کوئی شرمندگی اٹھانی پڑے اس کے لیے اچھا فیصلہ کر رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے یہ اشعر کے سنگ خوش رہے گی تب ہی میں نے اس رشتے کے لیے ہاں کہہ دی اور یہیں آ کر میں ہار گئی۔ ایک بیٹی ہار گئی۔ اس لمحے جس طرح کی بے بسی کا سامنا میں نے کیا اس کی اذیت تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے۔" وہ ہوا کے جھونکے کی طرح اس کے پاس سے گزرتی کچن سے چلی گئی اور وہ لب بھینچے کھڑا رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"جب تمہارے دل میں میرے لیے کوئی فیلنگز تھی ہی نہیں تو مجھے اپنی زندگی میں شامل کیوں کیا؟" وہ ہمیشہ اس کے سامنے نظریں جھکا کر بیٹھتی تھی، اسے عجیب سی حیا گھیر لیتی تھی مگر آج جب وہ نظریں اٹھائے عاشر احتشام کو دیکھ رہی تھی تو وہ نظریں جھکائے بیٹھا تھا، پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ اس کے پاس بیٹھی تھی ایک بار بھی اس شخص نے نظر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھنا چاہتی تھی اس کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی جو کبھی پوری ہی نہ ہو سکی تھی۔ انعم نے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"عاشر احتشام شاید تمہارا یقین کرنے میں مجھے کچھ وقت لگے کہ تمہیں پانے کی جو خواہش میرے اندر تھی وہ تو اس دن اپنے آپ مر گئی تھی جب تم نے میرے لیے کہا تھا..... اس جیسی دو ٹکے کی لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں خود کشی کر لوں، میں بھی ابھی تک انہی لمحوں کے حصار میں ہوں جب تم نے واقعی مجھے دو ٹکے کا کر دیا تھا۔" بھرائی ہوئی آواز پر عاشر نے فوراً نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جو اس کے نام سے بھی سنوری اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

وہ بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھتا رہا پھر دھیمی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ سج گئی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر انعم کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے اس کے گالوں پہ بہہ نکلے، عاشر نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے۔ وہ تو جیسے سکتے میں رہ گئی تھی۔ آنسو دینے والا آج اس کے آنسو صاف کر رہا تھا، حیرت کی بات تو تھی۔

"تم جانتی تو ہو جب مجھے غصہ آتا ہے تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ کس طرح کے الفاظ میرے منہ سے نکل رہے ہوتے ہیں، تب ہی مما ہمیشہ مجھے سمجھا کر ہلکان ہوتی ہیں کہ اسی جذباتی پن کی وجہ سے میں کوئی بڑا نقصان نہ کر بیٹھوں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"جب بابا نے رشتے کی بات کی تو مجھے خوامخواہ غصہ آ گیا تھا، اس وقت یہی بات ذہن میں آئی کہ یہ سب کچھ میری آزادی کو سلب کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے، غلطی سے غصے میں

ہی تمہارے لیے برے الفاظ استعمال کر گیا جس کا بعد میں بے حد افسوس ہوا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو اس بات کا اندازہ تمہیں آئندہ آنے والے دنوں میں خود بخود ہو جائے گا۔ معاف نہیں کرو گی کیا؟" اس نے آہستگی سے پوچھا تو انعم نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ اس کے انکار پر وہ مسکرا دیا۔

"کیسے مانو گی، کان پکڑ لوں؟" وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے سنجیدگی اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے بیچ میں کوئی تلخ واقعہ رونما ہی نہ ہوا ہو۔ جواب ایک بار پھر نفی میں آیا تھا۔

"پلیز مان جاؤ ناں، معاف کر دو۔" وہ معصومیت سے بولا، اب کے روتے ہوئے وہ ہنس دی، ایک سرشاری سی عاشر احتشام کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

"اب تو خفا نہیں ہو ناں؟" وہ پھر سے مسکرایا، انعم نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا، یہ لڑکا کبھی سدھرنے والا نہ تھا۔

"سب میری جلد بازی پہ مذاق بنا رہے تھے، بڑے بھائی سے پہلے میں اپنی دلہن لے آیا۔ اب انہیں کیا بتاتا کہ میں ڈر گیا تھا کہیں میری دلہن انکار نہ کر دے بعد میں۔" اس نے شریر لہجے میں کہا۔

"پاپا کا کہنا تھا آفاق لالہ کا نکاح تو ہو ہی چکا ہے، دلہن بھی رخصت کروا لاتے ہیں، پر میں نے صرف تمہاری وجہ سے ان کی شادی ساتھ نہیں ہونے دی تاکہ بعد میں تم تمام فنکشن انجوائے کر سکو۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے ہر بات بتا رہا تھا جو دونوں ہاتھ گود میں رکھے خاموش بیٹھی تھی۔

اس نے خود سے عہد کیا وہ اس محبت سے گندھی لڑکی کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا جو اس کے گھر کی مالکن ہونے کے ساتھ ساتھ اب دل کی مالک بھی بن گئی تھی۔

"تم جانتی ہو مجھے شاعری سے کچھ خاص شغف نہیں مگر کل اچانک سے ایک نظم نظر سے گزری تو تمہیں سنانے کی غرض سے یاد کر لی اگر اجازت ہو تو سنا دوں۔" وہ آنکھوں میں بے پناہ شرارت لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔ بے ساختہ ہلکی سی مسکان نے انعم کے لبوں کا احاطہ کیا۔ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ دھیمے اور پراثر انداز میں گنگنانے کے سے انداز میں اسے نظم سنانے لگا۔

اسے کہنا
گلے انہی سے ہوتے ہیں
جو دل کے پاس ہوتے ہیں
شکایت انہی سے ہوتی ہے
جو بے حد خاص ہوتے ہیں
میرا تم سے گلہ کرنا
تمہیں یونہی رلا دینا
خفا کرنا منا لینا
محبت کی علامت ہے
یہ الفت کی علامت ہے
محبت میں کبھی ہرگز
اسے دل پر نہیں لینا
اسے کہنا
محبت کی توقع انہی سے ہوتی ہے
جن سے آس ہوتی ہے

زندگی اپنوں کے سنگ خوب صورت ہوتی ہے مگر جب من چاہا ساتھی اور سچی چاہت میسر آ جائے جس میں وفا کے رنگ بھی نمایاں ہوں تو تب زندگی خوب صورت ترین ہو جاتی ہے۔ اس کی وفا پر اسے اعتبار آ گیا تھا۔ وہ کیونکر نہ اس کا اعتبار کرتی۔ جب سچائی اس کی آنکھوں میں تحریر تھی۔ انداز اور لہجے میں پیار تھا۔

سعدیہ عبید

www.naeyufaq.com

قسط نمبر انتیس

عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ماریانہ اور ارسل کی شادی کی تاریخ طے کردی جاتی ہے اور شادی کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں، ارسل مایارنہ کے ساتھ شادی کی تیاری کے سلسلے میں بازار جاتا ہے اور نکاح کے لیے سوٹ ایسا پسند کرنا چاہتا ہے جس میں مایارنہ خوبصورت لگے اور سوٹ میں ایشائی رنگ بھی شامل ہو اور ان کو اس طرح کا سوٹ مل جاتا ہے جس کو لے کر وہ دونوں بے حد خوش ہوتے ہیں۔ شبنم مسلسل حماد پر وڑے ڈالنے اور اس کو پھسانے کے چکر میں رہتی ہے اس ہی سلسلے میں جب سب لوگ ارسل کے نکاح میں جانے کی تیاری کررہے ہوتے ہیں تو شبنم حماد کے کمرے میں آ کر ڈرامہ کرتی ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ وہ ناکام ہورہی ہے تو اپنے کپڑے پھاڑ کر چیخنے لگتی ہے جس سے سب حماد کے کمرے میں آجاتے ہیں اور حیرت سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جس پر حماد اپنی صفائی میں سب صاف صاف بتادیتا ہے جس کو شبنم جھٹلا دیتی ہے اور ارسل اس معاملہ کو واپسی پر دیکھنے کا کہتا ہے اور شبنم سے جلدی سے تیار ہونے کا کہہ کر وہاں سے چلا جاتا ہے جس پر شبنم کچھ پریشان سی

ہوجاتی ہے اس کو اس بات کا ڈر ہوجاتا ہے کہ اگر سی ٹی میں اس کی پول کھل گئی تو کیا ہوگا پھر وہ اپنے کو سنبھال کر شادی میں شرکت کے لیے چل دیتی ہے۔ فاریہ اور دلاور بخت میں بحث ہوجاتی ہے کہ دلاور نے اس کے گھر سے باہر جانے پر پابندی کیوں عائد کی پھر وہ کسی نا کسی طرح دلاور کو راضی کر کے گھر سے نکل آتی ہے اور سیدھے رضیہ بی سے ملنے پہنچ جاتی ہے۔ صبیحہ عاصم کے ساتھ پولیس لے کر یاور بخت کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اس پر الزام لگاتی ہے کہ یاور نے اس کا بچہ اغوا کیا ہے پولیس تلاشی لیتی ہے اور ناکام ٹھہرتی ہے جس پر عاصم یاور بخت سے معافی مانگتا ہے اور صبیحہ ہو برا بھلا کہتا گھر لوٹ آتا ہے جہاں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بچہ تو گھر پر ہی ہے اس پر عاصم صبیحہ پر بری طرح برس پڑتا ہے اور وہ بے بس سی کھڑی رہتی ہے۔ ارسل اپنے گھر والوں کے ہمراہ ماریانہ سے شادی کے لیے میرج ہال پہنچ جاتا ہے جہاں وہ ماریانہ سے ایک بار پھر عہد و پیماں کرتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.....❁.....❁

"پہلو میں تم ہو اور اب منزل آسان ہے۔ راستے پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے سنیور ارسل۔" ماریانہ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"ان راستوں میں اب سے میں ہی میں ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ماریانہ، تمہیں راستوں کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔" ارسل نے ماریانہ کے کان میں سرگوشی کی۔ ماریانہ دھیرے سے ہنس دی دفعتاً ان دونوں کی نگاہیں بائیں جانب کھڑے فیروز حسن پر گئی وہ حماد کے ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ پہلو میں کھڑے حماد نے ارسل اور ماریانہ کے ایک دوسرے کے ساتھ ہونے پر توصیفی انداز میں مسکرا کر دیکھا۔ جواباً ارسل اور ماریانہ بھی ہولے سے مسکرائے۔ کچھ فاصلے پر پیڈرو اور اسٹیلا ساتھ کھڑے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ دونوں خوشگواریت سے ہاتھ ہلانے لگے۔ تب ہی ماریانہ کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑی میا پر پڑی۔ ماریانہ ایک دم چونکی۔ میا کی کینہ توز نگاہیں اسے غصے سے گھور رہی تھیں۔

"ہماری منزل آگئی ہے سنیورا۔" ارسل کی سرگوشی پر ماریانہ بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے ناسمجھی سے دیکھتا پا کر ارسل نے سامنے اشارہ کیا۔ ماریانہ نے بے اختیار اس سمت دیکھا۔ ارسل کی ہمراہی میں منظر اسٹیج دلنشین محسوس ہوا کہ لمحے بھر میں وہ میا کی نفرت آمیز نظریں بھول گئی۔ وہاں ایک چھوٹی سی سفید میز اور پھولوں سے ڈھکی چند کرسیاں رکھی تھیں۔ ماریانہ اور ارسل کی فیملیز وہاں نکاح خواں کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ ارسل اور ماریانہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھ گئے۔

❁.....❁.....❁

"تم پھر آگئیں فاریہ؟" رضیہ بی بی نے فاریہ کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری تو منزل ہی اب یہ گھر ہے رضیہ بی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کا اور آپ کی اس چہیتی شبنم کا اس گھر سے روانہ ہونے کا وقت آگیا ہے۔" فاریہ نے انہیں گھورا۔

"ہونہہ..... ابھی گھر آئیں نہیں اور مجھے نکالنے کی باتیں کرنے لگیں۔ تم بھی اپنے باپ کا ہی پرتو ہو۔ بسا بسایا گھر اجاڑنے کی عادت تمہارے باپ میں بھی تھی۔" رضیہ بی بی کے لہجے میں بھی ناگواری در آئی۔

"میرے باپ کی عادتیں فطرتیں تو حفظ ہو چکی ہیں آپ کو۔ بات بات پر باپ کا طعنہ مارتے نہیں تھکتیں۔" فاریہ نے بھی طنز کرتے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔

"وہ شخص تھا ہی ایسا۔ میں نے کیا کسی ایک انسان نے بھی اسے اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا ہوگا کبھی۔"

"ماضی کو چھوڑیں رضیہ بی حال کی فکر کریں۔ میرے باپ نے جو کیا وہ سب کچھ بیت گیا مگر آپ کی شبنم جو گل کھلا رہی

ہے، کچھ سوچا بھی ہے کہ اس کا خمیازہ کون بھگتے گا؟" فاریہ کے لفظوں نے رضیہ بی بی کو بری طرح چونکا دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا..... کہنا کیا چاہتی ہو؟" رضیہ بی بی مشتعل لہجے میں بولیں۔

"آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی بس ماضی کو کریدتے ہوئے گزار دی، حال پر توجہ ہی نہ دی، کیا تربیت کی ہے آپ نے شبنم کی، جس تھالی میں کھا رہی ہے اسی میں چھید کر رہی ہے۔" فاریہ آج بے لحاظ انداز میں ان سے مخاطب تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو فاریہ؟" رضیہ بی بی بلند آواز میں چیخیں۔

"شبنم میرے اور حماد کے درمیان مسلسل غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہے اور اسی پر بس نہیں کیا سانے، وہ اب بقاعدہ حماد پر بھی ڈورے ڈال رہی ہے۔" فاریہ زہر خند لہجے میں شبنم کا پردہ چاک کر گئی۔ رضیہ بی بی بے یقینی سے اسے دیکھتی رہیں۔

"کیا آپ نہیں جانتیں شبنم کی ان حرکتوں کو؟" فاریہ نے رضیہ بی بی کو بت کی مانند کھڑا دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

"نہیں..... میری شبنم ایسی نہیں ہے، وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی، حماد اس کے بھائیوں جیسا ہے، وہ حماد کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔" رضیہ نے بی بی بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"شبنم کیا سوچ رہی ہے، کیا فطور اس نے دل میں پال رکھا ہے، یہ آپ حماد سے پوچھیں اور خدارا اسے روکیں سمجھائیں کیونکہ اس سے زیادہ نہ میں اب برداشت کروں گی نہ ہی حماد۔" فاریہ انہیں دھمکی دے کر وہاں سے چلی گئیں۔ رضیہ بی بی کو دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھیں مگر اگلے ہی پل تیورا کر گر پڑی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"ہولا سنیور پیڈرو۔" پیڈرو اور اسٹیلا ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے۔ تب ہی میا ان دونوں کو نفرت سے گھورتی ہوئی نزدیک آئی۔ میا کے مخاطب کرنے پر پیڈرو چونک کر پلٹا۔

"ہولا، میا۔" میا کی استہزا سے بھرپور نگاہوں سے نظریں ملاتے ہوئے پیڈرو نے رکھائی سے جواب دیا۔

"تمہاری جانب سے برتی گئی لاتعلقی مجھے کئی دنوں تک پریشان کرتی رہی، میں حیران تھی کہ تمہارے یوں نظر انداز کرنے کی وجہ آخر کیا ہو سکتی ہے مگر آج سب کچھ سمجھ میں آ گیا، تمہاری لاتعلقی کی وجہ میری نگاہوں کے سامنے موجود ہے۔" میا نے کٹیلی نگاہوں سے پیڈرو کے پہلو میں کھڑی اسٹیلا کو دیکھتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ اسٹیلا، میا کی غیر متوقع آمد پر پہلے ہی ناخوشگواری میں مبتلا تھی۔ اس کے تضحیک آمیز طنز پر اسے ناگواری سے دیکھ کر ناک چڑھا کر مخاطب ہوئی۔

"اوہ تو تم ہو میا، جیسا تمہارے بارے میں سنا تھا بالکل ویسا ہی پایا۔" اسٹیلا کی بات پر پیڈرو بے اختیار مسکرایا۔ پیڈرو کی مسکراہٹ اور اسٹیلا کے طنز نے میا کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

"تم کیا جانتی ہو میرے بارے میں، اور تم نے کیا سن رکھا ہے میرے حوالے سے؟"

"یہی کہ تم ایک بد دماغ، خود غرض اور سر پھری لڑکی ہو جو اپنے کسی بھی رشتے، کسی تعلق کے ساتھ کبھی مخلص نہیں رہ سکتی۔" اسٹیلا نے بے جھجک انداز میں میا کو آئینہ دکھایا۔

"یہ..... یہ باتیں تم سے کس نے کہیں؟ کون ہے جو میرے بارے میں یہ فضول باتیں کر رہا ہے۔ میا آئینے میں اپنا مکار روپ دیکھ کر آگ بگولہ ہوتے اسٹیلا اور پیڈرو کو گھورتے ہوئے بولی۔ میا کے غضب ناک تیور دیکھ کر پیڈرو اس کے سامنے ہوا۔

"یہ باتیں نہیں، تمہاری خصوصیات ہیں میا اور کسی کو بھی تمہارے بارے میں باتیں پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے،

تمہاری حقیقت تو وقت آنے پر خود بخود کھل جاتی ہے۔" پیڈرو نے تنفر سے میا کو دیکھ کر جواب دیا۔

"اچھا..... ایسی کون سی حقیقت دیکھ لی تم نے میری جو اتنی نفرت سے پیش آرہے ہو؟" میا، پیڈرو کے سرد لہجے کو محسوس کرتے تڑخ کر بولی۔

"میں نے تمہارا اصل روپ دیکھ لیا ہے میا، ایک طرف تم مجھ سے محبت کا دعویٰ کر کے آفس میں میری ساکھ اور پوزیشن سے فائدہ اٹھاتی رہیں اور دوسری جانب تم امیر زادوں کو اپنی محبت کے جال میں پھانس کر ان کے پیسوں پر عیاشی کرتی ہو۔" پیڈرو نے میا کی بات پر دو بدو جواب دیا۔

"جھوٹ ہے یہ، الزام ہے مجھ پر، میں صرف تم سے محبت کرتی ہوں پیڈرو، تمہیں یقیناً ماریانہ نے مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے۔" میا بے قراری سے پیڈرو کے نزدیک ہوتے ہوئے ماریانہ پر بہتان باندھنے لگی۔

"اسے کیا ضرورت ہے تم پر الزام لگانے کی، ماریانہ کو ذمہ دار ٹھہرانا بند کرو میا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود ایک کرپٹ عورت ہو۔" پیڈرو نے میا کو نفرت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"میں کرپٹ ہوں تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو پیڈرو، ماریانہ جلتی ہے مجھ سے، حسد کا شکار ہے، اس لیے تمہیں میرے خلاف بہکا کر مجھ سے دور کرنا چاہتی ہے۔" میا پیڈرو کو انتہائی بدگمان پا کر تیز لہجے میں بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے میا، حقیقت کیا ہے میں سب کچھ جان گیا ہوں، تمہیں بہت اچھی طرح سے پہچان گیا ہوں، تمہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دوسرے مردوں کے ساتھ بانہوں میں بانہیں ڈالے گھومتے دیکھا ہے، ہوٹلز کے روم میں ان کی سنگت میں وقت گزارتے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" پیڈرو نے بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں حقیقت سے پردہ ہٹایا۔ میا حیران سی پیڈرو کو دیکھتی رہی۔ یقیناً اسے پیڈرو سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ اب تک بے خبر تھی کہ پیڈرو کی جانب سے برتی جانے والی لاتعلقی کی وجہ اس قدر سنگین بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے گمان میں تو یہی تھا کہ پیڈرو آفس کی مصروفیات میں الجھا ہوا ہوگا اور پیڈرو کی مصروفیت اور غیر موجودگی کا فائدہ ہمیشہ وہ اسی طرح دوسروں لوگوں سے تعلقات بنا کر پیسے بٹورتے ہوئے اٹھاتی تھی مگر اس بار بازی پلٹ گئی تھی۔ وہ بے نقاب ہو چکی تھی، اس نے خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا، اسے یک دم ساکھڑا دیکھ کر پیڈرو تنفر لہجے میں بولا۔

"تم انتہائی گری ہوئی سوچ کی مالک ہو اور یہ ہی نہیں کہ تم ایک مفاد پرست لڑکی ہو میا۔ یہ سب جاننے کے بعد میری زندگی میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں۔ میرے اور تمہارے راستے جدا ہو چکے ہیں، تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اب تم مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو پیڈرو، جو کچھ تم نے دیکھا۔ وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو، پیڈرو میری ماں....." پیڈرو کے سخت الفاظ نے ایک دم سے میا کے حواسوں کو بحال کر دیا۔ وہ ہوش میں آتے ہی جذباتی انداز میں پیڈرو کے بیان کردہ حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کرنے لگی مگر پیڈرو نے تیز لہجے میں اس کی بات کو رد کر دیا۔

"ماں کو بیچ میں مت لاؤ میا، تمہاری غیر موجودگی میں، میں مل چکا ہوں تمہاری ماں سے، وہ خود تم سے نالاں ہیں، کس حال میں ہیں تمہیں ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں، نہ ماں کی نہ ہی اپنے چھوٹے بھائی کی۔ میا تمہارے بارے میں جتنا جان رہا ہوں اتنی ہی تم سے نفرت بڑھ رہی ہے۔ ماریانہ بالکل ٹھیک کہتی ہے تمہارے بارے میں۔" اس قدر تذلیل پر میا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پیڈرو نے جذباتی کیفیت میں میا کو لتاڑتے ہوئے روانی میں ماریانہ کا حوالہ بھی دے دیا۔

"کیا..... کیا کہتی ہے ماریانہ میرے بارے میں؟"

"یہی کہ تم رشتوں کو بوجھ سمجھتی ہو، تم ان رشتوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتی ہو اور دوسروں کی طرح تم نے مجھے

بھی اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا تمہارے ساتھ گزارے وقت پر آج مجھے بے حد افسوس ہے میا اور تم سے کی گئی محبت پر پچھتاوا۔" پیڈرو میا کو نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ میا کے ذہن و دل میں جھکڑ سے چلنے لگے۔

"چلو اسٹیلا۔" پیڈرو نے ایک نظر جلتی کڑھتی میا کو دیکھا اور اسٹیلا سے مخاطب ہو کر اس کی ہمراہی میں آگے بڑھ گیا۔

"تو میری پشت پر خنجر گھونپنے والی تم ہو ماریانہ۔" میا نے کینہ توز نظروں سے کچھ فاصلے پر موجود ارسل اور حماد کے ساتھ خوشگوار انداز میں باتیں کرتی ماریانہ کو دیکھا۔

"تم نے پیڈرو کے کان بھر کر میرے آگے بڑھنے کے راستے کو برباد کر دیا ماریانہ۔ وہ مجھے اپنے تعلقات کے بناء پر ایک بہترین فرم میں ملازمت دلوانے والا تھا مگر تمہاری وجہ سے سب کچھ ختم ہو گیا۔ تم نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا اس کا بدلہ میں سود سمیت لوٹاؤں گی۔ تم نے میرے کامیابی کے راستے برباد کر دیے۔ اب دیکھو میں کرتی کیا ہوں، تمہاری خوشیوں کو آگ میں نہ جھونک دیا تو میرا نام بھی میا نہیں۔" میا حسد کی آگ میں جھلستی ہوئی ماریانہ کو نفرت سے دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"آپ دونوں نکاح کے بعد آفیشلی اب میاں بیوی ہیں، اس کے لیے ڈھیروں مبارک باد مگر اب میں بہت کنفیوز ہو گیا ہوں۔" حماد نے خوشگوار لہجے میں ارسل اور ماریانہ کو شوخی سے مبارک باد دیتے ہوئے بات جان بوجھ کر معنی خیز انداز میں ادھوری چھوڑ دی۔

"کیوں..... تم کیوں کنفیوز ہو؟" ماریانہ اور ارسل دونوں ہی حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

"بھیا جانی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کی بیگم کو اب آپی کہوں یا بھابی۔" حماد نے پریشانی سے سر کھجاتے ہوئے اپنی مشکل بیان کی۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" ماریانہ نے ساری بات سمجھتے ہوئے کہا۔ ارسل بھی بھائی کے اس بے ضرر، معصوم سے شکوے پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

"تم مجھے آپی کہو یا بھابی رہوں گی تو میں تمہاری بڑی بہن ہی۔ میرے دل میں اپنے چھوٹے بھائی کے لیے جو محبت ہے وہ کسی طور سے کم نہیں ہونے والی۔" ماریانہ نے پیار سے حماد کو دیکھ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر جواب دیا۔

"یار آپی بال تو نہ خراب کریں ناں۔" حماد دوستانہ خفگی بھرے انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر ماریانہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ویسے ارسل میں نے سوچ لیا ہے پاکستان جاتے ہی میں نے فاریہ سے ملنا ہے اور پھر حماد کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔" ماریانہ مسکراتے ہوئے ارسل سے مخاطب ہوئی۔ ٹھیک اسی پل شبنم ان تینوں کو آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر وہاں چلی آئی تھی۔

"لڑکوں کے ہاتھ پیلے نہیں ہوتے۔ ان کے سر پر تو سہرے کے پھول سجتے ہیں۔" شبنم نے ماریانہ کی ادھوری بات سنی تھی۔ حماد کو ذومعنی نظروں سے دیکھ کر لقمہ دیتے ہوئے بولی۔ شبنم کی آمد کے ساتھ ہی حماد کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ ایک دم سے سمٹ گئی تھی۔

"یہ تو تم نے بہت اچھی بات بتائی۔ ویسے ارسل حماد کے ساتھ ساتھ ہمیں شبنم کے ہاتھ بھی پیلے کرنے کی سوچنا چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے حماد؟" ماریانہ نے مسکراتے ہوئے دونوں بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے شبنم کو دیکھا۔ شبنم کے چہرے پر ماریانہ کی بات پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہت نیک خیال ہے۔ میرے خیال سے تو فوراً کوئی لڑکا دیکھ کر اسے بھی گھر سے رخصت کرنا چاہیے۔" حماد نے معنی خیز لہجے میں شبنم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، اتنی جلدی آپ کی جان نہیں چھوڑنے والی میں۔" شبنم ایک دم سے چڑ کر بولی۔

"ہاں معلوم ہے جو بلائیں جان سے چمٹ جائیں۔ وہ اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑتیں۔ ان سے جان چھڑانے کے لیے بڑے ہی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔" حماد نے بھی بظاہر مسکرا کر کہا۔

"پاپڑ بیلیں یا کوئی اور تدبیریں کریں، میں کہیں نہیں جانے والی۔" شبنم ضدی لہجے میں بولی۔

"اچھا بابا یوں لڑو نہیں دونوں، بھئی شبنم تم کہیں نہیں جانا۔ تمہارے لیے ہم گھر داماد ڈھونڈ لیں گے۔" ارسل نے مسکرا کر دونوں کی نوک جھونک ختم کرانے کی غرض سے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" شبنم نے جتاتی نظروں سے حماد کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ حماد اس کی بات نظر انداز کرتا ہوا ماریانہ سے مخاطب ہوا۔

"آپی تقریب کے بعد مجھے کچھ وقت دیجیے گا۔ مجھے آپ سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔" حماد کی بات پر ارسل اور شبنم ایک ساتھ چونکے۔

"کون سی بات حماد؟" ارسل پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"بھیا جانی، یہ میرا اور آپی کا سیکرٹ ہے۔" حماد نے مسکرا کر جواب دیا اور جتاتی نظروں سے شبنم کو دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں ذرا حماد بھائی سے یہ سیکرٹ معلوم کرلوں۔" شبنم سے صبر نہ ہوا۔ وہ ارسل اور ماریانہ سے کہہ کر حماد کے پیچھے لپکی۔

"ان دونوں کا کوئی حل نہیں۔" ارسل نے خوشگوار لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ جواباً ماریانہ بھی مسکرادی۔

"ایک بات بتاؤ ماریانہ؟" ارسل کو ایک دم سے خیال آیا تو ماریانہ کو متوجہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے میا کو یہاں کچھ دیر پہلے دیکھا۔ تم نے انوائیٹ کیا تھا اسے؟" ارسل پوچھا۔

"نہیں ارسل..... تمہارے منع کرنے کے بعد میں بھلا کیوں میا کو انوائیٹ کرتی، میں تو خود اسے یہاں دیکھ کر حیران تھی۔" ماریانہ بھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

"ہم..... جب ہم نے انوائیٹ نہیں کیا تو پھر وہ کیسے اس تقریب میں شامل ہوئی۔" ارسل اچنبھے سے پوچھا۔

"کہیں پیڈرو نے....." ماریانہ کو شک سا گزرا۔

"نہیں ماریانہ، پیڈرو تو میا کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ خیر میں پھر بھی پوچھوں گا اس سے۔" ارسل نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ماریانہ اس کی بات پر ہولے سے سر ہلا گئی۔

❁.....❁.....❁

صبیحہ نڈھال سی بستر پر بیٹھی تھی۔ دلاور کو اس نے زور سے اپنی بانہوں میں بھینچ رکھا تھا۔ یوں جیسے اس کے کھو جانے کا ڈر ہو۔ کچھ دیر پہلے جب وہ کچن میں کھانا پکا رہی تھی تو اسے دلاور کے رونے کی آواز آئی تھی۔ وہ پریشان سی کمرے میں آئی تو دلاور کہیں بھی موجود نہ تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح دلاور کو گھر میں تلاش کرنے لگی۔

"رشیدہ، تم نے دلاور کو کہیں دیکھا ہے؟" وہ تھک ہار کر برتن دھوتی رشیدہ سے پوچھ رہی تھی۔

"بی بی جی، دلاور بابا کو تو میں نے کچھ دیر پہلے کمرے میں سلایا ہے۔" رشیدہ نے سادگی سے جواب دیا تھا۔

"کمرے میں سلایا ہے مگر وہ تو کمرے میں نہیں ہے۔" صبیحہ حیران و پریشان سی بولی۔

"بی بی جی بابا کمرے میں ہی ہے۔" رشیدہ قطعیت سے صبیحہ کی بات رد کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا..... تو پھر چلو میرے ساتھ کمرے میں اور خود دیکھ کر بتاؤ کہ دلاور کہاں ہے؟" صبیحہ ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ رشیدہ سر ہلاتی اس کی ہمراہی میں کمرے میں چلی آئی۔ سامنے بستر پر دلاور گہری نیند سو رہا تھا۔

"دیکھ لیں بی بی جی دلاور بابا سو رہے ہیں۔" رشیدہ نے سامنے بستر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ صبیحہ بے یقینی سے گہری نیند سوئے دلاور کو دیکھتی رہ گئیں۔ پھر بے تابی سے اس کی جانب بڑھ کر اس کو بستر سے اٹھا کر سینے میں بھینچے بیٹھ گئی۔

"میں جاؤں بی بی جی۔" رشیدہ نے گہری نظروں سے صبیحہ کی کیفیت کو دیکھا اور پوچھا۔

"ہاں جاؤ۔" صبیحہ نے اسے بنا دیکھے سر ہلا کر دھیرے سے جواب دیا۔ رشیدہ اسے معنی خیز نظروں سے مسکراتا دیکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ، میں اتنی حواس باختہ کیوں ہوتی جا رہی ہوں۔ اپنے بچے کے حوالے سے میں اتنی بے خبر کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ دلاور کو سینے سے لگائے سوچنے لگیں۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا یہ میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ جب میں کمرے میں آئی تو دلاور یہاں موجود نہ تھا مگر پھر رشیدہ کے ساتھ آئی تو دلاور یہاں سو رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کچھ نہ کچھ تو گڑبڑ ہے۔ یہ رشیدہ....." صبیحہ مشکوک سے انداز میں سوچ میں غرق تھی تب ہی رشیدہ چائے کا کپ لیے کمرے میں چلی آئی۔

"بی بی جی چائے۔" رشیدہ کے مخاطب کرنے پر صبیحہ نے اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے دیکھا۔

"چائے پی لیں بی بی جی آپ کو آرام ملے گا۔" رشیدہ نے صبیحہ کو اپنی جانب دیکھتا پا کر چائے کا کپ فوراً آگے بڑھا دیا۔ صبیحہ نے دلاور کو بستر پر لٹایا اور چائے کا کپ تھام کر پرسوچ انداز میں چائے پینے لگی۔ رشیدہ خاموشی سے کھڑی گہری نظروں سے اسے چائے پیتا دیکھنے لگی۔

"رشیدہ ایک کام کرو، الماری سے عاصم کے کپڑے نکال کر استری کر دو۔" چائے پیتے ہوئے صبیحہ کو خیال آیا تو کہا۔

"اچھا بی بی جی۔" رشیدہ جھٹ پٹ الماری کی طرف بڑھی اور کن انکھیوں سے بستر پر بیٹھی صبیحہ کو دیکھ کر شرٹ نکالنے لگی۔

"یہ شرٹ ٹھیک ہے بی بی جی۔" رشیدہ ہلکی نیلی شرٹ نکال کر صبیحہ کو دیکھاتے ہوئے بولی۔ صبیحہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔ رشیدہ شرٹ لے کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد استری شدہ شرٹ لے کر لوٹی تو صبیحہ دلاور کے برابر میں لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔

"شکر ہے نیند کی گولیاں جلد اثر دکھا گئیں۔" رشیدہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے شرٹ وہیں بستر پر چھوڑ کر دلاور کی جانب بڑھی۔ جلدی سے اس کے کپڑے قینچی سے کتر دیے اور گہری نیند میں سوئے بچے کو اٹھا کر نیچے ٹھنڈے فرش پر لٹا دیا۔

"اب جلدی سے میں صاحب کو فون کر دوں۔" رشیدہ نے ایک نظر بستر پر بے سدھ پڑی صبیحہ کو دیکھا اور عجلت میں کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"ماریانہ بیٹا آج کا دن میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن ہے۔ آج تم میرے بیٹے کی زندگی میں باضابطہ طور

پر شامل ہوگئی ہو۔" ماریانہ اور ارسل گھر پہنچے تو حماد اور شبنم نے پھولوں کے بکے کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ فیروز حسن نے ہیرے کا سیٹ دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا میری دعا ہے کہ تم دونوں ہمیشہ خوشیوں اور محبتوں کے حصار میں رہو۔" ماریانہ نے مسکرا کر فیروز حسن کو دیکھا اور کہا۔

"آپ کا شفیق سایہ ہمارے سروں پر سلامت رہے انکل، ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"بابا جانی آپ کی بہو نے موقع ملتے ہی پوائنٹ اسکورنگ شروع کر دی ہے۔" حماد نے ماریانہ اور فیروز حسن کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"حماد بیٹا..... ماریانہ کو پوائنٹ اسکورنگ کرنے کی ضرورت نہیں، اس کا میرے دل میں پہلے دن سے ہی ایک خاص مقام ہے۔ سمجھو ماریانہ کی ذات نے میری زندگی میں بیٹی کی کمی کو بھی پورا کر دیا ہے۔" فیروز حسن نے مسکراتے ہوئے شفقت سے ماریانہ اور حماد کو دیکھ کر کہا۔

"اور میری زندگی سے بہن کی کمی کو دور کر دیا ہے۔" حماد نے بے ساختگی کے عالم میں ماریانہ کو دیکھ کر کہا۔ اس قدر محبت اور خلوص کو دیکھ کر ماریانہ کی آنکھیں خوشی کے احساس تلے جھلملائیں۔

"ہماری زندگیوں سے بہن کی کمی تو شبنم نے بھی دور کر دی ہے حماد۔" ارسل، حماد کی بات پر خوشگوار انداز میں بولا۔

"آپ کی طرح میں بھی یہی سمجھتا ہوں بھیا جانی۔" حماد نے طنزیہ نظروں سے شبنم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شبنم نے حماد کی نظروں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ فیروز حسن نے اتفاقاً شبنم اور حماد کی نگاہوں کی اس جنبش کو دیکھا پل بھر کو وہ خاموش ہوئے پھر مسکرا کر نرمی سے ارسل اور ماریانہ کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"ارسل بیٹا ماریانہ کو لے کر کمرے میں جاؤ، کچھ دیر آرام کر لو تم دونوں بہت تھک گئے ہو گے۔" ارسل جواباً مسکراتے ہوئے ماریانہ کو لے کر کمرے میں چلا گیا۔ ارسل اور ماریانہ کے جانے کے بعد حماد اور شبنم بھی وہاں سے جانے لگے۔

"حماد، شبنم..... تم دونوں رکو۔" فیروز حسن نے ان دونوں کو روکا۔

"جی بابا جانی۔" وہ دونوں حیران نظروں سے فیروز حسن کو دیکھنے لگے۔

"یہاں بیٹھو۔" فیروز حسن، صوفے پر بیٹھتے ہوئے ان دونوں کو بھی اشارہ کیا۔ حماد اور شبنم خاموشی سے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تم دونوں کو ہمیشہ میں نے ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر دیکھا، بچپن کے دوست، کرائم پارٹنر ایک دوسرے کے بہترین ساتھی ہوا کرتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے میں تم دونوں کے درمیان کھنچاؤ کی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ خاص طور پر آج کے واقعے کے بعد اب تم دونوں خود ہی بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے؟" فیروز حسن کے سوال پر وہ دونوں ہی خاموشی سے سر جھکا گئے۔

"شبنم بیٹا تم بتاؤ کیا بات ہے، کیا کوئی جھگڑا ہوا ہے حماد سے؟" دونوں کی خاموشی اس بات کی گواہی تھی کہ معاملہ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہے۔

فیروز حسن کے سوال پر شبنم نے جھکے سر کے ساتھ کن انکھیوں سے حماد کو دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے سنجیدہ بیٹھا تھا۔ فیروز حسن نے شبنم کو حماد کی جانب دیکھتا پا کر ایک گہرا سانس لیا اور بیٹے کی جانب دیکھ کر مخاطب ہوئے۔

"حماد بیٹا، میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ بردبار بھی ہو پھر شبنم بیٹی کو تم سے شکایت کیوں ہوئی؟ اور اگر ہوئی بھی تو تم نے اسے اب تک دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" فیروز حسن کے سوال پر حماد نے چبھتی نظروں سے شبنم کو دیکھا۔ شبنم اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں کی تپش محسوس کر کے گھبرائے ہوئے انداز میں

رخ موڑ گئی۔

"حماد، بیٹا کیا بات ہے اب بتا بھی چکو۔" فیروز حسن ان دونوں کے درمیان پنپتی خاموش گفتگو پر جھنجھلاتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

"بابا جانی بات دراصل یہ ہے کہ میں....." حماد نے فیصلہ کن انداز میں باپ کو دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا مگر اسی پل فیروز حسن کا موبائل بج اٹھا۔ حماد اور فیروز حسن کی توجہ ایک ساتھ موبائل کی جانب مرکوز ہوئی۔ فیروز حسن نے حماد کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا کہا اور موبائل اٹھا کر چیک کرنے لگے۔

"پاکستان سے کال، وہ بھی اس وقت۔" فیروز حسن حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے کال ریسیو کر کے بات کرنے لگے۔

"ہیلو، ہاں کہو۔" حماد خاموشی سے فیروز حسن کو بات کرتے دیکھنے لگا۔ البتہ شبنم کی نگاہیں گاہے بگاہے حماد کے چہرے پر جا ٹھہر رہی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو، ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" فیروز حسن ایک دم سے بلند آواز میں بولے۔

"آئی سی یو میں داخل ہیں۔" وہ پریشانی سے حماد اور شبنم کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"اوہ میرے اللہ..... یہ سب آخر ہوا کیسے؟" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ حماد اور شبنم بے تابی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ہاں میں پاکستان آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ پریشانی سے کہہ کر کال بند کر کے حماد کی جانب متوجہ ہوئے۔

"کیا ہوا بابا، کسے ہارٹ اٹیک ہوا ہے؟" حماد نے پریشانی سے پوچھا۔

"رضیہ بی بی کو۔ ان کی طبیعت اچانک خراب ہوئی ملازم انہیں ہسپتال لے گئے ہیں وہیں سے معلوم ہوا ہے کہ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور کنڈیشن سیریس ہے۔" فیروز حسن پریشانی کے عالم میں حماد اور شبنم کو ساری تفصیل سنانے لگے، حماد بھی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"بابا جانی، میری اماں بی....." شبنم روتے ہوئے فیروز حسن کو دیکھنے لگی۔

"بیٹا کچھ نہیں ہوگا رضیہ بی بی کو، حماد تم میرے پاکستان جانے کے لیے ٹکٹ بک کرواؤ۔" وہ شبنم کو تسلی دے کر حماد سے مخاطب ہوئے۔

"میں ٹکٹ بک کرواتا ہوں بابا جانی مگر آپ کے لیے نہیں اپنے لیے۔ میرے خیال سے اس وقت آپ کا یہاں ہونا زیادہ ضروری ہے، مجھے ویسے بھی ایک دو دن میں پاکستان جانا تھا تو میں چلا جاتا ہوں۔" حماد مدلل انداز میں فیروز حسن سے کہتے ہوئے موبائل پر آن لائن ٹکٹ بک کروانے کے لیے معلومات کرنے لگا۔

"بابا جانی میں بھی پاکستان جاؤں گی۔" شبنم نے روہانسی لہجے میں فیروز حسن کو دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔

"تم نہیں جا سکتیں۔ میں وہاں اماں بی کے معاملات دیکھوں گا یا تمہاری ذمہ داری اٹھاؤں گا۔" شبنم کی فرمائش پر حماد نے سخت لہجے میں ٹوکا۔

"بابا جانی، وہ میری بھی اماں بی ہیں، میں اس حال میں ان سے دور نہیں رہ سکتی۔" شبنم روتے ہوئے التجا کرنے لگی۔

"حماد بیٹا، شبنم کے لیے بھی ٹکٹ بک کرواؤ۔" فیروز حسن نے شبنم کی بات مانتے ہوئے حماد سے کہا۔

"مگر بابا جانی....." حماد ایک دم سے جھنجھلایا۔

"بیٹا سمجھا کرو، رضیہ بی بی شبنم کی نانی ہیں، ان کی اس صورت حال پر وہ کیسے ان سے دور رہ سکتی ہے۔ تم شبنم کے لیے بھی ٹکٹ بک کرواؤ۔" فیروز حسن بیٹے کو دوٹوک انداز میں سمجھاتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے بابا جانی۔" حماد بے بسی سے بولا۔ شبنم نے اپنے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے مسکراتی

نگاہوں سے موبائل پر مصروف حماد کو دیکھا۔

❁.....❁.....❁

"آج میں بہت خوش ہوں ماریانہ، آج سے پہلے میں کبھی اتنا خوش نہیں ہوا تھا۔" ماریانہ کھڑکی کے پاس کھڑی دن کا سنہرا رنگ سرمئی شام میں بدلتا دیکھ رہی تھی۔ ارسل اس کے نزدیک کھڑا تھا۔ اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے وقت کے بدلے رنگوں کو دیکھتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں بولا۔ ماریانہ نے بے اختیار ارسل کو دیکھا۔

وہ بے انتہا قریب تھا، اس کی سانسوں کی گرم آنچ ماریانہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ ارسل کی گہری نگاہیں ماریانہ کے حسین چہرے پر ٹکی تھیں۔ وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔

"میں اس دن بھی اتنا خوش نہ تھا جب پہلی بار تم سے ملا تھا۔" ارسل گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔

"حالانکہ میرا دل خود بخود تمہاری جانب مائل ہوا تھا اور میرے دل نے کہا تھا کہ ارسل اس لڑکی کو بچالو، اسے کوئی آنچ نہ آنے دو۔" ارسل نے ماریانہ کو دونوں شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ کر ہولے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر ہم ملتے رہے ماریانہ اور ہر ملاقات میرے دل کو تمہارے قریب کرتی گئی تھی۔ میرے دل میں کئی اندیشے تھے، میں ڈرتا تھا، خوف زدہ رہتا کہ تم سے بے تحاشا محبت کرنے لگا ہوں اور کہیں تم مجھ سے دور نہ ہو جاؤ۔ یہ ڈر، یہ وسوسے، یہ اندیشے مجھے کبھی تمہاری محبت کو مکمل طور پر محسوس نہیں کرنے دیتے تھے۔ میں ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پاتا تھا۔" اس نے کہا اور ماریانہ اسے دم بخود سی دیکھتی رہی۔

"مگر آج جب تم میری ہو چکی ہو تو ہر اندیشہ، ہر خوف دور ہو گیا ہے، آج اگر کوئی احساس مجھے اندر تک سرشار کر رہا ہے تو وہ صرف یہ کہ ماریانہ اب صرف میری ہے۔" ارسل اس کا ہاتھ تھام کر محبت پاش لہجے میں بولا۔

"میں اب صرف تمہاری ہوں ارسل اور تم سے کبھی جدا نہ ہوں گی، نا ہی تمہیں خود سے جدا ہونے دوں گی۔" ماریانہ بے اختیار اس کے سینے سے لگ گئی۔

کیا تم وہ شخص ہو
جو اس طرح سے کہتے ہو
یہ سوچ، یہ آنکھیں
یہ لہجہ، یہ باتیں
کب سے دل میں نقش ہو
صدیوں سے یہاں رہتے ہو
تم کمال کرتے ہو
یوں دھڑکنوں کا میری
استعمال کرتے ہو
کہ
جلترنگ میں ہو جاؤں
رنگ رنگ میں ہو جاؤں
تمہارا نام لے کوئی
میں دم بخود سی ہو جاؤں

آمدوں میں کھو جاؤں
اور اس خوشی میں رہ جاؤں
تیری دلفریب چھاؤں میں
میں آج تھک کر سو جاؤں
میری سادگی پہ ہنستے ہو
میری سادگی میں بستے ہو
کیا تم وہ شخص ہو
جو اس طرح سے کہتے ہو؟
آئینہ بن کے میرے نفس کا
یوں دیوار سے جھولنا تیرا
پرواز کرتے عکس میں
وہ سکڑنا اور پھولنا میرا
میں کون ہوں، کہاں ہوں
اس دیکھنے میں بھولنا میرا
یوں جانتے ہو کس طرح
پہچانتے ہو کس طرح
ہم سوچتے تھے جس طرح
سب اسی طرح سے کرتے ہو
میری ساری شدتیں
تم اف ادا سے سہتے ہو
ہاں تم وہ شخص ہو جو اس طرح سے کہتے ہو
مجھ سے بیاباں کو تم
پیار سے تو تکتے ہو
ان ناسور زخموں کو
گیتوں سے جو بھرتے
یہ بھی بہت ہے
اتنا بھی کہاں ہوتا ہے
کہ تم سا شخص
حقیقت میں کہاں ہوتا ہے
ماریانہ گنگناتی رہی اور وہ مسکراتا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"صاحب، بی بی کی حالت ٹھیک نہیں، اسی لیے آپ کو فون کر کے گھر بلایا ہے۔" رشیدہ عاصم کے سامنے سر جھکائے

کھڑی پریشان سی کہہ رہی تھی۔
"کیا ہوا ہے صبیحہ کو؟" عاصم فکر مند ہوا۔
"پتا نہیں صاحب دلاور بابا کمرے میں سو رہا تھا۔ بی بی جی پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھیں۔ مجھ پر بھی آ کر برسنے لگیں پھر میں انہیں کمرے میں دلاور بابا کے پاس لے کر گئی تو کہنے لگیں کہ ابھی تو کمرے میں نہیں تھا پھر کہاں سے آ گیا؟" رشیدہ تاسف بھرے انداز میں عاصم کو سارا قصہ سنا رہی تھی۔
"اف صبیحہ یہ تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔" عاصم پریشانی سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔
"صاحب جی بس اتنی سی بات نہیں ہے۔" رشیدہ نے کن انکھیوں سے عاصم کے چہرے پر پھیلتے اضطراب کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔
"پھر مزید کیا بات ہے؟" عاصم نے چونک کر رشیدہ کو دیکھا۔
"بی بی جی کو پھر چائے بنا کر دی اور آپ کے کپڑے پریس کرنے لگی۔ کپڑے لے کر واپس آپ کے کمرے میں آئی تو بی بی جی نے دروازہ بند کر رکھا تھا اور اندر سے دلاور بابا کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ تو بی بی جی چلانے لگیں، میں نے گھبرا کر آپ کو فون کر دیا۔ صاحب جی آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں خاموشی چھائی ہے۔ نہ جانے اندر کیا بات ہوئی ہے۔ نہ دلاور بابا کی آواز آ رہی ہے نہ بی بی جی کی۔" ساری تفصیل جان کر وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ دروازہ واقعی بند تھا۔ وہ پرزور انداز میں دھڑ دھڑانے لگا۔
"صبیحہ..... صبیحہ دروازہ کھولو۔" دروازہ دھڑ دھڑاتے ہوئے وہ مسلسل بلند آواز میں صبیحہ کو صدا لگا رہا تھا۔ کافی دیر تک دھڑ دھڑانے کے بعد کمرے کا دروازہ بالآخر کھل گیا۔ صبیحہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ سرخ آنکھیں مسکتی، بال بکھرائے یوں جیسے غشی کے عالم میں ہو۔
"یہ..... یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟" عاصم اسے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے تقریباً چیخ پڑا۔
"عاصم پتا نہیں وہ دلاور....." صبیحہ نیم غشی کی حالت میں ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولیں۔
"کہاں ہے دلاور؟" عاصم پریشانی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ سامنے فرش پر دلاور پڑا تھا۔ موسم ویسے ہی سرد تھا اور فرش کی ٹھنڈ سے اس کا جسم نیلا ہو رہا تھا۔
"دلاور..... میرے بچے۔" عاصم بدحواس سا اس کی جانب لپکا۔ صبیحہ بھی جیسے ہوش میں آ گئی تھیں اور بے قراری دلاور کی جانب بڑھیں۔
"دلاور..... میری جان یہ کیسے ہوا؟" وہ عاصم کی گود سے دلاور کو لینے کی کوشش کرنے لگی مگر عاصم نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
"دور رہو میرے بچے سے، تم نے خود اس ننھی جان کو موت کے منہ تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور مجھ سے پوچھتی ہو کہ اسے کیا ہوا ہے۔" عاصم غصے سے چلاتے ہوئے اسے سامنے سے ہٹا کر اس کو گود میں لیے بدحواس سا کمرے سے باہر نکل گیا۔
"عاصم رکیں..... رکیں تو عاصم۔" صبیحہ دیوانگی کے عالم میں عاصم کے پیچھے بھاگیں۔

❁ ❁ ❁

"ہمم..... تو ملازمہ نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا اسے کہا گیا تھا۔" یاور بخت ریسیور کان سے لگائے مطمئن سے انداز میں بولے۔

"اچھا تو دونوں میاں بیوی میں جھگڑا بھی ہوا۔" وہ مسکرائے۔
"اچھا تو بچے کو لے کر ہسپتال گئے ہیں وہ لوگ، ہونہہ۔" وہ تفصیل جان کر کچھ سوچنے لگے۔
"ٹھیک ہے ملازمہ پر نظر رکھو اور ان دونوں کے ایک ایک پل کی خبر دو مجھے۔" وہ ہدایت جاری کر کے ریسیور کریڈل پر رکھ کر گہری سوچ میں گم ہو گئے۔
"صبیحہ تمہیں لوٹنا ہوگا۔ جو جنت تم نے بنائی ہے اسے اجڑنا ہوگا تمہاری قسمت صرف یاور بخت سے جڑی ہے، تمہارا نصیب میرے نصیب سے منتھی ہے، یہ ایرے غیرے لوگوں سے تمہیں تعلق ختم کر کے میرے پاس واپس لوٹنا ہوگا اور اگر تم خود نہیں لوٹو گی تو میں تمہاری جنت نیست و نابود کر دوں گا۔ تمہارا مقدر صرف میں ہوں..... صرف یاور بخت۔" یاور بخت کے لبوں پر انتہائی کمینی سی مسکراہٹ چسپاں تھی۔

وہ کچی عمر کے پیار بھی
ہیں تیز بھی تلوار بھی
تازہ ہیں دل پر وار بھی
اور خوب یادگار بھی
گھر جائیں وحشتیں
ایسی بھی کوئی رات ہو
سر سفید ہو گیا
لگتا ہے کل کی بات ہو
یہ کچی عمر کے پیار بھی
بڑے پکے نشان دیتے ہیں
آج یہ کم دھیان دیتے ہیں
بہکے بہکے بیان دیتے ہیں
ان کو دیکھے ہوئے مدت ہوئی
اور ہم
اب بھی جان دیتے ہیں
یاور بخت دیوانوں جیسے انداز میں بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

حماد سنجیدہ بیٹھا سامنے بیٹھی اس عورت کو دیکھ رہا تھا جس کا بچہ اسے مسلسل تنگ کر رہا تھا مگر وہ ماتھے پر بل ڈالے بغیر اپنے بچے کی ہر بات مان رہی تھی۔ اسے اس پل شدت سے رضیہ بی بی یاد آئیں۔ وہ بھی ہمیشہ اس کی ہر ضد ایسے ہی سر آنکھوں پر رکھ کر پوری کیا کرتی تھیں اور آج نجانے ایسا کیا ہوا تھا جو وہ یوں موت کے منہ میں جا پہنچیں۔ اس نے سوچتے ہوئے یونہی گردن گھما کر شبنم کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی تفکر کے سائے لرزیدہ تھے۔ وہ جہاز کے کھڑکی والے سرے پر بیٹھی تھی۔ نگاہوں کا مرکز، کھڑکی سے باہر نظر آتا نیلا آسمان تھا۔ وہ کچھ ثانیے تک شبنم کو دیکھتا رہا پھر نگاہوں کا زاویہ واپس مسافروں پر مرکوز کر دیا۔
"شکر ہے میں نے اس وقت حماد کے خلاف منہ سے کچھ نہیں نکالا ورنہ نجانے کیا ہوتا، میرا جھوٹ بھی پکڑا جاتا اور گھر

سے بھی دربدر ہو جاتی اور یہ اماں بی کو اچانک کیا ہو گیا؟ اچھی بھلی تو تھیں پھر یہ ہارٹ اٹیک خیر جو بھی ہو اماں بی کا ہارٹ اٹیک میرے تو کام آ گیا۔ اب میں اور حماد پاکستان میں اکیلے ہوں گے۔ یعنی فاریہ کو حماد کی زندگی سے نکال باہر کرنے کا مجھے پورا پورا موقع ملے گا۔" وہ فاتحانہ انداز میں حماد کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

"بچے کو شدید ٹھنڈ کے باعث ڈبل نمونیا ہو گیا ہے، ہمیں دکھ سے بتانا پڑے گا کہ اس وقت بچے کی حالت بے حد تشویش ناک ہے۔ اسی لیے ہمیں بچے کو خاص آبزرویشن میں رکھنا پڑے گا۔" ڈاکٹر نے اپنے پروفیشنل لب و لہجے میں عاصم کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ کچھ بھی کریں بس میرے بچے کو بچا لیں۔" عاصم ملتجی لہجے میں ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔

"آپ دعا کریں۔ ہم بچے کو بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔" ڈاکٹر تسلی دیتے ہوئے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

"صبیحہ تم ذمہ دار ہو میرے بیٹے کو اس حال میں پہنچانے کی۔ تمہاری وجہ سے آج میرا بچہ زندگی اور موت میں پھنسا ہوا ہے۔" ڈاکٹر کے جاتے ہی عاصم طیش کے عالم میں صبیحہ کی جانب پلٹ کر پھٹ پڑا۔

"عاصم میرا کیا قصور ہے، میں نے کیا، کیا ہے؟" صبیحہ حیران سی بولی۔

"اچھا تو تمہیں معلوم ہی نہیں کہ تم نے کیا، کیا ہے؟" عاصم بیوی کی ناسمجھی پر مزید چراغ پا ہوتے ہوئے سوال کرنے لگا۔

"نن..... نہیں عاصم....." صبیحہ، شوہر کے غضب ناک تیور دیکھ کر گھبراہٹ کے عالم میں نفی میں سر ہلانے لگی۔

"یہ بتاؤ صبیحہ کہ دلاور کے کپڑے اتار کر کس نے اسے فرش پر لٹایا تھا؟" عاصم نے مزید غصہ ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں عاصم دلاور تو میرے ساتھ سو رہا تھا پھر پتا نہیں کیسے۔" صبیحہ پریشان سی وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کیوں نہیں پتا صبیحہ، تم بچے کی ماں ہو، تمہارا فرض ہے اس کا خیال رکھنا، تمہاری موجودگی میں دلاور اس حال تک کیسے پہنچا، تمہیں یہ ہی نہیں معلوم؟" عاصم اس تمام صورت حال سے بری طرح زچ آ کر سر پکڑے کوریڈور میں موجود سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"عاصم مجھے لگتا ہے یہ سب رشیدہ کر رہی ہے، وہ ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے، وہ ضرور یاور بخت سے ملی ہوئی ہے اور....." صبیحہ ساری صورت حال پر غور کرتی، اس نتیجے پر پہنچ کر عاصم کو سمجھانے لگی مگر عاصم ایک دم سے مشتعل ہو کر اس پر بری طرح چیخ پڑا۔

"پھر یاور بخت..... تم یاور بخت کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں صبیحہ۔ اس کا خیال، اس کا خوف اپنے دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔"

"عاصم میں تو بس....." صبیحہ اس کے غصے کے پیش نظر سہم کر وضاحتی لہجے میں بولی۔

"کیا میں تو بس..... ہاں کیا میں تو بس؟ تم جانتی بھی ہو کہ اس دن یاور بخت کے گھر جا کر تمہارے تھپڑ مارنے کا بھگتان میں کس طرح بھگت رہا ہوں؟ جانتی بھی ہو کہ یاور بخت نے اس دن کا انتقام میرے لیے آئے دن میں روز ایک نئی مصیبت کھڑی کر کے لے رہا ہے۔ میری ملازمت خطرے میں پڑ گئی ہے۔ کوئی غلط قسم کا کیس میرے سر میں تھوپ کر مجھے جیل بھیجا جا سکتا ہے اور تم آج پھر یاور بخت پر الزام دھر رہی ہو صبیحہ جبکہ غلطی تمہاری اپنی ہے۔" وہ اسے حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے قصوروار بھی ٹھہراتے ہوئے کہنے لگا۔ صبیحہ یک دم سی اس کی بات سنتی رہیں۔

"دلاور کا خیال تم نہیں رکھ پا رہی ہو۔ تم اس کی جانب سے کوتاہی برت رہی ہو۔ تم نہ جانے کس ذہنی دباؤ کا شکار ہو کہ

اب تک یہ سمجھ ہی نہیں پارہیں کہ تمہاری یہ بداحتیاطیاں، دلاپرواہیاں ہمارے لیے ہی نہیں، ہمارے بچے کے لیے بھی مصیبت بنتی جارہی ہیں۔ آج اگر میرے بیٹے کو کچھ ہواناں صبیحہ تو میں تمہیں زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔" عاصم اسے گھورتے ہوئے تنبیہ کرکے وہاں سے چلا گیا۔

"یا میرے اللہ، یہ کیا ہورہا ہے میرے ساتھ، میرا بچہ میرا شوہر میری پوری ازدواجی زندگی داؤ پر لگ گئی ہے۔" صبیحہ سر پکڑے وہیں بیٹھ گئیں۔

"کوئی مانے نہ مانے مگر میں جانتی ہوں کہ یاور بخت میری ہر مشکل کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے۔" وہ یاور بخت کے متعلق سوچنے لگیں۔

"مجھے تم سے ملنا ہوگا یاور بخت، ایک ملاقات بہت ضروری ہوگئی ہے ہمارے لیے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں سوچتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

❁.....❁.....❁

"ڈاکٹر اب کیسی کنڈیشن ہے ان کی؟" حماد ائیر پورٹ سے سیدھا ہسپتال پہنچا تھا اور متفکر سا ڈاکٹر سے رضیہ بی بی کی طبیعت کی مکمل رپورٹ لے رہا تھا۔

"ابھی آئی سی یو میں ہیں، فیروز صاحب کی ہدایت کے مطابق آپریشن کردیا ہے۔ ابھی ان کی کنڈیشن مونیٹر کی جارہی ہے۔ آپ لوگ بس دعا کریں۔" ڈاکٹر پروفیشنل انداز میں اسے تسلی دے کر چلا گیا۔

"ہائے اللہ میری اماں بی..... یا اللہ میری اماں بی کے علاوہ تو میرا اس دنیا میں کوئی ہے بھی نہیں۔ انہیں کچھ نہ ہونے دیں اللہ تعالیٰ انہیں کچھ نہ ہونے دیں۔" شبنم نے ڈاکٹر کی ساری بات سن کر وہیں رونا دھونا شروع کردیا۔ البتہ اس رونے دھونے کے درمیان وہ گاہے بگاہے کن انکھیوں سے حماد کے چہرے کو بھی دیکھتی رہی تھی۔ اسے امید تھی کہ حماد اس کے یوں رونے دھونے پر پگھل جائے گا۔ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوگا۔ اور اسے اپنا کاندھا رونے کو دے گا مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ خالص جذبوں اور پرخلوص رشتوں میں ریاکاری کا رنگ چڑھ جائے تو لوگوں سے مخفی نہیں رہتا اور ریاکاری بلند مقام پر پہنچے شخص کو بھی گرا کر پاتال میں دھکیل دیتی ہے۔ حماد نے بھی ناگوار نظروں سے شبنم کے اس ڈھونگ کو دیکھا۔ اس کے دل میں شبنم کے خلاف مزید گرہ پڑ گئی تھی۔ اماں بی اس پر جان چھڑکتی تھیں اور آج وہ اس حال میں ہیں تو یہ لڑکی ان کے لیے بے ریا آنسو بھی نہیں بہا سکتی۔ کس قدر بدل گئی تھی، شبنم کس قدر نظروں سے گر چکی تھی حماد تاسف بھری نظروں سے شبنم کو دیکھ کر سر جھٹکتے ہوئے فاریہ کو موبائل پر کال ملانے لگا۔

"ہیلو فاریہ..... کہاں ہو تم؟" کال ریسیو ہوتے ہی اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔ شبنم ایک دم سے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں پاکستان آ گیا ہوں فاریہ، تم بس جلدی سے ہسپتال پہنچو۔" حماد نے عجلت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ شبنم ایک دم سوچ میں پڑ گئی۔

"اماں بی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔" وہ فاریہ کو پریشانی کے عالم میں تفصیل بتانے لگا۔

"میں یہاں خود کو بہت اکیلا محسوس کررہا ہوں فاریہ پلیز تم آجاؤ۔ اس وقت مجھے تمہارے ساتھ کی بے حد ضرورت ہے۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ فاریہ، حماد کی بات سن کر ایک دم سے تڑپ اٹھی۔

"اوکے میں ویٹ کررہا ہوں تمہارا۔" حماد نے اتنا کہہ کر کال منقطع کردی اور انتظار کے عالم میں وہیں کوریڈور میں ٹہلنے لگا۔

"نہیں فاریہ کو یہاں نہیں آنا چاہیے، حماد کی فاریہ سے اتنی جلدی ملاقات کسی صورت نہیں ہونا چاہیے۔" شبنم مضطرب نگاہوں سے حماد کو کوریڈور میں ٹہلتا دیکھ کر پریشانی سے سوچنے لگی۔

"کچھ کر شبنم، کچھ سوچ، کچھ ایسا سوچ کہ فاریہ اور حماد ایک دوسرے سے مل نہ پائیں اور اگر مل بھی جائیں تو ان کے درمیان غلط فہمی پیدا کر..... سوچ شبنم اگر حماد کے دل میں اپنی محبت کی جوت جگانی ہے تو کسی بھی صورت فاریہ کو اس کے دل سے نکال پھینکنا ہوگا۔" شبنم حماد پر نظریں جمائے دل ہی دل میں منصوبے بناتی رہی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"صبیحہ تم یہاں؟" صبیحہ یاور بخت کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کو اپنے سامنے دیکھ کر یاور بخت نے حیرانگی سے سوال کیا۔

"کیا آج پھر کوئی الزام لگانے آئی ہو صبیحہ؟" صبیحہ کو خاموش پا کر یاور بخت کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی آمیزش در آئی۔

"نہیں آج میں تم سے اپنے کیے کی معافی مانگنے آئی ہوں۔" صبیحہ نے ایک دم سے سر اٹھا کر روندھی ہوئی آواز میں یاور بخت سے کہا۔

"کس کیے کی معافی صبیحہ؟" وہ اس کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کا دل بری طرح سے پسیج گیا۔

"میں نے اس دن تم پر بے جا الزام لگایا، تمہیں اپنے بچے کے اغوا کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے بے عزت کیا، خدارا یاور بخت تم مجھے معاف کر دو مگر میری اس زیادتی کی سزا میرے شوہر کو مت دو، ان کے لیے پریشانیاں مت کھڑی کرو، میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں یاور بخت تم مجھے معاف کر دو۔" صبیحہ ہاتھ جوڑے گڑگڑاتی ہوئی یاور بخت کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ یاور بخت کو اس پل یوں محسوس ہوا کہ ان کا دل کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا ہو۔ وہ بے قرار سے آگے بڑھ کر صبیحہ کو دونوں شانوں سے تھام کر اٹھانے لگے۔ عاصم اسی پل یاور بخت کے گھر میں پریشانی کے عالم میں داخل ہوا تھا مگر صبیحہ اور یاور کو اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔

"خدارا ایسا مت کہو صبیحہ، تم جانتی ہو آج بھی میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا، اللہ گواہ ہے آج بھی میرے دل میں تمہارے لیے بے تحاشا محبت ہے، میں تمہیں یوں روتا نہیں دیکھ سکتا صبیحہ۔" یاور بخت، صبیحہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے جڑے ہوئے دونوں ہاتھوں کو تھام کر جذب کے عالم میں بولے۔ عاصم کی نگاہوں میں یہ منظر دھندلا گیا۔ وہ حیرت سے صبیحہ اور یاور بخت کو ایک دوسرے کے ساتھ دیکھتا رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

www.naeyufaq.com

کھنکتی چوڑیاں

سباس گل

چوڑیاں پہناؤں یا مہندی لگاؤں
تو جو کہے او ساجن
میں دلہن بن کے آؤں

حارث چوڑیوں کے اسٹال پر ایک حسین دوشیزہ کا ہاتھ پکڑے اسے چوڑیاں پہناتے ہوئے تصور و خیال کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ اسے ساکت مگر مسکراتا دیکھ کر وہ لڑکی دھاڑی۔

"او مسٹر..... کہاں کھو گئے؟"

"وہ..... میں ناں..... فلمی گانا اچھن کر رہا تھا ہم دونوں پر۔" حارث نے چونکتے ہوئے مسکرا کر شرمیلے پن سے جواب دیا۔

"محسوس نہیں کر رہے تھے اپنے گالوں پر کچھ؟"

"نن..... نہیں تو۔" وہ بوکھلایا۔

"آئندہ سے کرو گے۔" لڑکی نے اپنا چوڑیوں والا ہاتھ کھینچا اور اور حارث کے دائیں رخسار پر تھپڑ جڑ دیا۔ وہ دم بخود رہ گیا۔ یہ تو اس نے واقعی تصور نہیں کیا تھا۔

"اوئی ماں..... یہ تو اصلی ہے۔" وہ اپنے گال کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں بیٹا اور بنو فلمی۔" اس کا دوست سلیمان جو اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا اسٹال پر اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ وہ لڑکی واپس جا رہی تھی تو حارث نے پیچھے سے مخاطب کیا۔

"سنیں، چوڑیاں تو پہن لیں۔"

"میں گھر جا کر خود ہی پہن لوں گی بے شرم کہیں کے تم لوگ لڑکیوں کے ہاتھ پکڑنے کے لیے چوڑیاں بیچ رہے ہو ناں؟" وہ لڑکی غصے سے بولی۔

"کوئی لڑکی ہاتھ پکڑا ہی نہیں رہی۔" حارث بولا۔

"شرم سے ڈوب مرو۔" لڑکی نے ٹھیک ٹھاک بے عزتی کردی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی مگر تھی وہ کھلی کھلی گندمی رنگت، نشیلی آنکھوں والی لڑکی بہت حسین۔

"شادی کیے بغیر نہیں مروں گا، ویسے بھی اماں کہتی ہیں کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم۔" حارث نے سادگی سے جواب دیا۔

"بس کردے اب کسی لڑکی سے سر بھی پھٹوائے گا۔" سلمان بولا۔

"یار..... چوڑیوں کا اسٹال لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، لڑکیاں ہاتھ پکڑاتے ہی چھڑا لیتی ہیں۔" حارث نے اداسی سے کہا۔

"ایسا کر مہندی کا اسٹال لگالے، اس بہانے زیادہ دیر لڑکی کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں رہے گا..... کیسا؟" سلیمان نے عامیانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے سستا سا مشورہ دیا۔

"بہت برا۔" حارث کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیوں بھئی؟" سلیمان اس کے سامنے اسٹول سرکا کر بیٹھ گیا۔

"مجھے ہر ایری غیری لڑکی کا ہاتھ پکڑنے کا شوق ہے نہ ہی تمنا۔"

"بھیا..... یہاں تو سب ایسی ہی آئیں گی ہاتھ پکڑو گے تب ہی رشتہ جڑے گا ناں۔" سلیمان نے اسے دیکھتے ہوئے اپنی مٹھی بھر عقل کے مطابق سمجھانا چاہا۔

"پتا نہیں کب جڑے گا؟ سچ کہوں تو مجھے لڑکیوں، عورتوں کی یہ حرکت بہت غلط بلکہ بری لگتی ہیں جو غیر مردوں سے چوڑیاں پہنتی ہیں۔ چوڑیاں تو وہ خود بھی پہن سکتی ہیں ناں پھر یہ گناہ کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟" حارث نے بڑے گہرے انداز میں سنجیدگی سے کہا وہ ایسا ہی تھا گھڑی میں بھوت، گھڑی میں ولی۔

"کہہ تو ٹھیک ہی رہا ہے اور آج کل کی لڑکیاں بھی بڑی چالاک ہوگئی ہیں، خود ہی سوچ، ایک چوڑیاں بیچنے والے سے بھلا کون لڑکی شادی کرے گی؟" سلیمان بھی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"وہی جس کا باپ یا بھائی بھی چوڑیاں بیچنے والا ہو یا ایسا ہی کوئی چھوٹا موٹا کام کرتے ہوں۔" حارث بولا۔

"ہاں بالکل۔"

"میں نے سوچا تھا اس بہانے اپنی دلہن ڈھونڈ لوں گا۔" حارث بولا۔

"دلہن کھوگئی تھی کیا؟" سلیمان ہنستے ہوئے بولا۔

"یار میرا مطلب ہے کہ اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کرلوں گا۔"

"چاہے کوئی لڑکی تجھے پسند کرے نہ کرے۔" سلیمان نے مسخرا یا۔

"ہائے..... ہائے اپنے تو نصیب میں ہی نہیں ہے سہرا باندھنا بس کنوارے ہی مرجائیں گے ہم تو۔" حارث نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"اللہ نہ کرے، رمضان کا مہینہ ہے اچھا اچھا بول، قبولیت کی گھڑی بھی ہوسکتی ہے۔" سلیمان فوراً بولا۔

"گھڑی سے یاد آیا میں نے اپنی گھڑی بیچ کر یہ چوڑیوں کا اسٹال لگایا تھا اور اب اس گھڑی کو رو رہا ہوں۔"

"مت رو میرے یار، زندگی اسی کا نام ہے۔" سلیمان نے اسے تسلی دی۔

"سنا ہے آج خالہ نے دو قرآن پاک پڑھنے کی خوشی میں کوئی نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنا ہے، کیا یہ سچ ہے سلیمان؟" حارث نے یاد آنے پر پوچھا۔

"ہاں..... بے جی ماشاء اللہ رمضان شریف میں تین، چار قرآن پاک مکمل کرلیتی ہیں، ذردے پلاؤ کی دیگیں چڑھیں گی افطار سے پہلے محلے میں بٹ بھی جائے گی نیاز۔" سلیمان نے تفصیل بتائی۔

"واہ..... میرے تو منہ میں پانی آ گیا۔ زردہ، مرغ پلاؤ ہوگا ناں؟"

"چنے والا پلاؤ ہوگا۔"

"آہ یار، ہم غریبوں کو کبھی مرغ پلاؤ نہ نصیب ہوا، سال میں بس چار، چھ بار ہی زیارت نصیب ہوتی ہے۔"

حارث نے اپنی مفلسی کا حال بیان کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"شکر کیا کر..... بہت سوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا، لوگ تو کچرے کے ڈھیر میں خوراک تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔" سلیمان سنجیدگی سے اسے شکر کا درس دیتے ہوئے بولا۔

"ہاں یہ تو سچ ہے، اللہ مجھے معاف کرے اور اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔" حارث نے فوراً معافی اور دعا مانگی۔

"آمین۔" سلیمان نے دل سے کہا۔

"اب ان چوڑیوں کا کیا کریں؟" حارث نے چوڑیوں کے ڈبے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہم تو پہننے سے رہے۔" سلیمان ہنس دیا۔

"اماں اور بہنوں کے لیے لے جاتے ہیں، عید پہ پہن لیں گی باقی چوڑیوں کی دکان پر بیچ دیتے ہیں ان کا تو روز کا کام ہے۔" حارث نے سوچتے ہوئے کہا تو سلیمان کو اس کا خیال مناسب لگا۔

"ہاں یہ صحیح ہے چل سمیٹتے ہیں یہ سب۔" سلیمان نے کہا اور وہ دونوں چوڑیوں کو ڈبوں میں رکھنے لگے کچھ ہی دیر میں سب چوڑیاں ڈبوں میں بند ہو چکی تھیں اور چوڑیوں کی دکان کی جانب سفر کر رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

حارث اور سلیمان کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا یعنی مالیاتی اعتبار سے غریب طبقے سے، وہ جس علاقے میں رہائش پذیر تھے وہ غریب آباد کہلاتا تھا۔ ہر گھر میں نفوس کی تعداد زیادہ تھی۔ تین، تین مرلے کے ڈبل، ٹرپل اسٹوری مکان تھے سب کے کسی کا پانچ مرلے کا تھا بھی تو اس میں بھی تین تین خاندان آباد تھے، سب کے چھوٹے موٹے کام تھے، عورتیں گھر داری کے علاوہ سلائی کڑھائی اور لفافے بنانے کا، سموسے، پکوڑے بنانے کا کام کر کے اپنے مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ جن گھروں کے مردوں کی اچھی دکان داری تھی ان کی عورتیں صرف گھر کے کام دیکھا کرتی تھیں اور محلے میں سب کی خیر خبر رکھتی تھیں، ایک دوسری کی غمی خوشی میں سب شریک ہوتے تھے۔ عید، شب برات، شادی بیاہ، جشن آزادی پر سب سے زیادہ رونق غریب آباد میں دکھائی دیتی تھی۔ غریب آدمی کو چھوٹی سی خوشی بھی بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ کسی لڑکی کی شادی ہوتی تو سب ہی تھوڑا تھوڑا کر کے جہیز اور کھانے کا انتظام کر دیا کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غریب آباد کی کچی آبادی میں سڑک پکی ہو گئی تھی۔

کچھ لوگوں نے اپنے مکانوں کی چھتیں پکی کروالی تھیں۔ سردی میں مرغی کے ڈربے کی طرح سب دو دو کمروں میں پلنگ کے ساتھ پلنگ ملا کر جگہ بنا کر گھس جایا کرتے تھے لحافوں میں اور گرمیوں کے موسم میں گھروں کے مرد باہر گلی میں چارپائی بچھا کر سوتے تھے، کسی زمانے میں بوڑھی عورتیں بھی گھر کے دروازے کے قریب پلنگ بچھوا کر سویا کرتی تھیں وہ تو ایک بار چور آ گیا اور ایک اماں جی کو یرغمال بنا کر مال ہتھیانے کے چکر میں تھا، مال تو نہ ملا اسے جان بچا کر بھاگنے کے لیے ان خاتون کو ڈھال بنانا پڑا تھا۔ تب سے محلے والوں نے فیصلہ کیا کہ کوئی عورت گھر کے باہر پلنگ یعنی چارپائی بچھا کر نہیں سوئے گی۔ گرمی برداشت کریں سب جان جانے سے عزت جانے سے زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا جب سے اب تک کوئی عورت باہر نہیں نکلتی تھی رات میں سونا تو دور کی بات ہے۔ حارث کے ابا کی محلے میں پرچون کی دکان تھی جو خوب چلتی تھی۔ اشرف اللہ اور کلثوم بی بی کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا حارث تھا۔ جیسے تیسے کر کے بیٹیوں کو تو بیاہ دیا تھا اب تین مرلے کے گھر میں وہ تین نفوس رہ گئے تھے۔

حارث کی شادی کا ارمان تو بہت تھا اماں ابا کو مگر بیٹیوں کی شادی پہ جمع کے علاوہ قرض بھی لینا پڑ گیا تھا۔ بس وہی اتار نے میں حارث کی شادی ٹل رہی تھی۔ حارث نے ایک ساتھ دو دو نوکریاں بھی کیں صبح میں اخبار تقسیم کرتا، دو بجے کے بعد سموسے پکوڑے بیچا کرتا جو

اماں اور کلثوم بنایا کرتی تھیں اور ہاتھوں ہاتھ بک جایا کرتے تھے، حارث میٹرک پاس تھا اور اس کا دوست سلیمان بھی دونوں بچپن کے دوست تھے۔ سلیمان کا گھر پانچ مرلے کا تھا۔ چار بہنوں اور تین بھائیوں کے علاوہ ماں باپ بھی تھے۔

دونوں بھائیوں اور دو بہنوں کی شادی ایک بہن کا نکاح ہو چکا تھا، رخصتی چاند رات کو ہونا تھی۔ سلیمان سبزی کا ٹھیلہ لگاتا تھا اور ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام بھی کرتا تھا۔ شام سے رات تک۔ یوں وہ دونوں دوست اپنا خرچ اٹھا رہے تھے اور گھر میں بھی کچھ نہ کچھ دے رہے تھے۔ دونوں کی عمریں ستائیس، اٹھائیس تھیں۔ اپنی شادی کی باری کا انتظار تھا، دونوں کے خواب اور ارمان تو بہت تھے مگر وسائل ان کی پہنچ سے باہر تھے۔

رمضان شروع ہوا تو حارث نے گھڑی بیچ کر چوڑیوں کا اسٹال لگا لیا تاکہ اپنے لیے کوئی لڑکی بھی پسند کر سکے یا کوئی خاتون اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کر جائے اور بات بن جائے مگر بات نہ بنی الٹا ایک لڑکی نے چھیڑ ہی جڑ دیا اس لیے یہ کام تو اس کے دل سے ہی اتر گیا تھا۔ کیمسٹ کی دکان پر کام سیکھ رہا تھا وہ تین چار گھنٹے صبح میں اگر وہاں نوکری لگ جاتی تو مہینے کے پچیس ہزار ملنے کی امید تھی، اس طرح ایک معقول تنخواہ ہر ماہ اس کے ہاتھ آسکتی تھی اور وہ اپنی شادی شدہ زندگی با آسانی شروع کر سکتا تھا، اپنے اور بیوی بچوں کے اخراجات اٹھانے میں کافی سہارا مل سکتا تھا اس ملازمت سے۔

❁.....❁.....❁

حارث چوڑیوں کا ڈبا لے کر گھر پہنچا تو اس کی تینوں بہنیں اپنے بچوں سمیت آئی ہوئی تھیں۔ اس نے چوڑیوں کا ڈبا اماں کی طرف بڑھایا۔

"اماں..... یہ چوڑیاں لایا ہوں آپ چاروں کے لیے۔"

"جیتا رہ میرا چاند۔" اماں نے ڈبا لے کر کھولتے ہوئے دلار سے کہا۔

"اماں..... چاند تو ہر مہینے نیا نکلتا ہے۔" وہ ہنس کر بولا اور ان کے پاس تخت پر ہی بیٹھ گیا۔

"گھٹتا بڑھتا رہے نا، چاندنی کم، مدھم ہووے نا، ختم تو نہ ہووے، ڈوبے ابھرے اور پھر نئے جوبن سے نکلے ہے۔" اماں سائنسی اور تکنیکی پہلو کو زندگی سے جوڑتے ہوئے سمجھانے لگیں۔

"ہاں یہ تو ہے اماں..... چوڑیاں پسند آئیں؟"

"بہت پیاری ہیں، تیرے اسٹال کا کیا بنا بک گئیں ساری چوڑیاں؟" اماں پوچھنے لگیں تینوں بہنیں شازیہ، نازیہ اور سعدیہ چوڑیاں دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"ہاں بک گئیں بس اب نہیں لگاؤں گا چوڑیوں کا اسٹال۔" وہ بے زاری سے بولا اس کا دایاں ہاتھ اپنے رخسار پر آ ٹھہرا تھا اسے وہ تھپڑ یاد آ گیا جو لڑکی نے مارا تھا۔

"وہ کیوں بھیا؟" سب سے چھوٹی سعدیہ نے پوچھا۔

"سراسر زنانیوں کا کام ہے، یہ تو عورتیں ہی عورتیں آتی ہیں غیر مردوں کے ہاتھوں سے اپنی کلائی میں چوڑیاں چڑھواتی ہیں پھر الزام بھی مردوں کو دیتی ہیں کہ ہمیں چھیڑ رہا ہے، گھور رہا ہے، بندہ پوچھے تم سے کس نے کہا ہے کہ نامحرم مرد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دو..... شوہر بیوی کو چوڑیاں پہنائے، بیٹا اپنی ماں کو چوڑیاں پہنائے، بھائی اپنی بہن کو چوڑیاں پہنائے تو اچھا نہیں بہت اچھا لگتا ہے مگر ایک نامحرم لڑکی ایک نامحرم مرد سے چوڑیاں پہنے تو برا لگتا ہے بلکہ گناہ ہے۔" حارث کے اندر کا مولوی پوری طرح جاگ رہا تھا اس وقت وہ بولتا رہا۔

"بات تو سولہ آنے ٹھیک کہی تو نے۔" شازیہ بولی۔

"اللہ مجھے معاف کرے میں نے بھی یہ گناہ کر دیا آج اوپر سے وہ لڑکی مجھ ہی پہ دھونس جما کے چلانے لگی۔ اپنے ہاتھ ٹوٹتے ہیں چوڑیاں پہنتے ہوئے جو چوڑی والے کے سامنے ہاتھ کر دیتی ہیں کہ بھیا چوڑی پہنا دو۔" حارث کا غصہ اپنی حماقت میں پڑنے والے تھپڑ پر تھا

جب ہی اتنا بول رہا تھا۔

"بھیا ہی تو کہتی ہے پیا تھوڑی کہتی ہے لڑکی۔" سعدیہ بولی۔

"کوئی بھیا ویا نہیں ہوتا..... بھیا صرف ماں جایا ہوتا ہے تم لوگ بھی کان کھول کے سن لو خبردار جو غیر مرد سے چوڑیاں پہنی ہوں۔" حارث نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے تنبیہ کی۔

"ہم تو خود ہی پہن لیتی ہیں۔" نازیہ اس کی لائی ہوئی لال، ہری چوڑیاں اپنی کلائی میں پہناتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی تو وہ اسے دیکھ کر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

❁.....❁.....❁

حارث اونچا لمبا گندمی رنگت والا خوش شکل جوان تھا۔ کچھ خواب اس کی آنکھوں نے بھی دیکھے تھے مگر تعبیر کے رستے میں حالات رکاوٹ بن رہے تھے۔ اس کے ساتھ کے سارے لڑکوں کی شادیاں ہوگئی تھیں، بس ایک وہ اور ایک سلیمان رہ گیا تھا۔ سلیمان کی بے جی اس کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی تھیں۔ غریب آباد میں غریب ہی اپنی لڑکی بیاہنے کو تیار ہوسکتا تھا، باہر والے تو اس علاقے سے گزرتے ہوئے بھی دس بار سوچتے تھے۔

❁.....❁.....❁

"خیر ہے آج ادھر ہی رکنے کا ارادہ ہے کیا؟" افطار اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد حارث نے تینوں بہنوں کو آرام سے باتوں میں مگن دیکھا تو چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔" شازیہ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پوچھو الف..... بتائیں گے ج..... سوال گندم، جواب چنا۔"

"ہم بہت ہی خاص کام کے لیے رکی ہیں آج۔" نازیہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اچھا..... اور وہ خاص کام کیا ہے؟"

"تیری شادی۔" اماں نے جواب دیا جو باورچی خانے سے چائے کے کپ کی ٹرے لیے باہر نکلی تھیں۔

"میری شادی؟" حارث حیرانی سے بولا۔

"ہاں تیری شادی، لڑکی ڈھونڈلی ہے ہم نے تیرے لیے۔" اماں نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ چونکا ہوا۔

"یہ تو بریکنگ نیوز ہے اماں، ویسے کون لڑکی ہے وہ؟"

"وہ میرا جیٹھ ہے ناں؟" نازیہ بولی۔

"ایک منٹ۔" حارث نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"میں تم تینوں کے سسرال میں نہیں کرنے والا شادی ہاں..... یہ وٹہ سٹہ ستیاناس کرکے رکھ دیتا ہے اچھے بھلے رشتوں کا۔ ایک ناخوش ہے تو دوسرے کو بھی اس کی سزا ملنا ضروری ہے..... نہ بابا نہ مجھے شادی کرنی ہے سکون اور خوشی کے واسطے، دنگا فساد نہیں چاہیے مجھے اپنی زندگی میں۔" حارث تیزی سے بولا تو چاروں اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔

"اس کی پوری بات تو سن لے..... بڑبڑ بولے جارہا ہے۔" اماں نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

"سناؤ پوری بات۔" وہ چڑ سا ہو کر بولا۔

"میرے جیٹھ کی بیٹی کی سہیلی ہے افشاں دسویں پاس ہے پرائیویٹ ایف اے کی تیاری کررہی ہے، اچھی شکل صورت کی ہے، گھرداری بھی سیکھ رہی ہے، کھانا پکانا بھی آتا ہے، باپ کی پرچون کی دکان ہے، دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے، بھائی ایک درزی ہے دوسرا سبزی منڈی میں آڑھتی ہے، اس کی کمائی اچھی ہے، ہم تو لڑکی دیکھ آئے ہیں۔ گھر بھی ٹھیک ہے، بھائی شادی شدہ ہیں بس افشاں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں، تیرے ساتھ خوب جچے گی وہ۔" نازیہ نے سنجیدگی سے تفصیل اس کے گوش گزار کی۔

"تمہیں تو لڑکی پسند آ گئی ہے، لڑکی اور اس کے گھر والوں کو بھی تو لڑکا پسند آنا ضروری ہے ناں ایک ہماری "ہاں" سے تو بیاہ نہیں ہونے کا ان کی "ہاں" بھی تو چاہیے۔" حارث نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو اماں کہنے لگیں۔

"تیری تصویر ہم نے لڑکی والوں کو دکھا بھی دی اور دے بھی آئے ہے، کہہ رہے تھے افشاں ہماری لاڈلی بیٹی ہے اس سے بات کریں گے وہ ہاں بولے گی تو ہم آپ کو ہاں میں جواب دے دیں گے۔"

"اکلوتی اور لاڈلی ہے تو نک چڑھی اور سر پھری بھی ہوگی۔" حارث نے قیاس آرائی کی۔

"ضروری نہیں ہے، مجھے تو وہ بہت سلجھی ہوئی لگی، ہاں پر اعتماد ہے، صاف گو ہے، اب تم اسے منہ پھٹ کہو تو یہ تمہاری سوچ اور مرضی ہے، انہیں یہ رشتہ قبول ہوا تو اگلے جمعہ ہمارے گھر آجاؤیں گے تجھے دیکھنے، گھر بار دیکھنے..... دل نہ ہوا تو چپکے بیٹھے رہیں گے۔" نازیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میری تصویر تو دے آئی انہیں لڑکی کی تصویر بھی لائی ہو کہ نہیں؟" حارث نے خیال آنے پر پوچھا تو وہ چاروں ہنسنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے؟" وہ کھسیانا ہو کر بولا۔

"بڑی بے تابی ہے اپنی ہونے والی دلہن کو دیکھنے کی۔" شازیہ شوخ لہجے میں بولی وہ شرما گیا۔

"مجھے کوئی بے تابی نہیں ہے کون سا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ نہ دکھاؤ تصویر۔" وہ کہہ کر اٹھ کر جانے لگا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا بیٹھ ناں، چل دیکھ لے تصویر۔ تو بھی کیا یاد کرے گا کس سخی بہن سے واسطہ پڑا ہے۔"

"ہاں بہت ہی سخی ہو تم تو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولتا دوبارہ بیٹھ گیا۔

"لے یہ دیکھ افشاں۔" نازیہ نے اپنے موبائل فون کو اس کے آگے کر کے لڑکی کی تصویر دکھاتے ہوئے بتایا۔

"یہ.....!" تصویر دیکھتے ہی حارث کو ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔ وہ جھٹ سے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ تصویر والی لڑکی وہی تھی جس نے آج چوڑیوں کے اسٹال پر اسے تھپڑ مارا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔

"تو جانے ہے اسے؟" اماں نے اس کے ردعمل پر حیران ہو کر پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اگر تھپڑ والی بات بتائے گا تو بے عزتی ہوگی اور وہ لڑکی بھی شاید اسی بات کی وجہ سے اس رشتے سے انکار کر دے گی، شرمندگی کا احساس اسے مشکل میں ڈال رہا تھا۔

"نہیں..... میں کیسے جان سکتا ہوں پر آج چوڑیاں لینے آئی تھی یہ شاید وہی ہے۔" اس نے بات بنائی اصل وجہ بتانے لائق نہیں تھی۔

"شاید نہیں سو فیصد وہی ہے میں نے اسے بتایا تھا کہ میرے بھائی نے رمضان بچت بازار میں چوڑیوں کا اسٹال لگانا ہے آج تم جا کر چوڑیاں بھی پہن لینا اور لڑکا بھی دیکھ لینا۔" نازیہ نے مسکراتے شوخ لہجے میں بتایا۔

"کر دیا نا عزت کا فالودہ تو اس کی بہن ہے کہ میری جو اسے یوں بھیج دیا اپنا بر دیکھنے؟ بجائے اس کے کہ تو مجھے بتاتی کہ وہ لڑکی آئے گی میرے اسٹال پر تو اسے بھیج دیا مجھے دیکھنے کو..... یا اللہ کیسی عقل بند اور کوڑھ مغز بہنیں ملی ہیں مجھے۔" حارث نے اپنا سر پیٹتے ہوئے صحن میں ٹہلتے ہوئے بے چارگی سے کہا تو ان تینوں کے منہ لٹک گئے۔

"ایک تو ہم نے تیرے لیے اتنی سوہنی کڑی پسند کی ہے اوپر سے تو ہمیں ہی باتیں سنا رہا ہے۔" نازیہ منہ بسور کر بولی۔

"تو کیا غلط سنا رہا ہوں جب اس افشاں بی بی کو میرے بارے میں بتایا تھا تو مجھے بھی اس کے بارے میں بتا دیا ہوتا اب اللہ جانے اس نے مجھے کس حال میں اور کس نظر سے دیکھا ہوگا، اچھا ہے وہ لوگ نہ آئیں یہاں۔" حارث نے بے کلی سے صحن میں چکر لگاتے

ہوئے تیز لہجے میں کہا۔
"کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔" اماں نے اپنی تینوں لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب تو جو ہونا تھا ہوگیا۔" شازیہ بولی۔
"بالکل، پر یہ رشتہ نہیں ہوگا۔" حارث چیخ کر بولا۔
"کیوں نہیں ہوگا..... تجھے لڑکی پسند نہیں آئی؟" نازیہ متفکر ہو کر بولی۔ "اتنی تو پیاری ہے اور تجھ سے زیادہ پڑھی لکھی بھی ہے۔" شازیہ نے افشاں کی تعلیمی قابلیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تو حارث کو مزید تاؤ آنے لگا۔ وہ تیز لہجے میں گویا ہوا۔
"ہاں تو نہ کرے وہ مجھ سے شادی اپنے سے زیادہ پڑھا لکھا ڈھونڈ لے اور تم بھی جب اپنے بھائی کو اس کے سامنے اس کے مقابلے پہ کم پڑھا، کم قابل ثابت کرو اور سمجھو گی تو وہ کیا میری خاک عزت کرے گی، تم تو اپنے سکے کو کھوٹا اور دوسرے کے کنکر کو ہیرا بتانے اور ثابت کرنے پہ تلی ہو..... واہ بھئی واہ۔"
"حارث ٹھیک بولے ہے، تمہاری تو عقل پہ پتھر پڑ گئے ہیں لڑکی کو بھیج دیا کہ حارث کو دیکھ لیوے..... اس کے گھر والے ابھی ہمارے گھر تو آئے نہیں اور تم باہر کے باہر نظارے کرا رہی ہو۔" اماں نے تینوں بیٹیوں کو دیکھتے ہوئے ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلائی۔
"اچھا اماں..... اب ہوگئی ناں غلطی اب سوچو اس جمعہ کو وہ آ گئے تو ہم کیا جواب دیں گے، ہاں ہی کریں گے ناں؟" نازیہ نے سر جھٹک کر تیزی سے سوال کیا۔
"حارث سے پوچھو۔" اماں نے ہاتھ اور آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ منہ بسورے بولا۔
"وہ نہیں آنے والے یہاں انکار تو فون پہ بھی کیا جا سکتا ہے۔"
"نہ انکار کیوں کریں گے وہ؟" اماں حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔
"اور اقرار کیوں کریں گے وہ؟" حارث نے الٹا انہی سے سوال کیا۔
"ہم ان کے ہم پلہ ہیں، ایک جیسے سفید پوش لوگ ہیں، روپے پیسے کے حساب سے ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، وہ بھی اور ہم بھی، ان کی لڑکی اکلوتی اور ہمارا لڑکا۔" اماں نے حارث کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"جو دل میں آئے کرو۔" حارث کہہ کر سیڑھیوں کی طرف لپکا۔
"وہ دل میں آئے تو کرو ہاں۔" نازیہ نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔
"پہلے اس کی ہاں تو لے لو۔" حارث نے مڑ کر اسے دیکھا۔
"اگر اس کی طرف سے ہاں ہوئی تو وہ تمہیں فون کرے گی۔"
"کیا.....؟ تو نے میرا موبائل نمبر بھی اسے دے دیا؟" وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"ہاں۔" نازیہ مسکرائی۔
"دور فٹے منہ۔" وہ بولا۔
"دیکھ لو اماں، ایک تو اس چھڑے کے واسطے اتنی اچھی کڑی (لڑکی) پسند کی ہے اوپر سے مجھے فٹے منہ بول رہا ہے۔ اس کے سر پہ سہرا سجانے کے لیے ہم بہنیں اتنا کام کر رہی ہیں، بھاگ دوڑ کر رہی ہیں اور اس کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔" نازیہ نے منہ بنا کر کہا۔
"تو کیوں چپکی بیٹھی ہے گونگے کا گڑ کھا لیا کیا؟" اماں نے سعدیہ کو مسلسل خاموش دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا، اس کے بولنے سے پہلے شازیہ بول پڑی۔
"عید پہ اس کی نندیں آ رہی ہیں رہنے اپنے بچوں سمیت، ان ہی کا سوچ سوچ کر سہم چڑھ رہا ہے اسے۔"
"کیوں سعدیہ؟" اماں نے سعدیہ کے اترے چہرے کو دیکھا۔
"ہاں اماں..... وہ تینوں ایک ساتھ آئیں گی ہفتہ دس دن رہ کے بھی جائیں گی پورے نو لوگوں کا اضافہ ہو جائے گا گھر میں اور میں اکیلی ان کی خاطر مدارات

کرنے میں آدھ موئی ہوجاؤں گی۔" سعدیہ افسردگی سے بولی۔ حارث سیڑھیوں میں کھڑا اپنا موبائل دیکھ رہا تھا اور کان ان کی باتوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"دیکھ میری بچی، تیرا سسرال تیری نندوں کا میکہ ہے ان کے آنے پہ اگر تو اپنا جی برا کرے گی ان کی خاطر تواضع کو بوجھ یا مصیبت سمجھے گی تو وقت سے پہلے تھک جاوے گی اور عمر سے پہلے آدھی رہ جاوے گی، سب مل بانٹ کے ہنسی خوشی کرنا، وہ بچوں والی ہیں تیرے بھی خیر سے ایک لڑکا ہے، مل کے کرلیں گی سب کام اور اگر وہ تیرا ہاتھ نہیں بٹائیں تو تو اپنا جی برا نہ کریو، یہ سوچ کے کہ ان کا میکہ ہے وہ یہاں کچھ دن آرام کرنے، اپنا جی ہلکا کرنے کو آئی ہیں۔ اپنا اخلاق اچھا رکھیو منہ پہ بارہ بجائے رہے گی تو اپنی ہی قدر کم کرے گی سسرال والوں کی نگاہ میں اور سب سے بڑی بات یہ میری بچی، یہ تیرا میکہ ہے تم تینوں جب یہاں رہنے کو آؤ گی تو یوں تو تمہاری بھاوج بھی تمہارے (تمہارے) بارے میں یہی بات سوچ لے کہ آگئیں تینوں میرا کام بڑھانے، چین بھگانے تم بی تو تین ہو..... تمہارے بارے میں تمہاری (تمہاری) بھاوج ایسا سوچے گی تو تنے (تمہیں) اچھا لاگے (لگے) گا کیا، نہیں ناں؟ تو پھر ایسا سوچنا ہی غلط ہے..... ہنسی خوشی رہو مل کے کام کرو..... میکے آؤ تو اپنے کام خود سے کرو بھاوج آجاوے گی تو اس کا ہاتھ بٹانا اس طرح اس کے دل میں تمہاری جگہ بنے گی، عزت بڑھے گی..... آئی بات سمجھ شریف میں کہ نہیں۔" اماں نے سعدیہ کو دیکھتے ہوئے ان تینوں کو سمجھنا چاہا تھا۔

"جی اماں..... سمجھ میں آ گئی۔" سعدیہ ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"اماں..... آج کل خدمت، محبت کا کوئی صلہ نہیں ملتا الٹا بیوقوف، خوشامدی کہا جاتا ہے ایسے لوگوں کو۔" شازیہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"صلہ بندوں سے نہیں ملا کرتا، رب سے ملتا ہے جو بندوں سے صلے کی امید رکھتی ہیں وہ ہمیشہ دکھی ہی رہ ویں۔" اماں نے سمجھایا۔

"اماں..... ہم کوئی ولی تو ہیں نہیں کہ ان جیسا صبر، برداشت کریں اور صلہ آخرت میں لینے کی غرض سے دنیا میں ساری زندگی کڑھتے، جلتے، سڑتے روتے گزار دیں، ہمارا بھی دل ہے جو خوش ہونے کی راہ تکے ہے، دن رات صبح سے رات تلک کولہو کے بیل کی طرح کام کرو سب کا خیال رکھو اور بدلے میں ایک مسکراہٹ بھی نہ ملے تو دکھ نہیں ہوگا کیا؟ گھر بسانے کو دل اجاڑنے، مارنے پڑتے ہیں اس معاشرے میں، لڑکی ہونا تو آپ ایک امتحان ہے..... اس پہ سسرال بلائے جان ہو تو ہر سانس بوجھ، ہر قدم آزمائش، ہر کام کڑا خیر چھوڑو یہ سب تو بدلنے سے رہا، ہم حارث کی دلہن کی بات کررہے تھے۔" نازیہ نے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے آخر میں سرد آہ بھر کر کہا تو دونوں بھی جو افسردہ ہوگئی تھیں ادھر ادھر دیکھنے لگیں، اماں تو ٹین سمیٹنے کے بہانے اٹھ کر چلی گئی تھیں، اب وہ کیا کہتیں، عورت کی تو ازل سے یہی کہانی ہے، دکھ، درد بھری، آنسوؤں، سسکیوں بھری، جب تک وہ صبر و برداشت سے کام لیتی رہتی ہے شوہر نام کا رشتہ اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے، جہاں اس نے صبر چھوڑا، اس کی برداشت جواب دے گئی وہیں اس کی گرہستی کی ناؤ ڈوبنے لگی، دکھی دل اور پرنم آنکھوں سے اماں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو دیکھا تھا جن کے چہروں پہ بہت سی فکروں کے سائے لہرا رہے تھے مگر پھر بھی وہ اپنے بھائی کی شادی کرانے کے لیے پرجوش تھیں۔

❁.....❁.....❁

حارث بار بار اپنے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔ اسے افشاں کی فون کا انتظار تھا۔ دل و دماغ کہہ رہے تھے کہ وہ اس سے شادی نہیں کرے گی نہ ہی کال کرے گی کیونکہ آج چوڑیوں کے اسٹال پہ جو ہوا تھا اس کے بعد وہ اسے چھچھورا لڑکا سمجھنے لگی ہوگی جو ہر لڑکی پہ لائن مارنے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔ اس کو خود سے زیادہ اپنی بہنوں پر غصہ آرہا تھا کہ اسے بے خبر رکھا اور غیر لڑکی کو اس کا حال حلیہ دیکھنے

بھیج دیا۔ چھت پر ٹہلتے، سوچتے، افسوس کرتے کرتے جب وہ تھک گیا تو صحن میں بچھی چارپائی پر آ کر لیٹ گیا اور تاروں بھرے آسمان کو تکنے لگا۔

اچانک حارث کے موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی اور حارث کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ ایک سیکنڈ میں اٹھ بیٹھا اور موبائل کی اسکرین کو تکنے لگا جہاں انجان نمبر جگمگا رہا تھا۔

"ہو نہ ہو یہ ضرور افشاں ہی ہے۔" حارث نے خود کلامی کی اور کال اٹینڈ کر لی۔

"ہیلو۔"

"حارث بات کر رہے ہیں؟" دوسری جانب سے وہی دلنشیں آواز اس کی سماعتوں میں اتری جس کا انتظار وہ کافی دیر سے کر رہا تھا۔ وہ افشاں ہی تھی۔ کھنکتی چوڑیاں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں اور حارث کے دل میں گھنٹیاں بجا رہی تھیں۔

"جی ہاں..... آپ کون ہیں؟" وہ انجان بن کر بولا۔

"میرا تعارف تو اب تک ہو ہی چکا ہوگا۔" وہ بڑی دلکشی سے بولی۔ چوڑیوں کی کھنک بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"بی بی..... میں یہاں پہیلیاں بوجھنے کے لیے نہیں بیٹھا، آپ جو بھی ہیں اپنا نام، کام بتائیں۔" حارث نے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں افشاں بات کر رہی ہوں آپ کے اور میرے رشتے کی بات چل رہی ہے، آپ کی بہنوں نے بتایا تو ہے سب کچھ۔" افشاں نے تنگ کر کہا۔ اسے حارث کے روکھے لہجے نے بہت مایوس کیا تھا۔

"اچھا.....! تو وہ آپ ہیں۔" حارث سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں اور آپ کی بہنوں نے تو بڑی تعریفیں کی ہیں آپ کی لڑکیوں کا غیر مردوں سے چوڑیاں پہننا آپ کو سخت ناپسند ہے تو میرا ہاتھ کیوں پکڑا تھا؟" افشاں سنجیدہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھی، چوڑیاں وہ جان بوجھ کر کھنکا رہی تھی۔

"میں نے تمہارا ہاتھ نہیں پکڑا تھا بلکہ تم نے خود پکڑایا تھا کہ مجھے چوڑیاں پہنا دو، کسی نامحرم مرد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ پکڑاؤ گی تو وہ کیا انکار کرے گا؟ مکمل کا ردعمل ہوتا ہے بی بی۔" حارث نے وضاحتی انداز میں سنجیدگی سے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی کیونکہ حارث سچ کہہ رہا تھا ہاتھ اسی نے پکڑایا تھا، اس کے ہاتھ میں۔

"میں تو دیکھنے آئی تھی کہ تم کیا کرتے ہو عام لڑکوں کی طرح ہو یا....."

"عام لڑکوں کی طرح ہوتا تو مفت میں چار سیٹ تھما دیتا تمہیں اور چائے پانی کی آفر بھی کرتا..... یہ سچ ہے کہ مجھے اپنی شادی کے لیے لڑکی کی تلاش ہے مگر میں کسی بھی لڑکی کے ساتھ چکر چلانے والا نہیں ہوں۔" حارث اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تو افشاں یاد دلاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اچھا تو میرا ہاتھ پکڑ کے فلمی گانا کون سا امچن کیا تھا؟"

"وہ تو میں چیک کر رہا تھا کہ تم بھی عام سی لڑکی ہو یا کچھ خاص ہے تم میں کیونکہ میں نے اتفاق سے اماں اور بہنوں کی باتیں سن لی تھیں کہ تم اسٹال پر آؤ گی چوڑیاں پہننے کے بہانے مجھے دیکھنے، پرکھنے۔" وہ اپنا بھرم رکھنے کے لیے بولا تھا غلطی تو ہو گئی تھی مگر اس کی مردانہ انا آڑے آ رہی تھی یہ کہتے ہوئے کہ وہ بے اختیاری میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا۔

"تم نے تو میری تصویر بھی اب دیکھی ہے پھر کیسے پہچان لیا مجھے؟"

"تمہارے دیکھنے کے انداز سے پہچانا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو گی کیونکہ تم نے چوڑیوں کے سارے ڈبے چیک کیے تھے اور اس دوران تم مجھے بھی دیکھتی رہی تھیں بس اسی سے شک ہوا تھا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو۔" اسے بروقت معقول جواب سوجھا تھا۔ لہٰذا بچت ہو گئی تھی افشاں بھی

شرمندہ سی ہوگئی۔

"مرد کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ایک لڑکی، ایک عورت اسے دیکھنے، پرکھنے کے بعد قبول یا رد کرے اور میں نے تو تمہاری اس حرکت پر تمہیں تھپڑ بھی دے مارا تھا یہ تو ڈبل وار ہوگئے تمہاری غیرت اور مردانگی پر، اب بھی قبول کرو گے کیا مجھے؟" افشاں نے اپنی کلائی میں موجود چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔ چوڑیوں کی کھنک، کھلکھلاہٹ حارث کے دل میں اودھم مچا رہی تھی۔ دل، قبول ہے، قبول ہے کا شور مچا رہا تھا۔

"مرد کی غیرت اور مردانگی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو عزت دے، انہیں خوشی اور تحفظ کا احساس دے اور جہاں تک دیکھنے، پرکھنے کی بات ہے تو افشاں بی بی اگر مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی چنے، من پسند شریک حیات کا انتخاب کرے، وہاں لڑکی کو بھی ہمارے دین نے یہ حق دیا ہے کہ اگر لڑکا اسے پسند نہیں، اس کا دل راضی نہیں ہے اس لڑکے سے نکاح کرنے کو تو وہ انکار کرسکتی ہے۔ پر ہمارے ہاں اس بات کو انا کا مسئلہ بنالیا جاتا ہے لڑکی کو بے شرم، بے حیا، خود مختار ہونے کے طعنے دیئے جاتے ہیں، ہاں یہ بات مرد کو نا گوار گزرے گی کہ اسے دیکھنے کے بعد رد کردیا جائے مگر لڑکی کو بھی تو یہی کچھ سہنا پڑتا ہے، وہ جھیل سکتی ہیں تو مرد کیوں نہیں؟" وہ قدرے توقف کے لیے رکا پھر بولا۔ "رہی بات تھپڑ کی تو تم نے وہ تھپڑ مار کر یہ ثابت کیا کہ تم کسی مرد کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ تمہیں تمہاری مرضی کے بنا چھوئے یا تم پر غلط نگاہ ڈالے، سچ کہوں تمہاری جرأت نے دل جیت لیا۔ اچھی لڑکی ہر لڑکے کا ہاتھ نہیں تھام لیتی، یہ تو پرانا رواج اور طریقہ سالوں سے چلا آرہا ہے کہ عورتیں، لڑکیاں، بالیاں، چاند رات کو بازار جاتی ہیں چوڑیاں پہننے، حالانکہ چوڑیاں لڑکیاں خود بھی پہن سکتی ہیں، پہلے تو دل و دماغ اور نگاہ صاف ستھرے تھے، آج کل یہی صاف نہیں رہے باقی سب صاف ستھرے، اجلے مہنگے پیرہن سجائے تن ڈھانپے پھرتے ہیں..... خلاصہ یہ کہ جو کچھ ہوا مجھے برا نہیں لگا۔" حارث نے نہایت دھیمے مگر سنجیدہ لہجے میں تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے افشاں کے دل کے چاروں خانوں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔

"مطلب تم میرے رشتے کے لیے ہاں کردو گے؟" افشاں نے سوال کیا۔

"دیکھو، میری اماں اور بہنیں تمہیں میرے لیے پسند کرچکی ہیں اب تم نے اور تمہارے گھر والوں نے فیصلہ کرنا ہے، یہ رشتہ اگر تمہارے والدین کو پسند ہوگا تو وہ ہمارے گھر آجائیں گے اگر تم انہیں ہاں میں جواب دوگی تو ورنہ خاموش بیٹھے رہیں گے اور زیادہ ہوا تو فون کرکے منع کردیں گے اور مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا کیونکہ مجھے وہی لڑکی ملے گی جو رب نے میرے نصیب میں لکھی ہے وہ تم بھی ہوسکتی ہو کوئی اور بھی ہوسکتی ہے ہاں اماں اور بہنوں کا دل ضرور ٹوٹا ہوگا یہ رشتہ نہ ہونے سے وہ بڑی خوش ہیں تمہیں میرے لیے پسند کرکے۔" حارث نے بے قابو ہوتے دل کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور تم..... تم خوش نہیں ہو؟" افشاں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"میں تب خوش ہوؤں گا جب میری اماں اور بہنوں کی خوشی پوری ہوگی، ایک بات سچی سچی میں تمہیں بتادوں اگر تمہاری شادی مجھ سے ہوتی ہے تو تمہیں ایک چیز یاد رکھنا ہوگی۔" حارث نے کہا۔

"وہ کیا؟" افشاں نے متجسس ہوکر پوچھا۔

"وہ یہ کہ میں جس گھر میں رہتا ہوں یہ گھر میری تینوں بہنوں کا میکہ ہے ان کے یہاں آنے پہ کبھی ناک بھوں مت چڑھانا، رویہ اور لہجہ تلخ مت رکھنا ان کے ساتھ، انہیں یہاں آکر خوشی کا احساس ہونا کہ اس بات پہ افسوس ہونے لگے کہ انہوں نے تم سے اپنے بھائی کی شادی کرکے بہت بڑی غلطی کردی، وہ صرف اس لیے تمہاری عزت نہ کریں کہ تم ان کے بھائی کی بیوی ہو بلکہ

وہ تمہاری عزت تمہارے اپنے اچھے اخلاق اور حسن سلوک کی وجہ سے کریں..... بڑا بدنصیب اور ناکام ہوتا ہے وہ انسان جس کی عزت لوگ صرف اس کی ذات سے جڑے رشتے یا اس کے کسی ڈر و خوف کی وجہ سے کرنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ گھر بسانے کے لیے گھر والوں کے دل میں جگہ بنانا پڑتی ہے پھر ساری راج دھانی اپنی سمجھو۔" حارث نے دھیمے مگر سنجیدہ لہجے میں اپنی بات پیش کی تو افشاں کو احساس مسرت نے گھیر لیا کہ ایک سلجھا ہوا اور سمجھدار شخص اس کے نصیب میں جڑنے جا رہا ہے۔

"اپنی بہنوں سے بڑا پیار ہے تمہیں۔" افشاں مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں بالکل ہے اور ہر بھائی کو اپنی بہنوں سے پیار ہوتا ہے۔ بہنیں تو بھائیوں کے لیے ہر وقت دعا کرتی ہیں خواہ وہ ان کے لیے کچھ نہ کریں تب بھی وہ اپنے بھائیوں کی صحت، خوشی اور سلامتی چاہتی ہیں۔" حارث نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ تو سچ کہا تم نے اور بیوی کا کتنا خیال کرو گے؟"

"جتنا میرے بس میں ہوا اور میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں دونوں برابر ہوں گے تو ٹھیک سفر کٹے گا اور ان کے رشتے کی گاڑی چلے گی..... بیوی بھی اپنا فرض، ذمے داری نبھائے اور شوہر بھی۔" حارث نے کہا۔

"ہوں، چلو دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ میرے گھر والے تمہارے گھر آئیں گے، تمہارا گھر بار دیکھنے اور تم سے ملنے کے بعد ہی وہ فیصلہ کریں گے کہ تم سے میرا بیاہ کرنا ہے یا نہیں۔" افشاں سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے حق ہے ان کا آخر اپنی بیٹی دینی ہے تو اچھی طرح دیکھ بھال کے، پتا کرا کے ہی "ہاں یا ناں" کا فیصلہ لیں گے ناں۔" حارث گہرا سانس لے کر بولا تو وہ بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"بالکل ایسے ہی ہوگا، اچھا اللہ حافظ۔"

"رب رکھا۔" حارث نے جواباً کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

حارث کا دل عجیب سی کیفیات میں گھر گیا تھا افشاں سے بات کرنے کے بعد..... وہ چھت پر چلا آیا۔ دل کی تمنا تھی کہ افشاں کے گھر والے اس کے رشتے کے لیے ہاں کر دیں، آنکھیں بھی افشاں کو دلہن کے روپ میں دیکھنے لگی تھیں۔ افشاں اسے اچھی لگی تھی۔ اس کا مارا ہوا تھپڑ بھی اسے پھول محسوس ہو رہا تھا، ایک اچھی لڑکی کو غیر مرد کی ایسی حرکت پر اتنے ہی شدید ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے تھا جتنا افشاں نے کیا تھا۔ حارث کو بے کلی و بے قراری نے ایک پل کے لیے بھی سونے نہیں دیا تھا۔ یہاں تک کہ سحری کا وقت ہو گیا، قریبی مسجد سے آواز آنے لگی تھی۔

"روزے دارو، اللہ رسول کے پیارو، سحری کا وقت ہو گیا ہے اٹھ جاؤ اور سحری کرنے کی تیاری کر لو۔" حارث اٹھا وضو کر کے نفل ادا کیے اور اپنے بہترین مستقبل اور اپنی بہنوں کی خوشیوں، آسانیوں بھری زندگی کی دعائیں مانگیں اور افشاں سے شادی کی تمنا کو اللہ کی رضا پہ چھوڑ دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

جمعہ کے دن افشاں کے گھر والے حارث کے گھر افطاری پر آئے۔ ان کا مقصد اصل میں حارث سے ملنا تھا۔ اماں نے خوب تواضع کی ان سب کی اور وہ سوچ کر جواب دینے کا کہہ کر عشاء کی اذان ہوتے ہی واپس چلے گئے۔ دن گزر رہے تھے اور روزے بھی ختم ہونے کو تھے۔ عید کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی۔ حارث کو دن میں کئی بار خیال آتا افشاں کا اور وہ ہر بار سر جھٹک کر کام میں لگ جایا کرتا۔ اسے فارمیسی پہ ملازمت مل گئی تھی۔ پچیس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ تھی۔ وہ خوشی خوشی مٹھائی کا ڈبا لے کر گھر پہنچا تھا۔ آج انتیسواں روزہ تھا اور افطار بھی ہو چکا تھا۔ چاند نظر آنے کا قوی امکان تھا۔

"اماں، ابا یہ عید تو میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوگی، ڈبل خوشیاں لائی ہے، اتنی اچھی نوکری مل گئی مجھے۔" حارث نے اماں ابا کو مٹھائی کھلاتے ہوئے

خوشگوار لہجے میں کہا تو ابا بولے۔

"بیٹا..... اللہ جو ہے ناں وہ کسی کی محنت اور صبر ضائع نہیں کرتا، آج اس نے تجھے تیری محنت کا پھل دیا ہے مبارک ہو میرے چاند۔ اللہ تجھے خوب ترقی دے۔" ابا نے اسے پیار سے گلے لگالیا۔

"آمین..... ابا۔" حارث خوش ہو کر بولا مگر دل میں کہیں کسک سی تھی افشاں کے نام و خیال نے دل کے ایک کونے میں اداسی بھر رکھی تھی۔ اس کے گھر والوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بقول ابا کے۔

"جواب نہ دینا مطلب صاف جواب دینا ہوے یعنی وہ یہ رشتہ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔"

"اچھا اب تو جلدی سے تیار ہو جا ہمیں کہیں جانا ہے۔" اماں نے اس سے کہا۔

"کہاں اماں؟" حارث نے مٹھائی کا ڈبا انہیں دیتے ہوئے پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

"تیری بہنوں کو عیدی دینے جانا ہے، میں نے تیرے کپڑے نکال دیئے تھے جانبا کے تیار ہو جا جلدی سے۔ ہمیں جلدی سے یہ کام نبٹانا ہے۔"

"اچھا اماں۔" وہ فرماں برداری سے کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ساری چیزیں پوری ہیں ناں حارث کی ماں؟" ابا نے اماں سے پوچھا۔

"ہاں سب تیاری ہے، اللہ ہمارے بچوں کو خوش رکھے بس۔" اماں نے چارپائی پر رکھی مختلف چیزوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چیزوں میں مٹھائی، پھل، چوڑیاں، مہندی، کپڑے وغیرہ سب موجود تھے۔

حارث نہا کر تیار ہو کر آیا تو اماں ابا کے ساتھ بہنوں کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، حارث کو بس میں جانے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی مگر خاموش رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"اماں، ابا یہ کہاں کی تیاری ہے؟ مجھے بھی عید کا جوڑا پہنا کر تیار کروا لیا اور بہنوں کو بھی عیدی دے کے ساتھ لیے جا رہے ہو..... آخر معاملہ کیا ہے کوئی مجھے بھی بتائے گا؟" حارث نے راستے میں جب تینوں بہنوں اور ان کے شوہر بچوں کو بھی بس میں ساتھ آتے دیکھا تو بے تابی سے پوچھا۔ وہ سب ہنسنے لگے۔

"بس پانچ منٹ صبر کر لے سب پتا چل جاوے گا۔" ابا مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ سب کو سب پتا ہے اور میں ہونق بنا وہاں پہنچوں گا۔" حارث منہ بسور کر بولا تو اماں ہنس کر کہنے لگیں۔

"تیرا نکاح کرنے جا رہے ہیں۔"

"کیا..... نکاح میرا..... کس کے ساتھ؟" حارث تو یوں اچھلا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو، بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"ایک لڑکی کے ساتھ۔" نازیہ شوخی سے بولی۔

"ہی ہی ہی..... بریکنگ نیوز ہے یہ تو میرے لیے۔" حارث چڑ کر بولا۔

"بریکنگ نیوز تو ابھی باقی ہے میرے دوست۔" نازیہ کے شوہر فہد نے کہا۔

"کون ہے وہ لڑکی جس سے میرا نکاح کرنے جا رہے ہو؟"

"تیرے سپنوں کی رانی ہے۔" نازیہ نے شرارت بھرے انداز میں چھیڑا۔

"تجھے کیسے خبر ہے؟" وہ سٹپٹایا۔

"یہ تیرے اوپر نظر رکھے ہے، سی آئی ڈی بنی ہوئی ہے آج کل۔" شازیہ مسکراتے ہوئے بولی تو اماں نے اپنی لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں میرے لعل کا خون خشک کر رہے ہو بتا دو اس نے کہ اس کا نکاح افشاں سے کرنے جا رہے ہیں ہم۔"

"افشاں.....! افشاں سے؟" حارث پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہو گئی تھی، اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کیا اس نے افشاں ہی سنا ہے یا کچھ اور۔

"ہاں، افشاں کے ماں باپ نے ہفتہ پہلے رشتے کو

خوشگوار لہجے میں کہا تو ابا بولے۔

"بیٹا..... اللہ جو ہے ناں وہ کسی کی محنت اور صبر ضائع نہیں کرتا، آج اس نے تجھے تیری محنت کا پھل دیا ہے مبارک ہو میرے چاند۔ اللہ تجھے خوب ترقی دے۔" ابا نے اسے پیار سے گلے لگالیا۔

"آمین..... ابا۔" حارث خوش ہو کر بولا مگر دل میں کہیں کسک سی تھی افشاں کے نام وخیال نے دل کے ایک کونے میں اداسی بھر رکھی تھی۔ اس کے گھر والوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بقول ابا کے۔

"جواب نہ دینا مطلب صاف جواب دینا ہووے یعنی وہ یہ رشتہ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔"

"اچھا اب تو جلدی سے تیار ہو جا ہمیں کہیں جانا ہے۔" اماں نے اس سے کہا۔

"کہاں اماں؟" حارث نے مٹھائی کا ڈبا نہیں دیتے ہوئے پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

"تیری بہنوں کو عیدی دینے جانا ہے، میں نے تیرے کپڑے نکال دیئے تھے جانے کے تیار ہو جا جلدی سے۔ ہمیں جلدی سے یہ کام نمٹانا ہے۔"

"اچھا اماں۔" وہ فرماں برداری سے کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ساری چیزیں پوری ہیں ناں حارث کی ماں؟" ابا نے اماں سے پوچھا۔

"ہاں سب تیاری ہے، اللہ ہمارے بچوں کو خوش رکھے بس۔" اماں نے چارپائی پر رکھی مختلف چیزوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چیزوں میں مٹھائی، پھل، چوڑیاں، مہندی، کپڑے وغیرہ سب موجود تھے۔

حارث نہا کر تیار ہو کر آیا تو اماں ابا کے ساتھ بہنوں کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، حارث کو بس میں جانے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی مگر خاموش رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اماں، ابا یہ کہاں کی تیاری ہے؟ مجھے بھی عید کا جوڑا پہنا کر تیار کروا لیا اور بہنوں کو بھی عیدی دے کے ساتھ لیے جا رہے ہو..... آخر معاملہ کیا ہے کوئی مجھے بھی بتائے گا؟" حارث نے راستے میں جب تینوں بہنوں اور ان کے شوہر بچوں کو بھی بس میں ساتھ آتے دیکھا تو بے تابی سے پوچھا۔ وہ سب ہنسنے لگے۔

"بس پانچ منٹ صبر کر لے سب پتا چل جاوے گا۔" ابا مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ سب کو سب پتا ہے اور میں ہونق بنا وہاں پہنچوں گا۔" حارث منہ بسور کر بولا تو اماں ہنس کر کہنے لگیں۔

"تیرا نکاح کرنے جا رہے ہیں۔"

"کیا..... نکاح میرا..... کس کے ساتھ؟" حارث تو یوں اچھلا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو، بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"ایک لڑکی کے ساتھ۔" نازیہ شوخی سے بولی۔

"ہی ہی ہی..... بریکنگ نیوز ہے یہ تو میرے لیے۔" حارث چڑ کر بولا۔

"بریکنگ نیوز تو ابھی باقی ہے میرے دوست۔" نازیہ کے شوہر فہد نے کہا۔

"کون ہے وہ لڑکی جس سے میرا نکاح کرنے جا رہے ہو؟"

"تیرے سپنوں کی رانی ہے۔" نازیہ نے شرارت بھرے انداز میں چھیڑا۔

"تجھے کیسے خبر ہے؟" وہ سٹپٹایا۔

"یہ تیرے اوپر نظر رکھے ہے، سی آئی ڈی بنی ہوئی ہے آج کل۔" شازیہ مسکراتے ہوئے بولی تو اماں نے اپنی لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں میرے لعل کا خون خشک کر رہے ہو بتا دو اس نے کہ اس کا نکاح افشاں سے کرنے جا رہے ہیں ہم۔"

"افشاں..... افشاں سے؟" حارث پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہو گئی تھی، اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کیا اس نے افشاں ہی سنا ہے یا کچھ اور۔

"ہاں، افشاں کے ماں باپ نے ہفتہ پہلے رشتے کو

قبول کرتے ہوئے نکاح کی تاریخ دے دی تھی، رخصتی بڑی عید کے چاند ہووے گی کیونکہ افشاں نے بارہویں جماعت کے پرچے دینے ہیں۔" سعدیہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا۔

"اماں.....! یہ سچ کہہ رہی ہے کیا؟" حارث نے ماں سے تصدیق چاہی۔

"لے گھر بھی آ گیا افشاں کا اب دیکھ کے یقین کرلیو۔" سعدیہ بولی، ساتھ ہی سب بس سے اترنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔

"یااللہ.....خواب یوں بھی پورے ہوتے ہیں کیا؟" حارث نے دل میں کہا۔

"میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے، گبرو جوان، برسر روزگار ہے اب تو کیسا بھاگوان دن ہے، آج ہی میرے چاند کو اتنی اچھی نوکری ملی اور آج ہی اتنی اچھی چھوکری (لڑکی) ملنے جارہی ہے۔" ابا فخریہ لہجے میں بولے۔ حارث شرمیلے پن سے مسکرا رہا تھا۔

افشاں کے گھر والوں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا، حارث سے خاصی شفقت برتی جارہی تھی۔ مولوی صاحب موجود تھے۔ نکاح پڑھایا گیا، مبارک باد دی گئی ایک دوسرے کو، کھانا کھایا، افشاں کے باپ بھائیوں نے کھانے کا اچھا انتظام کیا تھا۔ ان کے بھی گھر کے لوگ تھے اور چند قریبی رشتے دار مدعو تھے۔

سفید کرتے پاجامے سیاہ واسکٹ اور سیاہ کھسے میں حارث بہت وجیہہ لگ رہا تھا اور افشاں گلابی رنگ کے غرارہ سوٹ میں پھولوں، کلیوں کے زیور پہنے سجی سنوری الگ ہی بہار دکھا رہی تھی۔ دلہا دلہن کو کھانے کے بعد ایک ساتھ بٹھایا گیا، مووی اور تصاویر بنائی گئیں۔

"مبارک ہو عید کا چاند نظر آ گیا۔" مسجد میں اعلان ہوا جسے سنتے ہی (اشرف اللہ) ابا بولے۔

"خیر مبارک..... سب کو چاند رات مبارک ہو۔" افشاں کے والد نے خوش ہو کر سب کو مبارک باد دی۔

"چاند نظر آ گیا بھیا۔" سعدیہ نے حارث کے پاس

naeyufaq.com

مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے افق

شائع کیا ہے

لفظ لفظ نکالے طرز طرز تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پہنچنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

(0300826424 2)

Info@naeyufaq.com

(021)35620771/2

آ کر خوشی سے کہا۔

"ہاں..... مجھے بھی چاند نظر آ گیا ہے۔" حارث نے اپنے برابر میں سر جھکائے بیٹھی افشاں کو دیکھتے ہوئے کہا تو جہاں افشاں شرمائی تھی وہیں سعدیہ شوخ ہوگئی تھی اور دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوہو..... کیا بات ہے میرے بھیا کی..... سچ میں تمہیں تو اتنا حسین چاند مل گیا ہے۔ چاند رات اور عید کی اصلی خوشی تو تم دونوں کو ملی ہے اب۔"

"تم سب خوش ہو اس لیے میری خوشی دوگنی چوگنی ہوگئی ہے میری بہنا۔" حارث نے مسکراتے ہوئے کہا اور سعدیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اللہ..... آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" سعدیہ نے دل سے دعا کی۔

"آمین۔" حارث بولا۔ اماں نے ان دونوں کا صدقہ اتارا، بلائیں لیں، دعائیں دیں انہیں۔

"سعدیہ..... سن تیری بھابی گونگی ہے کیا؟" حارث نے افشاں کو مسلسل خاموش دیکھ کر سعدیہ سے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"ہائے نہیں تو..... یہ تو بہت بولتی ہے اور بہت اچھا بولتی ہے۔ ہے ناں بھابی۔" سعدیہ نے فوراً افشاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تمہیں لگتا ہے ناں..... تمہارے بھیا کو اللہ جانے میں پسند بھی ہوں کہ نہیں؟" افشاں نے مدھم آواز میں کہا۔ ساتھ بیٹھے خوبرو حارث پر ایک نگاہ ڈالی تھی بس..... سعدیہ اماں کے بلانے پر ان کی طرف لپکی تھی اسی وقت۔

"پسند نہ ہوتیں تو باہر سے ہی بھاگ جاتا اور تمہاری خاموشی کیا تمہاری تو کھنکتی چوڑیاں بھی مجھے بہت کچھ کہتی سنائی دیتی ہیں۔" حارث نے اس کے چہرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو افشاں نے نگاہ اٹھا کر حارث کے دلکش چہرے کو دیکھا۔

"سچی۔"

"جھوٹ نظر آ رہا ہے میری آنکھوں میں کیا؟" حارث نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"ان آنکھوں میں تو مجھے اپنا آپ نظر آ رہا ہے۔" وہ حیا سے پُرمسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی تو وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں گویا ہوا۔

"بس یہی سچ ہے، ان آنکھوں میں تمہارے سپنے، دل میں تمہاری چاہت ہے، کانوں میں تمہاری کھنکتی چوڑیاں، تمہارے لہجے کی نغمگی ہے، تم ہی تم ہو..... نکاح مبارک، چاند رات اور عید مبارک ہو تمہیں۔"

"خیر مبارک میرے سرتاج۔" افشاں خوش ہو کر بولی تو وہ اس کے سرتاج کہنے پر ہنس دیا۔

"لیں بھیا..... بھابی کو چوڑیاں پہنائیں، چاند رات کا تحفہ دیں ان کو۔" سعدیہ ہری، گلابی اور لال چوڑیوں کا سیٹ لے کر آ گئی اور اسے کہنے لگی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ..... بسم اللہ۔" حارث خوشدلی سے بولا اور چوڑیاں افشاں کی گجرے والی مہکتی کلائی میں پہنانے لگا۔ چوڑیوں کی کھنک ان دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں بے ترتیب کر رہی تھی۔ حارث کی خوشی دیدنی تھی کہ اللہ نے اس کے دل کو افشاں کی چاہ سے نوازا تھا۔ اس کی خوشی پوری کر دی تھی افشاں کو اس کی شریک حیات بنا کر..... افشاں نے کلائی گھمائی تو کھنکتی چوڑیاں اسے نکاح اور عید کی مبارک باد دینے لگیں۔ افشاں اور حارث کی آنکھوں میں عید جیسی خوشی چاند بن کر چمک رہی تھی، ہونٹ مسکرا رہے تھے اور افشاں کے ہاتھوں میں کھنکتی چوڑیاں انہیں محبت کا پُرشور احساس دلا رہی تھیں۔

سعید

www.naeyufaq.com

پھول کھل گئے

فاطمہ عاشی

صبح کی پرنور ساعت تھی، معمول کے مطابق انوشے نماز پڑھ کر سوئی تھی۔ سب کاموں سے بے خبر وہ خواب خرگوش کے مزے لیتی شیطانی نیند میں مشغول تھی، جب گلے کی تیز اور اونچی آواز نے اسے گھبرا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا، وہ مندی آنکھوں اور خالی ذہن سے اسے دیکھنے لگی۔ ہڑبڑاہٹ کا آغاز تب ہوا جب گلے نے جھنجھوڑ کر اسے کہا۔

"انوشے بی بی جلدی سے تیار ہو کر نیچے آئیں۔ عون لالہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اسماعیل بابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، آج آپ کو یونیورسٹی وہ چھوڑنے جائیں گے۔" گلے کی بات سن کر انوشے برق رفتاری سے بیڈ سے اٹھی، جلدی جلدی بال کیچر میں مقید کیے، کپڑوں کی شکنیں ہاتھوں سے درست کرتی سینڈل پہنی، چادر لینے والی تھی کہ گلے کی کھلکھلاہٹ سنائی دی انوشے نے اسے غصے سے دیکھا، واقعی وہ اس دشمن جاں کا نام سنتے ہی سب کچھ بھول گئی تھی۔

"کیا ہو گیا بی بی..... یوں لگتا ہے لالہ کا نام سن کے آپ میں کسی نے بجلی بھر دی ہو۔ یہ کیا آپ کپڑے بھی نہیں بدلیں گی؟" گلے نے بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"گلے میری پیاری بہن۔ آج مجھے دیر ہو چکی ہے اور عون خان نے مجھے چھوڑنا ہے۔ اب نیچے اور دیر سے جاؤں گی تو خان دادا سے ڈانٹ پڑے گی۔" اس کے انداز میں پیار تھا، گلے سب جانتی تھی اس لیے مسکرا کر سر ہلاتی، اس کے پیچھے چل دی۔ لاؤنج میں پہنچی تو صوفے پر بیٹھے عون پر نظر پڑی، ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ گئی اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک۔ وہ خان دادا کے گلے لگ گئی، وہ مسکرا دیے۔

"آج تم نے دیر کردی میرا بچہ۔ عون تمہیں یونیورسٹی چھوڑ دے گا۔" وہ جوان سے کسی موضوع پر بات کررہا تھا، ان کی بات سن کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک تیز نظر انوشے پر ڈالی جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اسے دیکھتی رہے۔

"بی بی چلیں.....؟" وہ آگے چل کر اسے پیچھے آنے کا حکم دے رہا تھا مگر انداز میں نرمی تھی۔ اس کی آواز سن کر وہ خیالات سے باہر آئی۔ خان دادا سے پیار لیا اور اس کے پیچھے چل دی جو اب دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ اس کے سوالات کے جواب میں محض ہوں ہاں ہی کرے گا مگر پھر بھی مایوس نہیں تھی۔ گہری سانس بھر کر گاڑی میں بیٹھ گئی، جبکہ عون نے اس کی طرف دیکھے بغیر سفر کا آغاز کردیا تھا۔

❁.....❁.....❁

جمشید خان اپنے سیل فون میں ایک تصویر دیکھ کر پہلے تو مسکرائے پھر کچھ یاد آنے پر ان کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ انہوں نے تصویر کو زوم کیا اور تصویر میں موجود اس خوب صورت چہرے کے خدوخال کو بہت پیار سے چھونے لگے۔

"جب تمہیں حقیقت معلوم ہوگی تو میں تمہیں کیا جواب دوں گا؟" یہ وہ سوال تھا جو وہ خود سے بار بار کرتے تھے۔ ان کی پریشانی بڑھ جاتی اور اب بھی اس وقت لندن کی اس ٹھٹھرتی سردی میں ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے مگر پھر بھی وہ جوش وجذبات میں آکر انگلیوں سے اس تصویر کو چھوتے رہے۔ یہ جانے بغیر کہ پیچھے کھڑا ان کا بیٹا یہ سب دیکھ رہا ہے۔ اسے اس وجود سے نفرت تھی۔

"ڈیڈ آخر آپ کیوں خود کو اذیت دیتے ہیں۔ آپ آج بھی اسی شخص کو یاد کرتے ہیں جس سے مجھے بے انتہا نفرت ہے۔ اسی کی وجہ سے میری مما ہم سے دور چلی گئیں اور میں یہ کیا سن رہا ہوں کہ آپ علیزہ کو پاکستان بھیج رہے ہیں۔ آپ ایسا کیوں کررہے ہیں؟" ذیشان نے ان سے سیل فون لے کر تصویر ڈیلیٹ کردی اور دبے دبے لہجے میں باپ سے بولا۔ اس کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی، جمشید خان کو غصہ تو بہت آیا مگر جوان خون کے سامنے ضبط کرگئے۔

"انوشے اور شگفتہ خانم بار بار بلا رہی ہیں اسے اور خان بابا کا تو زیادہ اصرار ہے کہ وہ واپس آئے اور جلد ہی وہاں کے ماحول میں خود کو ڈھال لے۔ میں انکار نہیں کرسکتا تھا میرے بچے۔ ویسے بھی اس کی پڑھائی مکمل ہوچکی ہے۔ وہ ماں کے بعد خود کو بہت تنہا محسوس کرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈ مگر یاد رکھیں میں اور آپ کبھی واپس نہیں جائیں گے۔" اس نے انگلی اٹھا کر ان کو تنبیہ کی۔ انہوں نے حیران و پریشان ہوکر اس سے کہا۔

"مگر بچے وہاں آپ کی ایک اور امانت بھی ہے جسے آپ نے ہر صورت اپنانا ہے۔"

"وہ وائٹ ڈیڈ..... وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ اب آپ ذرا میرے ساتھ چلیں ڈنر کرنا ہے کچھ آپ سے..... آپ کی ان سوچوں نے تو ہمارے بزنس کا بیڑا غرق کردینا ہے۔" وہ بدتمیزی سے کہتا ہوا باپ کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا۔ جمشید خان کی آنکھوں سے آنسو گرنے کو بیتاب تھے مگر انہوں نے نمی کو باہر آنے سے روکا اور اس کے ساتھ چلنے لگے۔

❁.....❁.....❁

"او آگیا میرا یار..... کیسے ہو لالے؟" عون نے جونہی ارباز خان کے آفس میں قدم رکھا وہ خوشی سے اٹھ کر کہتا اس کے گلے لگ گیا اور اسے زور سے خود میں بھینچ لیا۔ عون نے اس کی گرم جوشی پر زور سے اس کی کمر پر تھپکی دی، اس کی آنکھیں اتنی محبت اور اپنائیت پر مسکرا رہی تھیں۔ ایک ہی تو دوست تھا اس کا۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ بھی نہیں چھپاتے تھے۔

"کہاں غائب تھے کل؟ شام کو بھی ملاقات نہیں ہوسکی، خان دادا نے خاص طور پر اسماعیل بابا سے پوچھا تھا

تمہارا۔ کیا رات دیر سے واپس آئے تھے؟" ارباز نے ایک ہی ساتھ کئی سوالات کر دیے تھے۔

"آرام سے لالے..... سکون کا سانس لینے دو سب بتاتا ہوں، خان جی کی زمین کے سلسلے میں کچہری کا چکر لگایا، شام میں بابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا، کچھ دنوں سے وہ بخار میں مبتلا ہیں۔ رات بھی بس ان کے پاس ہی تھا۔" اس کی آنکھیں رات جگے کی وجہ سے سرخ تھیں، اس نے آرام سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے سوالوں کے جواب دیئے۔

"کھانے کے بعد رات کو انوشے تمہاری شکایت لے کر آئی تھی بچ گئے تم۔ اب جب اس سے سامنا ہو اس کے ڈھیروں شکوے سننے کے لیے تیار رہنا ویسے عجیب بات ہے، اس سے محبت بھی کرتے ہو اور کتراتے بھی ہو۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟" ارباز اسے رات کی کارروائی بتا رہا تھا سب کچھ سنجیدگی سے سن کر وہ اس سے بولا۔

"ارباز خان..... تم جانتے ہو کہ انوشے کبھی میری نہیں ہو سکتی، وہ کسی اور کی امانت ہے اور میں خود سے یہ عہد کر چکا ہوں کہ کبھی اس کو اپنی اس بے نام اور لاحاصل محبت کی بھنک تک نہیں پڑنے دوں گا، ایک دن وہ مجھ سے اور آخر خود سے لڑتے لڑتے تھک جائے گی اور اپنی قسمت کو اپنا لے گی۔" وہ خود کو شاید سمجھا رہا تھا اس کی بات سن کر ارباز پھیکی سی ہنسا اور بولا۔

"تم تو اپنے وعدے کا پاس رکھنے کی بات کر رہے ہو مگر نہیں جانتے کہ محبت بے بس کرنے والا معاملہ ہے سوچ لو۔" عون نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا اور بات بدل دی۔

"تم میری چھوڑو اپنی بات کرو۔" علیزے بی بی کے آنے سے تمہاری آنکھیں بھی تو ٹھنڈی ہونے جا رہی ہیں۔ خان جی کچھ زمینیں جمشید خان جی کے نام سے لینے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ کل ان کا وہی کام نپٹا کر آیا ہوں۔" علیزے کا نام سن کر ارباز کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ محبت بھرے لہجے میں اس نے جواب دیا۔

"میں بہت خوش ہوں میرے دوست۔"

"اب کی بار جب وہ آئے گی تو اسے واپس جانے نہیں دوں گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لوں گا۔ مورے سے بھی بات کر چکا ہوں مجھے صرف تیری فکر رہتی ہے لالے۔" وہ اپنے دوست کے لیے بے حد فکر مند تھا۔

"لو لالے..... میں اتنا بھی اہم نہیں ہوں کہ میری پریشانی میں تو اپنی خوشی بھول جائے۔ شکر ہے اللہ کا میں خوش ہوں، اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ اچھا چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔" اٹھ کر ارباز خان سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے باہر نکلنے لگا۔ ارباز نے مصنوعی غصے سے اسے دیکھا مگر وہ اسے نظر انداز کر کے چلا گیا۔

❁.....❁.....❁

"کیا.....؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم، تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" گلے سے انوشے نے غصے سے پوچھا۔

"وہ بی بی..... آپ اس وقت سو گئی تھیں۔ خان جی اور خانم نے آپ کو جگانے سے منع کیا تھا۔" گلے نے آرام سے جواب دیا۔

"میں سو گئی تھی مر تو نہیں گئی تھی بہت برا کیا تم نے۔ اب اس کی سزا تو تمہیں ملے گی۔" انوشے نے آگے بڑھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ اچانک اس افتاد پر گلے بوکھلا کر رہ گئی۔ اس نے زور زور سے کھانسنا شروع کر دیا۔ انوشے، گلے کو فون پر سب بتا چکی تھی کہ کس طرح اس نے اپنا جرنل اور دوپٹا گاڑی میں جان بوجھ کر چھوڑا ہے۔ صرف اسی وجہ سے کہ عون خان اسے یونیورسٹی سے واپس لینے آئے گا۔ کس طرح وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اپنا ناشتہ بھی گول کر گئی تھی۔ سارا دن اسے بڑی سی چادر اور عبایے کپڑوں میں گزارنا پڑا تھا مگر عون نے کیا کیا۔ دونوں چیزیں گھر پہنچا دیں۔ دو تین دن سے گھر بھی نہیں آیا تھا۔ اسماعیل بابا بیمار تھے وہ خوش تھی کہ وہ اسے ڈراپ کرے گا مگر اس کا غصہ اس وقت بڑھا جب واپسی پر بھی وہ نہیں آیا۔ ارباز لالہ اسے لینے آئے تھے۔ گلے نے اس کے رات واپس آنے کا بتایا تو اس نے سارا غصہ اس پر

نکالا۔

"بی بی مجھے چھوڑیں۔" وہ مسلسل چلا رہی تھی۔ انوشے کا غصہ اب مسکراہٹ میں بدل گیا تھا۔

"نہیں چھوڑوں گی۔ عون کے لیے تو کسی کی زندگی بھی ختم کر سکتی ہوں۔ میری پیاری گلے۔" اس نے اب تک اس کی گردن پکڑی ہوئی تھی۔

"جانتی ہوں بی بی کہ آپ عون لالہ سے پیار کرتی ہیں مگر میرا کیا قصور ہے اس سب میں؟" وہ بے چارگی سے بولی۔ اتنے میں خانم اندر آئی تو اندر کا منظر ان کو دہلا گیا۔

"انو..... انوشے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" ان کی حیران اور گرج دار آواز سن کر انوشے نے اس کی گردن چھوڑ دی۔

"کچھ..... کچھ نہیں مورے۔ یہ گلے نے کافی بہت بدمزہ بنائی ہے۔ میں اسے بس تھوڑی سی سزا دے رہی تھی۔" اس نے معصومیت سے جھوٹ بولا۔ خانم نے کھانستی ہوئی گلے کو پیار کیا اور پانی پلایا وہ ایک نظر انوشے پر ڈال کر باہر نکل گئی۔

"آخر یہ بچوں والی حرکتیں تمہاری کب جائیں گی انوشے؟ علیزے واپس پاکستان آ رہی ہے وہ بہت خاموش طبع بچی ہے۔ اسے اس ماحول میں ڈھالنا اب تمہارا کام ہے، سن رہی ہو ناں میں کیا کہہ رہی ہوں؟" مورے نے اسے سمجھانا چاہا۔

"آپ فکر مت کریں۔ ایک دفعہ آئے تو سہی اسے بھی اپنے جیسا بنا دوں گی میں۔ ویسے بھی ارباز لالہ کو ہنستی مسکراتی لڑکیاں ہی پسند ہیں۔ مورے آپ سوچ نہیں سکتیں میں کتنی خوش ہوں، وہ میری دوست بھی ہے اور اب بھابی بن جائے گی۔" اس نے جوش میں کہہ کر مورے کو گھما ڈالا۔

"انوشے..... ہمیں یہ سب اچھا نہیں لگتا۔" انہوں نے ایک نظر اس پر ڈال کر ڈپٹ کر کہا۔

"اوف سوری مورے....." وہ یک دم انہیں چھوڑ کر بولی۔

"علیزے کا کمرہ آ کر دیکھ لیں اور گلے کو بتا دیں کہ کیا کرنا ہے۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گئی تو انوشے نے سر ہلا دیا۔

❁.....❁.....❁

تبریز خان اپنے علاقے کے سردار تھے۔ ان کے دو بیٹے جمشید اور جنید اور ایک بیٹی شگفتہ خانم تھیں، اپنے تینوں بچوں کو انہوں نے بہت لاڈ سے پالا تھا۔ جنید اور شگفتہ کی شادی انہوں نے بچپن میں ہی اپنے بھائی تیمور خان کے بچوں سے طے کر دی تھی۔ جمشید ان کا لاڈلا بیٹا تھا، وہ لاابالی طبیعت کا مالک تھا۔ بڑے ہونے پر پٹھان روایات کے مطابق بچوں کی شادیاں کر دی گئیں۔ جمشید کے لیے انہوں نے اپنے چچازاد بھائی امروز خان کی بیٹی علیشہ کو پسند کیا جو اپنی فیملی سمیت لندن میں مقیم تھی، وہ باپ کا بزنس سنبھالتا تھا۔ اس کی نسبت طے ہو چکی تھی مگر اسے حویلی کے ملازم صدیق خان کی بیٹی گل لالہ سے محبت ہو گئی دونوں نے چھپ کر نکاح کر لیا تھا۔ تبریز خان جو کہ خان دادا کے نام سے جانے جاتے تھے، جب ان کو پتا چلا تو انہوں نے دونوں کی علیحدگی کرانا چاہی، انہی دنوں انہیں گل لالہ کے امید سے ہونے کا پتا چلا۔ انہوں نے یہ بات جمشید سے چھپا کر زبردستی گل لالہ اور اس کی علیحدگی کرادی اور دونوں باپ بیٹی پر دباؤ ڈالا کہ وہ یہ بات جمشید سے چھپائیں۔ ان کے دباؤ میں آ کر وہ دونوں چپ رہے۔ اسی دوران انہوں نے جمشید کا نکاح علیشہ سے کروا کر اسے ہمیشہ کے لیے لندن بھیج دیا تھا۔

جمشید گل لالہ سے محبت کرتا تھا، اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر باپ کے غصے کے آگے بے بس تھا۔ گل لالہ کو چھوڑ کر ذہنی طور پر وہ بہت پریشان تھا۔ گل لالہ بھی مالک کے غصے کو اچھی طرح جانتی تھی اس نے بھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ خان دادا نے اپنی مرضی سے اس کا نکاح ڈرائیور اسماعیل خان کے ساتھ کرنا چاہا۔ انہوں نے اسے حویلی کے پاس ہی اپنے گھر میں ہی رہائش دینے کی شرط رکھی تھی، گل لالہ اس بات سے انکاری ہو گئی تھی۔ جو گناہ وہ کرنا چاہتے تھے اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ

ان کا چھوٹا بیٹا جنید خان، بہو اور داما کار کے حادثے میں اپنے دو چھوٹے بچوں انوشے اور ارباز کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ شگفتہ خانم کی کوئی اولاد نہیں تھی اور وہ بیوہ ہو کر باپ کے گھر آ گئی تھی اور اپنے مرحوم بھائی کی اولاد کو اپنے سینہ سے لگا کر ان کی پرورش کرنے لگی تھیں۔

گل لالہ کے ہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اسماعیل جانتا تھا کہ وہ جمشید کی اولاد ہے، اس کا خون ہے مگر گل لالہ نے اسے قسم دے دی تھی کہ وہ اس بے وفا شخص کو کبھی نہیں بتائے گا۔ ایک سال کے عون کو جب ماں چھوڑ کر چلی گئی تو خان دادا کو ان کے ضمیر نے جھنجھوڑا اور وہ اس بچے کی پرورش کرنے لگے۔ انہوں نے اس کی ساری ذمہ داری لے لی تھی۔ اسے ارباز کے ساتھ پڑھایا لکھایا مگر اسے کچھ بتا نہ سکے۔ ارباز خان دادا کا بزنس سنبھال رہا تھا جبکہ ان کی جائیدادوں اور زمینوں کا سارا حساب عون ہی رکھتا تھا۔ انوشے کو شگفتہ خانم نے ماں کی طرح پالا تھا انوشے بھی انہیں مورے "ماں" ہی پکارتی تھی۔

ادھر لندن میں جمشید علیشہ کے دو بچے ذیشان اور علیزے تھے۔ علیزے نے اپنی وفات سے پہلے ذیشان کو بتا دیا تھا کہ اس کے باپ اور ان کے درمیان جھگڑوں کی اصل وجہ اس کی سوتیلی ماں ہے جو پاکستان میں رہتی ہے۔ جمشید خود کو قصوروار اس لیے بھی نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اس کے دل میں آج بھی گل لالہ کی محبت تھی مگر کبھی کبھی اسے خود سے نفرت بھی ہونے لگتی، وہ گل لالہ کو اپنانا چاہتا تھا مگر صرف اپنے باپ کی وجہ سے چپ تھا۔ خود عون کے ساتھ ساتھ ارباز، علیزے اور انوشے بھی اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ وہ جمشید لالہ کا بیٹا ہے۔ خانم یہ بات جانتی تھی، ان کو جمشید کی اس نشانی سے بے حد پیار تھا، وہ اکثر خان بابا سے کہتیں کہ وہ یہ حقیقت سب کو بتا دیں مگر وہ لرز جاتے کہ وہ اس گناہ کے ذمہ دار تھے۔ وہ جمشید اور عون کو اب کھونا نہیں چاہتے تھے۔ انوشے عون سے محبت کرتی تھی، اس کی دیوانی تھی مگر وہ اس سے ہمیشہ دور بھاگتا..... جانتا تھا کہ وہ ایک معمولی ڈرائیور کا بیٹا ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک ملازم کی ہے۔ ارباز اور علیزے کی نسبت بچپن سے ہی طے تھی، ساتھ ہی خان دادا نے انوشے کی منگنی ذیشان کے ساتھ کر دی تھی جو باہر کی آزاد فضا میں جوان ہوا تھا اور وہیں کے ماحول کو اپنا لیا تھا۔

جمشید اسے سمجھاتے تو وہ غصہ کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتا تھا۔ علیزے بھی پریشان رہتی تھی۔ جمشید نے اس کی حالت دیکھ کر ارادہ کیا کہ اسے پاکستان واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ ان دونوں باپ بیٹے کے جھگڑوں سے کوئی برا اثر نہ لے۔ علیزے بہت خوش تھی کیونکہ اب اسے ہمیشہ کے لیے اپنی دوست انوشے کے ساتھ ہی رہنا تھا۔

❁.....❁.....❁

علیزے کے آنے کی ساری تیاریاں مکمل تھیں، انوشے اپنی محبت کا حال اسے بتا چکی تھی۔ اسے یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ کبھی اس کے بھائی ذیشان سے شادی نہیں کرے گی، چاہے اس کے لیے اسے سب کے سامنے انکار ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ادھر علیزے بھی اپنے بھائی کی بری حرکتوں سے اچھی طرح واقف تھی، وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ انوشے کو اس کا پیارا مل جائے۔ علیزے نے گریجویشن مکمل کر لی تھی۔ انوشے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اسماعیل بابا کی بیماری کا سن کر اس نے شام کو گلے کے ساتھ ان کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ اصل میں تو وہ عون کو دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ جب عون خان کے کمرے میں آئی تو انہیں دوا کھلا رہا ہے۔ گلے کے ساتھ انوشے کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی۔

"بی بی آپ یہاں؟ میں نے خان جی کو بتایا تو تھا کہ کل سے اسماعیل بابا آپ کو یونیورسٹی لے جائیں گے۔" وہ اٹھتے ہوئے تیزی سے بولا۔

"بابا آپ کیسے ہیں؟" اس نے ایک چبھتی ہوئی نظر عون پر ڈال کر بابا سے پوچھا تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کے گلے کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

"میں اب کافی بہتر ہوں۔ شکریہ تمہارا بچے۔ کل سے

ضرور آؤں گا۔ عون نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔" بابا نے جواب دیا۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں، اچھا میں چلتی ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ جب اس کا سامنا عون خان سے ہوا۔

"بی بی..... آپ خان جی کی اجازت کے بغیر یہاں مت آیا کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ نرمی سے بولا۔

"میں مورے سے اجازت لے کر ہی آئی ہوں۔ آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ مجھے بی بی مت کہا کریں زہر لگتا ہے مجھے یہ لفظ۔" وہ غصہ سے کہہ کر اس کو دیکھنے لگی۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔

"کیا میرا نام آپ کو اتنا برا لگتا ہے؟ ویسے بھی بیمار کی عیادت کرنا ثواب کا کام ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے غصے سے بولی تو وہ اس کو ایک نظر دیکھ کر رخ موڑ گیا۔

"آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں؟"

"جب کوئی مجھے اس گھر میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا تو میرا خیال ہے کہ میرا یہاں رکنا بے کار ہے۔ ایک بات اور جو شخص منٹوں میں کسی کا دل توڑ سکتا ہے وہ کیا جانے ثواب کی باتیں۔" وہ تلخی سے کہتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، وہ اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کی سادگی اور یہ لہجہ ہی اسے سب سے منفرد بناتا تھا، وہ واقعی بہت خوب صورت تھی۔

"میری محبت اور چاہت کو مت آزماؤ انوشے..... یہ نہ ہو کہ میں خان جی سے نمک حرامی کا ارادہ کر بیٹھوں۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھا۔

❁.....❁.....❁

عون خان علیزے کا سارا سامان حویلی میں رکھ کر واپس جانے لگا تھا کہ خانم نے اسے پکارا۔

"عون بیٹے..... بہن سے نہیں ملو گے؟" اسے یہ سن کر حیرت ہوئی مسکرا کر واپس پلٹا اور علیزے کے پاس آیا، علیزے کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا اور تمام گھر والوں کا حال پوچھا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت اور مٹھاس تھی۔

اس نے ایک عجیب سی کشش علیزے میں محسوس کی تھی۔ پاس کھڑی انوشے یہ منظر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی بہت تعریف سنی ہے میں نے۔" علیزے کے کہنے پر عون نے کہا۔

"یہ تو آپ لوگوں کی محبت ہے جو مجھے اس قابل بناتی ہے ورنہ میں تو عام سا انسان ہوں بی بی۔" اس نے ایک جتاتی ہوئی نظر انوشے پر ڈالی۔ انوشے رخ پھیر گئی۔ عون نے علیزے کے لہجے میں ٹھہراؤ اور متانت محسوس کی تھی۔

"علیزے..... آپ کا باقی سامان بھی آ گیا ہے۔" اندر آتے ارباز خان نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ علیزے کو دیکھ کر کہا تو انوشے جھٹ بولی۔

"لالہ علیزے تھک گئی ہوگی۔ میں اور گلے مل کر اس کا سامان سمیٹ لیں گے۔" ارباز نے برا سا منہ بنایا، یہ دیکھ کر نہ صرف عون بلکہ انوشے بھی مسکرا رہی تھی۔

"ہاں بچہ تم آرام کرو۔"

"عون آج کا کھانا تم ہمارے ساتھ کھانا۔" خانم نے اسے کہا جو واپسی کے لیے پر تول رہا تھا۔

"جیسا آپ کا حکم۔" اس کے یوں کہنے پر خانم کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"عرصے بعد وہ اپنی بہن سے ملا تھا مگر نہیں جانتا تھا کہ اس کی حقیقت کیا ہے، عون کو پتا چلے گا تو اس کا کیا حال ہوگا؟" اس سوچ نے انہیں بے کل کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"کیسی ہے میری پیاری بیٹی، کیسا لگا اپنا دھیال؟" رات ویڈیو کال پر جمشید خان نے علیزے سے پوچھا۔

اتنا عرصہ پردیس میں رہ کر انہوں نے اپنوں سے دوری کی سزا کاٹی تھی اور اب ان کا دل سب سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ فون پر اکثر سب سے بات ہو جایا کرتی تھی۔ انہوں نے ایک فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سب کچھ ختم کر کے ہمیشہ کے لیے پاکستان واپس جائیں گے۔ ذیشان کو بھی کسی نہ کسی طرح سے راضی کر لیں گے، اس سلسلے میں انہوں نے پہلے علیزے کو بھیج دیا تھا۔ اسے

سمجھایا تھا کہ اب ارباز ہی اس کی قسمت ہے۔

"پاپا بہت اچھا..... میں یہاں آکر بہت زیادہ خوش ہوں، یہاں اتنا پروٹوکول دیا سب نے مجھے اور مجھے عون لالہ سب سے زیادہ اچھے لگے۔ وہ مجھے اپنے بھائی کی طرح ہی لگے۔ وہ مجھے اپنی بہن کہتے ہیں۔ یقین جانیے حویلی میں وہی مجھے سب سے زیادہ منفرد اور اچھے لگے۔" یہ سن کر جمشید چونکے۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، یعنی میری پیاری بیٹی کو وہاں رہنے میں کوئی مسئلہ نہیں۔"

"نائٹ ایٹ آل پاپا..... اچھا بھائی کا سنائیں آپ کا خیال تو رکھ رہے ہیں ناں وہ؟" اسے باپ کی زیادہ فکر تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، تم بس مجھ سے رابطے میں رہنا اور ہاں سب کی تصویریں ضرور بھیجنا۔" وہ بات ہی کر رہے تھے کہ اچانک کمرے میں لڑکھڑاتا ہوا ذیشان دکھائی دیا، وہ سہارے کی تلاش میں باپ کی کرسی کو پکڑنے ہی والا تھا کہ ہمت نہ ہونے کی وجہ سے نیچے گر گیا۔ علیزے ویڈیو کال پر یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، وہ بھائی کی اس حالت پر صرف افسوس ہی کر سکتی تھی۔ جمشید نے بھی مڑ کر دیکھا۔

"پاپا آپ بھائی کو سنبھالیں پھر بات ہوگی۔" اس نے افسوس سے کہتے ہوئے کال بند کر دی جبکہ جمشید ذیشان کی طرف متوجہ ہوئے ان کا غصہ اور افسوس حد سے بڑھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

علیزے سے انوشے کی بے قراریاں چھپی نہیں رہی تھیں پروہ یہ بھی دیکھ رہی تھی۔ عون خان بس کام کے سلسلے میں حویلی کا چکر لگاتا ہے۔ علیزے سے جب بھی اس کا سامنا ہوتا وہ اس سے بہت عزت اور اپنائیت سے بات کرتا۔ انوشے اس سے اصرار کرتی کہ وہ اسے اور علیزے کو شہر کے کچھ اہم مقامات دکھانے لے جائے۔ ایک بار انوشے، علیزے کو اپنے ساتھ یونیورسٹی لے کر گئی تھی۔ ارباز سے ذکر کیا تو وہ تیار ہو گیا۔ بڑی مشکل سے عون کو بھی ساتھ تیار کیا، سارا راستہ عون انوشے کی نظریں خود پر محسوس کرتا رہا۔ علیزے تو خاموش رہی مگر انوشے مسلسل بولتی رہی تھی۔ عون بس اس کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا، وہ ناک بھوں چڑھاتی تو ارباز اور علیزے مسکرا دیتے۔ کھانا کھاتے ہوئے ایک نظر عون پر ڈال کر انوشے بولی۔

"ایک سوال کا جواب تو دیں علیزے اور ارباز لالہ آپ..... محبت میں انار رکھنے والوں کو کیا سزا ملنی چاہیے؟" اس کا سوال سن کر علیزے اور ارباز نے جہاں حیرت سے اس کی طرف دیکھا وہاں عون خان کے ہاتھ کھانا کھاتے یک دم لمحے میں ہی ٹھہر گیا تھا۔

"سوری ڈیئر میری معلومات محبت کے معاملے میں صفر ہیں۔" علیزے نے کندھے اچکا کر بولی۔ اس نے ارباز اور عون کو دیکھا۔

"میں زیادہ تو نہیں جانتا مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ انا والے شخص کے لیے محبت جیسے جذبے کی یا تو موت ہے یا محبت کی شدت اس کے دل میں محبت پیدا کر دیتی ہے۔ ہاں سزا کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے مجھے۔" ارباز نے جواب دیا۔

"میرے نزدیک اس شخص کو چھوڑ دینا چاہیے جو اپنی محبت کی بجائے انا اور مجبوری کو زیادہ عزیز رکھتا ہو، کیوں عون خان آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے کھانا کھاتے عون کو دیکھ کر پوچھا تو وہ ایک لمحے کو گڑبڑایا مگر پھر کندھے اچکا کر دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا، اس کا یہ انداز انوشے کو بجھا گیا۔

"علیزے آؤ میرے ساتھ کافی لے کر آتے ہیں۔" ارباز کی بات سن کر وہ اس کے ساتھ چل دی۔ ان دونوں کو اٹھتا دیکھ کر عون نے چیچ میز پر پٹخا اور بولا۔

"یہ کیا طریقہ ہے، بی بی آپ کے ذہن میں کیسے الٹے سیدھے سوالات آتے ہیں؟ علیزے کا تو کچھ خیال کریں۔" اس نے اپنا لہجہ دھیما ہی رکھا۔ آنکھوں میں غصہ حد سے سوا تھا۔

"محبت آپ کے نزدیک الٹا سیدھا جذبہ ہوگا مگر

میرے لیے آپ سے محبت میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے، میری روح ہے، سمجھے آپ مگر افسوس کہ آپ کی انا اور بلاوجہ کی خودداری سے یہ جذبہ کم نہیں ہو رہا بلکہ مزید بھڑک رہا ہے۔ آپ کبھی بھی مجھے خود سے محبت کرنے سے نہیں روک پائیں گے عون خان....." اس نے بے اشتعال سے کہا۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی کبھی کر سکتا ہوں۔" اس نے انوشے کی بات کاٹ کر کہا مگر اس سے نظر نہ ملا پایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک درد سا آن ٹھہرا تھا۔

"جھوٹ بولنے میں کب سے ماہر ہو گئے آپ عون خان؟" وہ افسوس سے بولی۔

"میرا ضبط مت آزمائیں۔ آپ کی بہت عزت کرتا ہوں یہ نہ ہو کہ غصے میں آ کر کچھ غلط کر بیٹھوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کاش کہ آپ کبھی سمجھتے کہ غلط کیا ہے؟ ایک بات ضرور یاد رکھیں کہ آپ کی بلاوجہ کی ضد اور انا ایک دن ہم دونوں کو ایسے مقام پر لے آئے گی۔ جہاں میرا دکھ آپ کا دکھ بن جائے گا۔ دعا کیجئے گا کہ ایسا وقت کبھی نہ آئے۔" وہ اٹھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی باہر چلی گئی، عون خان اس کے الفاظ پر ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔ کیسی عجیب لڑکی تھی وہ خود سکون سے رہتی نہیں تھی اور اس کو سکون سے رہنے نہیں دیتی تھی۔

❁.....❁.....❁

"محبت..... کیا جذبہ ہے، کیسی بے چینی ہے یہ، کون سی بلا ہے یہ محبت؟ کیسی کیفیت ہے جو عقل کو بالائے طاق رکھ کر ہر طرف سے آپ کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے، جکڑ لیتی ہے ایک آسیب کی طرح، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفقود کر کے صرف اور صرف دل کو آمادہ کرتی ہے کہ کاش محبوب کی ایک جھلک دل کو پرسکون کر دے جب وہ ایک جھلک مل جاتی ہے تو دل کی خواہش اور بڑھ جاتی ہے اور وہ اسی بات پر راضی رہتا ہے کہ محبوب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا ہو جائے، دل کی وارفتگیاں مزید بڑھتی ہیں تو یہ جی کرتا ہے کہ محبوب آپ کا قیدی بن جائے، صرف آپ کو چاہے، آپ سے ہی محبت کرے۔ کیسی عجیب ہے ناں محبت کی کہانی۔" وہ علیزے سے کہہ رہی تھی، عون خان کے اس دن کے رویے کے بعد اس کے دل کی عجیب ہی کیفیت تھی مگر وہ ناامید نہیں تھی، دل اس شخص کے لیے ہی دھڑکتا تھا مگر اس شخص کی ہٹ دھرمی، انا اور محبت سے انکاری ہونے پر غصہ بھی آتا تھا۔

"عون لالہ محبت سے انکاری صرف اس وجہ سے ہیں شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمہاری اور ان کی محبت کے درمیان نام نہاد خاندان حاوی ہے یا اسٹیٹس۔ مطلب یہ کہ وہ پٹھان تو ہیں مگر شاید خود کو ایک ڈرائیور کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ تم جیسی محبت سے گندھی لڑکی ہی اس پیارے بندے کو ڈیزرو کرتی ہے انوشے۔ تم خود کو ہلکان مت کرو محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارے ہی ہوں گے ان شاء اللہ۔" علیزے نے اسے تسلی دی۔

"مجھے یقین ہے۔ محبت میں یقین ہی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے مگر اس شخص کی بے اعتنائی اور خود ساختہ بے رخی میرے یقین کو ڈگمگانے پر مجبور کر دیتی ہے، یہ نہ ہو کہ جب ہم ملیں تو خوشی کے بجائے دکھوں کا بسیرا ہو، میں سب بہتر ہونے کی دعا کرتی ہوں۔ خان دادا اور مورے کو وقت آنے پر سب بتانے کی ہمت بھی رکھتی ہوں اور تمہارے اس بھائی کے لیے انکار بھی کر سکتی ہوں جسے نہ میں نے دیکھا ہے اور نہ اس سے میں کبھی ملی ہوں یہ بات یاد رکھنا۔" انگلی اٹھا کر جوش سے بولتی علیزے کو وہ اچھی لگی۔

"تمہیں ایک سچ بات بتاؤں کہ ذیشان بھائی تمہارے قابل نہیں ہیں انوشے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ انوشے اس کی بات سن کر حیران رہ گئی۔

"کیا مطلب..... کھل کر بتاؤ علیزے؟" اس نے کہا۔ علیزے نے اپنے بھائی کے بارے میں اسے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ انوشے غور سے سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ ویسے بھی ذیشان کو پسند نہیں کرتی تھی اب اس کی اصلیت جان کر اس سے نفرت

ہونے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تمہاری محبت نے مجھے کس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے انوشے۔ ایک راستہ وہ ہے کہ جہاں تمہاری محبت کا اقرار مجھے خوشی بخشتا ہے اور دوسرا راستہ تمہاری چاہت کو قبول کر کے میرا وہ بھروسا توڑ دے گا جو خان جی اور حویلی کے سب لوگوں کو مجھ پر ہے۔ میں کیا کروں، کہاں جاؤں؟ تمہارا وجود اور تمہاری منہ زور محبت دونوں ہی میری زندگی کے لیے آکسیجن کا کام کرتے ہیں مگر تمہیں پانا میرے لیے ناممکن ہے۔ اسے میری خود ساختہ انا سمجھو یا ضد، میں محبت میں خود غرضی پر یقین نہیں رکھتا اور تمہاری مثال تو اس چاند کی سی ہے جو مجھے روشنی تو دیتا ہے مگر اسے چھونا، اسے پانا یا اس کی خواہش کرنا بچوں جیسی باتیں کرنے کے مترادف ہے۔ تم ذیشان خان کی امانت ہو، اس خاندان اور حویلی کی روایات کے مطابق تمہیں اسی کا ہونا ہے۔ تم خود کو جتنا جلد سمجھا لو اتنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ محبت پر بندھ نہیں باندھے جاسکتے، میں عون خان تمہیں اس تکلیف میں دیکھتا ہوں جو میری بے رخی سے تمہیں ہوتی ہے تو میرا دل کٹتا ہے۔ کاش تم سمجھ دار ہوتیں انوشے۔ میں خان جی کے احسانوں تلے ڈبا وہ شخص ہوں جو ساری عمر ان کی خدمت کر کے بھی ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ میں مجبور ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔"

عون اپنے بستر پر لیٹا انوشے سے مخاطب تھا۔ جس نے اس کا چین اور نیند چھین لی تھی۔ کئی دن سے وہ سو نہیں پایا تھا، اسماعیل بابا اس سے پوچھتے تو ٹال دیتا، ارباز اس کی حالت جانتا تھا مگر وہ صرف اپنی بات پر قائم تھا۔ ساری رات اس کے تصور سے مخاطب ہونے اور جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں مگر پھر بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے بھی انوشے سے بے پناہ محبت ہے مگر دماغ اسے وفاداری پر اکساتا تھا اور دل غداری پر۔ یوں لگتا تھا کہ ایک مضبوط اعصاب والا انسان تھک سا گیا ہو۔

❁.....❁.....❁

دن پر لگا کر اڑ رہے تھے۔ انوشے کے امتحان بھی ہو گئے۔ وہ جان بوجھ کر عون کا سامنا کم ہی کرتی تھی۔ اپنی محبت کی توہین کب تک برداشت کرتی، خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ ارباز اور علیزے کی شادی کی تاریخ جمشید خان کی مرضی سے طے کر دی گئی تھی۔ شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، جمشید خان پاکستان واپس آرہے تھے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں مگر ذیشان خان راضی نہیں تھا، خان جی اور خانم کو ایک اور قیامت کا سامنا کرنا تھا جو عون کی حقیقت کھلنے پر ظاہر ہوئی تھی۔ جمشید ہمیشہ کے لیے پاکستان آنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ وہ سارا کاروبار سمیٹ رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ پاپا میں پاکستان نہیں جاؤں گا سمجھے آپ۔" ذیشان کو پتا چلا تو وہ باپ پر بگڑا۔

"تمہاری بہن کی شادی ہے۔ کیوں تم ہر بار اپنی مرضی کرتے ہو مجھے مجبور مت کرو کہ میں تم سے سختی سے پیش آؤں۔" انہوں نے آرام سے اسے سمجھانا چاہا۔

"ہاہا..... بہن کی شادی، یوں کہیے کہ آپ اپنے گھر والوں سے ملنے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں سے مجھے شدید نفرت ہے۔" وہ طنز کرتا ہوا بولا۔

"والدین ہیں میرے اور اب تم ان سے نفرت کرو یا محبت دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے والدین سے ملنے سے روک نہیں پائے گی۔" انہوں نے بھی چلا کر کہا۔

"ہونہہ والدین جن کی آپ کو اب یاد آرہی ہے سچ کہیں آپ کو اس عورت کی محبت کھینچ رہی ہے۔" اس نے تنفر سے کہا۔

"شٹ اپ..... تم میرے بیٹے نہ ہوتے تو اس بات پر میں تمہیں شوٹ کر دیتا۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ طیش میں آکر بولے۔ اس بارے میں تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ذیشان غیض بھری نگاہ ان پر ڈال کر باہر نکل گیا اور وہ صوفے پر ڈھے گئے۔

❁.....❁.....❁

ایئرپورٹ پر ارباز اور عون نے جمشید خان کو ریسیو کیا تھا۔ وہ ارباز سے ماموں اور ہونے والے سسر کی حیثیت سے ملے تھے۔

"کیسے ہو ینگ مین؟ یقین جانو تمہارے بارے میں جتنا کچھ سنا ہے تم سے مل کر دگنی خوشی محسوس کر رہا ہوں اور یہ خوشی ان سب سے بڑھ کر ہے جو حویلی کے سب لوگ تمہارے بارے میں بتا کر مجھے حیران کرتے رہتے ہیں۔" انہوں نے ارباز کی پیٹھ تھپتھپا کر کہا۔ عون نے ان کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ گیا تھا۔ ارباز نے بھی ان کی وارفتگی اور حد درجہ اپنائیت محسوس کی۔

"ماموں جان یہ میرا بھائی ہے اور دوست بھی۔" وہ عون کی طرف اشارہ کر کے بولا تو جمشید خان نے چونک کر اسے دیکھا جو ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"اب آپ آگئے ہیں ناں میرا یہ دوست اپنی شخصیت کے تمام جواہر سمیت آپ پر کھلے گا۔" ارباز کے کہنے پر عون نے نفی میں سر ہلا کر بے نیازی دکھائی۔ جمشید عون کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے نقوش ان کے جاننے پہچاننے لگ رہے تھے۔

"عون لگتا ہے ماموں تھک گئے ہیں، چلیں پھر حویلی سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" عون نے ارباز کی بات پر آگے بڑھ کر ڈرائیور سیٹ سنبھالی۔ جمشید دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے مسلسل عون کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ جب کہ وہ ان سے بے خبر گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

شادی کے دن قریب آگئے تھے، سب حویلی والے ذیشان کی غیر موجودگی پر سوال کر رہے تھے مگر جمشید خان کا یہی جواب ہوتا کہ وہاں سارا بزنس سمیٹے گا اور انوشے کو آکر اپنا لے گا۔ علیزے اور ارباز کی طرف سے تو سب مطمئن تھے مگر انوشے جو کہ خان دادا اور خانم کی لاڈلی بیٹی تھی، ان کی پوتی اور بھتیجی تھی، اس کے مستقبل کی طرف سے وہ بھی پریشان تھے کیونکہ ذیشان نے بچپن کی نسبت طے ہونے کے بعد ایک بار بھی وطن کا رخ نہیں کیا تھا۔ علیزے پھر بھی کبھی کبھار آتی رہتی تھی۔ تب ہی تو وہ اس ماحول میں ڈھل گئی تھی۔

جمشید خان عون کو جب بھی دیکھتے چونک جاتے، ان کو اس کے چہرے میں کسی اور کا عکس نظر آتا تھا پر وہ خود سے کوئی بھی سوال کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ ادھر لندن میں ذیشان خان انگاروں پر لوٹ رہا تھا اپنے باپ اور رشتے داروں کے ملن کے بارے میں سوچ سوچ کر ہی اس کی نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا، کافی دیر سوچنے اور حرام مشروب۔ حلق میں اتارنے کے بعد اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا، آخر وہ بھی تو جا کر دیکھے کہ یہ رشتے دار کیا گل کھلا رہے ہیں۔ اسی راز کو کھوجنے کے لیے ذیشان نے پاکستان جانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

علیزے کو ارباز سے پردہ کرا دیا گیا تھا، گلابی رنگ کے کپڑوں میں جس پر فیروزی کڑاہی کی گئی تھی میں ملبوس وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی، انوشے بھی آج بہت پیاری لگ رہی تھی، زندگی سے بھرپور ہنستی مسکراتی۔ جمشید کو خان چاچو کہتی تو وہ کھل اٹھتے۔ کمرے میں آکر انہوں نے دونوں کو پیار کیا، خانم نے بھی ان دونوں کی نظر اتاری تھی۔ تھوڑی دیر بعد انوشے ارباز لالہ کو پکڑ کر کمرے میں لے آئی، علیزے اس کی اس حرکت پر بوکھلا کر رہ گئی۔ ارباز آنکھوں میں محبت اور ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ لیے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"اف..... اتنی مشکل سے لالہ کو لائی ہوں جو بھی وعدے کرنے ہیں آپ دونوں کر لیں۔" وہ آرام سے بولی اور کمرے سے جانے لگی تھی کہ علیزے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"انوشے کی بچی..... تم تو کہہ رہی تھیں کہ کوئی کام ہے مجھ سے۔" وہ غصہ سے بولی۔

"علیزے اس کو تو نہیں پر مجھے بہت سے کام ہیں۔ شکریہ انوشے۔" ارباز نے مسکرا کر انوشے کو دیکھ کر کہا۔

"اللہ رے ارباز لالہ صرف شکریہ سے کام نہیں چلے گا

اور علیزے تم تو چپ ہی رہو۔ پتا ہے جو مزہ اس طرح چوری چوری ملنے میں ہے ناں وہ پھر نہیں آنے والا۔" اس نے ہنستے ہوئے دونوں کو کہا۔ جب کہ وہ علیزے گھبرائے ہوئے تھی۔

"تم خوش تو ہو ناں علیزے؟" اس نے انوشے کے باہر نکلتے ہی پوچھا۔

"زیادہ عہد و پیمان تو نہیں باندھوں گا تم سے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ زندگی کے ہر دکھ سکھ میں مجھے تم اپنے ساتھ پاؤ گی۔"

"میں خوش ہوں..... ہر لڑکی کی یہی تمنا ہوتی ہے ارباز کہ اس کا ہمسفر سکھ سے زیادہ دکھ میں اس کا ساتھ دے۔ مجھے آپ کے ساتھ پر فخر ہے۔" نگاہیں نیچی کیے اس نے جواب دیا۔

"کیا مجھے چلے جانا چاہیے لالہ کیونکہ آپ دونوں رومانٹک باتیں کر ہی نہیں رہے اور لڑکی تمہیں تو کچھ آتا ہی نہیں۔" انوشے دروازے میں سے سر نکال کر بولی۔

"بدتمیز لڑکی کچھ شرم کرو۔" علیزے نے اسے شرم دلائی۔

"تم کباب میں ہڈی بن رہی ہو میری پیاری بہن۔" ارباز نے مسکرا کر کہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں علیزے کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"مورے آپ یہاں؟ وہ اصل میں....." انوشے کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر اس نے یک دم علیزے کے ہاتھ چھوڑے۔ دونوں نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی اور نہیں عون خان کھڑا مسکراتے ہوئے ان کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے گہری نظر انوشے پر ڈالی۔

"ہاہاہا..... بنا دیا ناں بے وقوف۔" انوشے نے ہنستے ہوئے کہا۔ ارباز شرمندگی سے باہر نکل گیا جبکہ عون زندگی سے بھرپور اس لڑکی کو ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر نا سمجھی کی کیفیت میں ارباز کی طرف دیکھا جس نے نفی میں سر ہلا کر اسے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں باہر نکل گئے۔ علیزے مسلسل انوشے کو شن مار رہی تھی جبکہ انوشے نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ذیشان خان بہن کی بارات والے دن صبح ہی کسی کو بنا بتائے پاکستان پہنچ گیا تھا۔ جمشید اور علیزے تو اسے دیکھ کر حیران ہوئے تھے مگر باقی سب گھر والوں کو اس کے آنے کی بہت خوشی تھی۔ خان دادا کے کہنے پر عون خان نے ملازم کے ساتھ مل کر اس کا کمرہ سیٹ کیا۔ ذیشان اکھڑے انداز میں انوشے کو دیکھ رہا تھا جو عون کے گرد منڈلا رہی تھی اس کو یہ بات پسند نہیں آئی پر وہ خاموش رہا۔ ایک تو سفر کی تھکان تھی دوسرا وہ فوراً کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

علیزے اور ارباز کا نکاح بخیریت ہو گیا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے۔ خاندانی بہت سی رسم ہوئی تھیں اس دوران ذیشان نے انوشے کی گہری نظریں عون پر محسوس کی تھیں۔ وہ بحث کر کے اسے تنگ کر رہی تھی، عون بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے مسحور کن سراپے پر نگاہ مرکوز کر کے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ ذیشان کے دل میں تھوڑا سا شک جاگا تھا پر بہن کو خوش دیکھ کر وہ سر جھٹک گیا۔ انوشے نے تنہائی کا گوشہ دیکھا تو عون کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے آئی تھی۔ وہ آج دل کی بات اس سے کرنا چاہتی تھی۔

"عون خان..... پتا نہیں کیوں جب بھی آپ کو دیکھتی ہوں دل بے ایمان ہو جاتا ہے، آپ کے ساتھ کی چاہ بڑھ جاتی ہے، آپ ایک دفعہ ہاں کہہ دیں میں مورے اور خان دادا سے خود بات کر لوں گی اور میں یہ سب آپ کے لیے کر سکتی ہوں چاہے مجھے بے شرم ہونے کا طعنہ ملے یا حویلی کے بڑے مجھے مار دیں مگر میں آپ کے علاوہ اپنی زندگی میں کسی اور کو شامل نہیں کروں گی۔" انوشے نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"یہ ناممکن ہے..... ذیشان خان واپس آ گئے ہیں اور میری ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، خدارا میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں انوشے۔" عون نے اسے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"ذیشان سے تو شادی مر کر بھی نہیں کروں گی میں سمجھے، آپ اپنی اہمیت میرے دل سے پوچھیں، کیوں آپ ہر بار خود کو ڈی گریڈ کر کے اپنی اور میری محبت کا مذاق اڑاتے ہیں؟ اپنی اہمیت کو کیوں کم خیال کرتے ہیں، مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں آپ، سچ سچ بتائیں؟" اس نے چلا کر پوچھا۔ ذیشان کسی خیال کے تحت اس طرف آیا تو انوشے کی بات سن کر چونکا۔ وہ خاموش کھڑا ان دونوں کو سن رہا تھا۔ جواب میں عون نے ایک ٹھنڈی آہ خارج کی تھی۔ صاف مطلب تھا کہ وہ اس کی محبت سے انکار نہیں کر سکتا۔

"آپ کو سمجھانا بے سود ہے انوشے۔ چلتا ہوں میں۔" وہ جانے کے لیے مڑا۔ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بولی۔

"آپ کی آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آتا ہے عون..... کبھی میری آنکھوں میں جھانک کر اپنے عکس کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں ناں پلیز۔" اس نے نرم لہجے میں التجا کی۔

عون نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، یک دم ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں میں آئی نمی کو اپنی انگلی کی پوروں سے صاف کیا، نظر چرا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ انوشے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی اور ذیشان خان یہ منظر دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا۔ وہ انوشے کو پانا چاہتا تھا اب وہ اس کی ضد بن گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

انوشے عون سے شدید محبت کرتی تھی اور اس کو کسی صورت کھونا نہیں چاہتی تھی۔ پر اب ذیشان کے آ جانے سے اس کو اپنی محبت ادھوری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی بھی وقت حویلی کے بڑے اس کی اور ذیشان کی شادی کا اعلان کر دیں گے اور اس کے بعد وہ کچھ نہیں کر پائے گی۔ اس کو جو بھی کرنا تھا جلد ہی کرنا تھا۔ پر اس سے پہلے عون سے محبت کا اعتراف کروانا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر کمرے سے باہر نکلی، رات کا تیسرا پہر تھا اور حویلی میں مکمل خاموشی تھی وہ دبے قدموں لان میں نکل آئی کہ اچانک وہ چونک کر رک گئی۔ خان دادا کے کمرے کی کھڑکی جو لان کی طرف کھلتی تھی اس سے روشنی باہر کی طرف آ رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ وہ ابھی وہاں سے گزرنا چاہتی تھی کہ اسماعیل بابا کی آواز آئی۔

"صاحب جی برسوں آپ کا نمک کھایا ہے۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"اسماعیل ہم تمہاری وفاداری کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، پھر کیا بات ہے جو تم ہچکچا رہے ہو۔" خان دادا کی گرج دار آواز اس کو سنائی دی۔

"صاحب جی اب میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ راز میرے ساتھ ہی مٹی میں دفن ہو جائے۔ اس لیے آج ہمت کر کے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔" اسماعیل بابا کا سانس پھول گیا تو وہ خاموش ہوئے۔

"اسماعیل کھل کر کہو جو بھی کہنا ہے۔"

"صاحب جی عون آپ کا پوتا ہے، آپ کے جمشید کی نشانی۔" خان دادا کے ساتھ اس کی سماعت پر بھی جیسے بم گرا تھا۔ وہ بے یقین سی کھڑی رہی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو اسماعیل؟" خان دادا حیرت سے بولے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جمشید اور گل لالہ کی نشانی ہے عون جس کو میں نے سنبھال کر رکھا پر اب میں مزید نہیں سنبھال سکتا، اس لیے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں کہ عون خان آپ کا ہی پوتا ہے۔ اسے آپ کی ضرورت ہے۔" وہ مودب ہو کر بولے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی اور انوشے کو اس خاموشی میں بھی صرف ایک آواز سنائی دے رہی تھی۔

"عون جمشید خان کا بیٹا ہے۔"

"تم نے یہ بات جمشید کو بتائی تو نہیں؟" کافی دیر بعد اس کو خان دادا کی آواز سنائی دی۔

"نہیں صاحب جی۔"

"ٹھیک ہے تم عون سے کہو اگر اس کو اپنی زندگی عزیز ہے تو وہ اس حویلی سے کہیں دور چلا جائے ورنہ انجام بہت برا ہوگا۔" خان دادا کی بات پر وہ کانپ گئی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ خان دادا بے قرار ہو جائیں گے اور عون کو بلا کر اسے گلے لگالیں گے پر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

"عون سے کہو کہ وہ کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے یہاں سے چلا جائے۔" ان کی آخری بات سن کر وہ رکی نہیں تیزی سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کے ساتھ ایک اور سایہ بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ انوشے نے اس کو نہیں دیکھا تھا۔ پر وہ انوشے کو دیکھ چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کس مقصد سے وہاں آئی تھی۔

"اسماعیل عون سے اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں، بس اس سے کہنا صبح کا ناشتہ وہ ہمارے ساتھ کرے۔"

❁.....❁.....❁

"صبح ناشتے کی میز پر خان دادا کے حکم پر سب جمع تھے۔ اسماعیل بابا کو بھی بلایا گیا تھا، ذیشان سب سے آخر میں ناشتے کی میز پر آیا تھا۔ سامنے بیٹھے عون کو اس نے کینہ توز نگاہوں سے دیکھا۔ انوشے دل ہی دل میں اس کی اصلیت جان کر خوف زدہ ہو رہی تھی۔ رات اس نے خان دادا سے سنا تھا کہ وہ اسماعیل بابا سے کہہ رہے تھے کہ عون صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے یہاں سے چلا جائے پر اب اس کو سامنے دیکھ کر وہ حیران تھی۔ ناشتہ لگ چکا تھا جب ذیشان بولا۔

"گرینڈ پا او آئی مین خان دادا، آپ کے ہاں یہ بہت عجیب سی روایت ہے کہ ملازموں کے بچوں کو بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں؟" اس کی یہ بات سن کر عون کے ہاتھ یک دم ٹھہر گئے۔ اس کو کھانے سے ہاتھ روکتا دیکھ کر جمشید نے غصے سے ذیشان کی طرف دیکھا۔

"تم غالباً عون کے بارے میں بات کر رہے ہو..... تو جان لو بیٹا وہ ہمارا بیٹا ہی نہیں بلکہ ہمارے بیٹوں سے بڑھ کر ہے۔ حویلی میں اس کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ ہے جو تمہاری سوچ تصور بھی نہیں کر سکتی۔" خانم نے اسے پیار سے جواب دیا۔

"اگر ذیشان چاہتے ہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں بی بی صاحب۔" عون نے کھڑے ہو کر کہا سب کو ذیشان کی یہ بات بری لگی تھی۔

"جمشید..... تم نے اپنے بیٹے کو تمیز نہیں سکھائی، نہیں بتایا اسے کہ مل کر کھانے سے برکت ہوتی ہے، اسے حویلی کے طور طریقے سکھاتے تو آج ایسا نہ کہتا ذیشان۔"

"عون میرا بیٹا ہے۔ آئندہ تم یہ بات مت کہنا ذیشان۔" خان دادا غصے سے بولے، اس نے چونک کر خان دادا کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ نہیں چاہتا تھا کہ بات بڑھے مگر اس نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

"وہ کیا ہے ناں کہ عون کے بارے میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو وہ خود بھی نہیں جانتا نہ حویلی کے باقی لوگ جانتے ہیں۔" ذیشان کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ نفرت کی آنچ سلگ رہی تھی۔ سب لوگوں نے یک دم ذیشان کی طرف دیکھا۔ انوشے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو ذیشان کھل کر بتاؤ۔" ارباز کے یک دم کہنے پر عون نے بھی ذیشان کو دیکھا۔

"اصل میں یہ بات ہے رسوائی کی۔ یہ فرماں بردار اور تابعدار ڈرائیور کا بیٹا عون خان آپ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر میری امانت سے چکر چلائے ہوئے ہے۔ ویسے والے دن میں نے اسے اور انوشے کو باتیں کرتے سنا، یہ دونوں آپ کی پیٹھ پیچھے جو گل کھلا رہے ہیں ناں آپ سب اس سے ناواقف ہیں۔ ویسے خان دادا تف ہے آپ پر، میری امانت کی حفاظت نہیں کر پائے آپ۔" اس نے کھڑے ہو کر غصہ سے کہا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے۔

"یہ کیا بکواس ہے ذیشان خان..... اپنی حد میں رہو اگر چھوٹے خان جی کے بیٹے نہ ہوتے تو اس جھوٹ اور الزام تراشی کی سزا تمہیں ضرور ملتی۔" عون نے کھڑے

ہو کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کی اس غلط بیانی اور توہین پر اسے جوش آ گیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔ اس آفتاد پر سب ہی بوکھلا کر رہ گئے اور ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"لعنت ہو تم پر عون خان، تم نے میری امانت پر بری نظر ڈالی، وہ صرف میری ہے اور بتاؤ انوشے یہ کیا بکواس کر رہا تھا تم سے اس رات؟" وہ اس سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے انوشے کی طرف بڑھا۔

"ذیشان..... عون پر الزام تراشی بند کریں۔ یہ سچ ہے کہ میں عون کو پسند کرتی ہوں اور اس سے محبت کرتی ہوں مگر وہ تو آج تک میری محبت سے انکاری ہیں۔" انوشے نے غصے سے چلا کر کہا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ ذیشان کا گلا دبا دے۔ اس کی جرأت پر سب لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہاں..... سن لیا ناں آپ سب نے؟"

"اور تم عون خان..... تم گندی نالی کے وہ کیڑے ہو جو صاف پانی میں آ کر اپنی حیثیت بھول جاتا ہے مگر یاد رکھو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، مار ڈالوں گا۔" اس نے عون کی گردن پکڑ لی خان دادا اس افتاد پر صوفے پر ڈھے گئے جبکہ جمشید آگے بڑھے اور بولے۔

"بس..... یہ تماشا بند کرو ذیشان۔ خبردار جو تم نے عون کو مزید کچھ کہا یا کوئی بھی الزام تراشی کی، اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر خان دادا کو سنبھالا۔ سب لوگ ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھنے لگے جبکہ انوشے کو پریشانی تھی کہ عون کا ردعمل کیا ہوگا۔

"عون..... تم میرے پوتے ہو اور جمشید کے بیٹے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خان جی، میں آپ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہوں؟ میں تو اسماعیل بابا..... بابا آپ بتائیں ناں کون ہوں میں۔" وہ خان دادا کو چھوڑ کر جھٹکے سے اسماعیل کے پاس آیا اور انہیں کندھوں سے تھام کر بولا۔

"بتائیں کون ہوں میں، میری حقیقت کیا ہے، میں؟ کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ ہزیانی انداز میں چلا رہا تھا مگر اسماعیل بابا خاموش کھڑے تھے۔ ان کی خاموشی میں ہی جواب چھپا تھا پھر خان دادا نے آگے بڑھ کر سب کو اس کی ساری حقیقت بتا دی۔ ماحول پر ایک دم سکوت طاری ہو گیا تھا۔

"بابا..... اتنا بڑا دھوکہ..... اتنا فریب، میں نے اپنا سب کچھ حویلی والوں پر قربان کر دیا اور انہوں نے مجھے کیا دیا؟ صرف دھوکہ..... شاید میری قسمت یہی لکھا تھا۔" اس نے دکھ سے کہا اور تیزی سے حویلی سے باہر نکل گیا۔ اسماعیل بابا رو رہے تھے جبکہ جمشید اور ارباز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ جمشید کے لیے تو یہ خوشی کی بات تھی کہ اس کی محبت کی نشانی یہیں حویلی میں انہوں کے درمیان موجود تھی۔

"عون رکو..... میری بات سنو۔" ارباز اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ اس کی بات ان سنی کرتا تیزی سے گاڑی میں سوار ہو کر چلا گیا۔

"عون میرے بچے..... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں مر جاؤں گا۔" جمشید رو رہے تھے۔ علیزے اور انوشے سمیت خانم کی آنکھیں بھی اس انکشاف پر حیران اور نم تھیں۔ ذیشان کروفر سے کھڑا یہ منظر خوشی سے دیکھ رہا تھا۔ عون نام کا یہ کانٹا اس کی زندگی سے خود ہی نکل گیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ خان دادا ساکت سے صوفے پر پڑے تھے۔ ایک قیامت تھی جو گزر گئی تھی۔ انوشے کو اب بھی عون کی فکر تھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

❁.....❁.....❁

خان دادا کی حالت تو پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی جب عون چار پانچ دن تک واپس نہیں آیا تو ان کی حالت مزید بگڑ گئی۔ انجائنا اور فالج کا اٹیک ہوا تھا ان کو۔ حالت کافی سنجیدہ تھی وہ خود کو عون کی حالت کا ذمہ دار سمجھ کر دل پر کافی بوجھ لے رہے تھے۔ جمشید اور علیزے ان کے ساتھ

ہو کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کی اس غلط بیانی اور توہین پر اسے جوش آ گیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔ اس آفتاد پر سب ہی بوکھلا کر رہ گئے اور ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"لعنت ہو تم پر عون خان، تم نے میری امانت پر بری نظر ڈالی، وہ صرف میری ہے اور بتاؤ انوشے یہ کیا بکواس کر رہا تھا تم سے اس رات؟" وہ اس سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے انوشے کی طرف بڑھا۔

"ذیشان..... عون پر الزام تراشی بند کریں۔ یہ سچ ہے کہ میں عون کو پسند کرتی ہوں اور اس سے محبت کرتی ہوں مگر وہ تو آج تک میری محبت سے انکاری ہیں۔" انوشے نے غصے سے چلا کر کہا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ ذیشان کا گلا دبا دے۔ اس کی جرأت پر سب لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہاں..... بن لیا ناں آپ سب نے؟"

"اور تم عون خان..... تم گندی نالی کے وہ کیڑے ہو جو صاف پانی میں آ کر اپنی حیثیت بھول جاتا ہے مگر یاد رکھو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، مار ڈالوں گا۔" اس نے عون کی گردن پکڑ لی خان دادا اس افتاد پر صوفے پر ڈھے گئے جبکہ جمشید آگے بڑھے اور بولے۔

"بس..... یہ تماشا بند کرو ذیشان۔ خبردار جو تم نے عون کو مزید کچھ کہا یا کوئی بھی الزام تراشی کی، اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر خان دادا کو سنبھالا۔ سب لوگ ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھنے لگے جبکہ انوشے کو پریشانی تھی کہ عون کا ردعمل کیا ہوگا۔

"عون..... تم میرے پوتے ہو اور جمشید کے بیٹے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خان جی، میں آپ کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہوں؟ میں تو اسماعیل بابا..... بابا آپ بتائیں ناں کون ہوں میں۔" وہ خان دادا کو چھوڑ کر جھٹکے سے اسماعیل کے پاس آیا اور انہیں کندھوں سے تھام کر بولا۔

"بتائیں کون ہوں میں، میری حقیقت کیا ہے، میرے وجود کی اصلیت کیا ہے، جمشید خان کا بیٹا ہوں کیا میں؟ کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔" وہ ہزیانی انداز میں چلا رہا تھا مگر اسماعیل بابا خاموش کھڑے تھے۔ ان کی خاموشی میں ہی جواب چھپا تھا پھر خان دادا نے آگے بڑھ کر سب کو اس کی ساری حقیقت بتا دی۔ ماحول پر ایک دم سکوت طاری ہو گیا تھا۔

"بابا..... اتنا بڑا دھوکہ..... اتنا فریب، میں نے اپنا سب کچھ حویلی والوں پر قربان کر دیا اور انہوں نے مجھے کیا دیا؟ صرف دھوکہ..... شاید میری قسمت یہی لکھا تھا۔" اس نے دکھ سے کہا اور تیزی سے حویلی سے باہر نکل گیا۔ اسماعیل بابا روتے رہے تھے جبکہ جمشید اور ارباز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ جمشید کے لیے تو یہ خوشی کی بات تھی کہ اس کی محبت کی نشانی یہیں حویلی میں اپنوں کے درمیان موجود تھی۔

"عون رکو..... میری بات سنو۔" ارباز اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ اس کی بات ان سنی کرتا تیزی سے گاڑی میں سوار ہو کر چلا گیا۔

"عون میرے بچے..... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں مر جاؤں گا۔" جمشید رو رہے تھے۔ علیزے اور انوشے سمیت خانم کی آنکھیں بھی اس انکشاف پر حیران اور نم تھیں۔ ذیشان کروفر سے کھڑا یہ منظر خوشی سے دیکھ رہا تھا۔ عون نام کا یہ کانٹا اس کی زندگی سے خود ہی نکل گیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ خان دادا ساکت سے صوفے پر پڑے تھے۔ ایک قیامت تھی جو گزر گئی تھی۔ انوشے کو اب بھی عون کی فکر تھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

❁.....❁.....❁

خان دادا کی حالت تو پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی جب عون چار پانچ دن تک واپس نہیں آیا تو ان کی حالت مزید بگڑ گئی۔ انجائنا اور فالج کا اٹیک ہوا تھا ان کو۔ حالت کافی سنجیدہ تھی وہ خود کو عون کی حالت کا ذمہ دار سمجھ کر دل پر کافی بوجھ لے رہے تھے۔ جمشید اور علیزے ان کے ساتھ اسپتال میں ہی تھے۔ انوشے بھی وقتاً فوقتاً چکر لگا رہی تھی۔

ذیشان اس دن کے بعد غائب تھا جبکہ ارباز جمشید کے کہنے پر مسلسل عون خان کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہیں اس کا سراغ نہ ملا تو اس نے اسماعیل بابا کے ذریعے اس سے رابطے کی کوشش کی۔ اسماعیل بابا کا فون لے کر اس کے نمبر پر ٹرائی کیا تو کچھ دیر کے بعد اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو..... عون دیکھو تم فون بند مت کرنا۔ صرف ایک بار میری بات سن لو میرے یار۔" اس نے چھوٹتے ہی جلدی سے عون سے کہا۔

"بولو کیا بات ہے؟ جانتا ہوں تم خان دادا اور جمشید خان کی وکالت کرو گے مگر یاد رکھو اب میں مر کر بھی واپس نہیں آؤں گا سمجھے۔"

"دیکھو میرے دوست۔ میں کسی کے بارے میں بھی بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف اس عون خان کے بارے میں بات کروں گا جو جمشید خان کا بیٹا ہے، میرے چچا کا خون ہے، ہم سب کا اپنا ہے، میرا کزن ہے۔" ارباز محبت سے بولا۔

"نہیں ہوں میں اس ظالم اور خود غرض انسان کا بیٹا۔ سمجھے تم۔" اس نے چلا کر غصے سے کہا۔

"خان دادا اسپتال میں ہیں عون۔ وہ تمہارے دادا ہیں، اپنے حصے کی سزا کاٹ چکے ہیں، ان کو اور سزا مت دو۔ تمہاری دوری ان کے لیے ناقابل برداشت ہے اور خانم وہ تو ہمیشہ سے تمہیں اپنا بیٹا ہی مانتی آئی ہیں اگر غیر جانبداری سے سوچو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ حویلی والوں نے ہمیشہ ہی اپنا بیٹا سمجھ کر تمہیں محبت اور عزت دی ہے۔ انوشے تم سے محبت کرتی ہے، علیزے تمہیں لالہ پکارتی ہے، مجھے دیکھو میں کتنا خوش ہوں کہ مجھے میرا دوست میرے کزن کی صورت میں ملا ہے۔ اس انکشاف نے ہم سب کی تمہارے لیے محبت اور بڑھا دی ہے۔ تم ہمارے کزن ہو ہمارے اپنے ہو، ہمارے چچازاد ہو تم اور جہاں تک ذیشان کی بات ہے وہ تم سے اپنی خود ساختہ نفرت میں بہت آگے نکل چکا ہے عون۔ کوئی بھی اس سر پھرے شخص کو نہیں سمجھا سکتا، اس کا اپنا باپ بھی نہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ تم واپس آجاؤ، چچا بہت دکھی ہیں، وہ تم سے معافی مانگنا چاہتے ہیں، صرف ایک بار پلیز عون۔" ارباز نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"بے شک حویلی والوں کے لیے یہ خبر اچھی ہوگی مگر تم نہیں جانتے ارباز اس بدصورت حقیقت نے میری ذات کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے، میرے دل و دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، میں خود کو سمیٹ رہا ہوں، خدارا مجھے کچھ دنوں کے لیے اکیلا چھوڑ دو، میں نہیں چاہتا کہ اس حالت میں جمشید خان کو بے عزت کروں یا خان دادا کو وہ مقام نہ دے سکوں جس کے وہ حق دار ہیں۔ خانم کو ہمیشہ میں نے اپنی ماں سمجھا مگر افسوس کہ انہوں نے بھی مجھے اس حقیقت سے لاعلم رکھا۔ کاش یہ سب پہلے بتا دیتیں تو میں یوں نہ بکھرتا اور جمشید خان جیسے خود غرض شخص کو میں اپنا باپ کیسے مان لوں جس نے ساری زندگی میری خبر نہ لی، کبھی نہیں پوچھا کہ میں کس حال میں ہوں۔ آج اپنے نافرمان بیٹے کو چھوڑ کر مجھے اپنانے آگئے وہ، مجھ میں اتنا حوصلہ بھی نہیں ہے کہ میں اچانک یہ سب بھول کر سب نئے سرے سے شروع کر سکوں۔" عون میں اس وقت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔

"عون تم غلط سوچ رہے ہو، جمشید چاچا کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ تم ان کی اولاد ہو ان کو بھی بعد میں پتا چلا جب تمہیں پتا چلا تو اس میں وہ کیسے قصوروار ہوئے تم خود ہی سوچو میرے یار..... خیر تم اپنا پتا تو بتاؤ میں ملنا چاہتا ہوں تم سے۔ مجھے تمہاری بہت فکر ہے میرے بھائی۔" ارباز نے جلدی سے کہا۔

"تم دوست ہو دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے بتا دیتا ہوں ورنہ....." عون کے کہنے پر ارباز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑو سب لالے اپنا ایڈریس بتاؤ۔" ارباز کی اس پیار بھری دھونس پر عون نے اپنے دوست کے گھر کا پتا بتایا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

"یا اللہ تو رحیم ہے کرم کرنے والا ہے۔ عون خان پر اپنا ڈھیروں کرم فرما تو سب جانتا ہے ان کے دل میں کیا ہے ان کو درست فیصلہ کرنے کی توفیق دے آمین۔" آنکھوں میں آنسو لیے انوشے جاء نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔ ارباز نے سیب کو عون کے بارے میں بتا دیا تھا، خان دادا کے ساتھ باقی سب موجود تھے فالج کی وجہ سے وہ بول نہیں پا رہے تھے۔ خانم اور انوشے ہی گھر پر تھیں۔ سب لوگوں کو عون اور خان دادا کی فکر تھی۔ وہ جاء نماز تہہ کر کے رکھنے ہی والی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا اس نے لڑکھڑا کر اندر آتے ہوئے ذیشان کو دیکھا۔ وہ شراب کے نشے میں چور تھا، اس کے منہ سے بدبو آ رہی تھی انوشے نفرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ذیشان چلے جاؤ یہاں سے۔ اس حالت میں تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی، جو کارنامہ سرانجام دے چکے ہو ناں تم اس نے ہم سب کی زندگی بے سکون کر دی ہے۔ اسماعیل بابا، گلے..... کوئی تو آئے اسے یہاں سے لے کر جائے۔" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"ہاہاہا..... انوشے تم میری ہو مگر عون نے تمہاری زندگی میں آ کر جو کالک ملی ہے میرے چہرے پر اب وہ اور تم دونوں مجھ سے نہیں بچ سکتے اگر تم میری نہیں ہو سکتی تو اس کے قابل بھی نہیں رہو گی سمجھی تم۔" بے ربط الفاظ میں کہتے ہوئے اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی۔ لڑکھڑاتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ انوشے کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔

"یہ تم..... تم کیا کہہ رہے ہو؟ دیکھو میرے قریب مت آؤ، دفع ہو جاؤ یہاں سے ظالم انسان۔" اتنے میں ذیشان نے اس کو بازو سے پکڑ لیا تھا۔

"میں کہتی ہوں مت چھوؤ مجھے، تم کیوں کر رہے ہو ایسا؟ خانم، گلے..... کوئی ہے؟ بچاؤ مجھے۔ یا اللہ مجھے بچا۔" وہ خوف سے مسلسل سب کو آوازیں دے رہی تھی۔ ذیشان نے اس کو بالوں سے پکڑ کر فرش پر دھکا دیا۔

"ہاہاہا یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اپنی زبان بند رکھو۔ تم صرف میری ہو۔" وہ یہ کہتا ہوا مکمل طور پر اس کو گھیر چکا تھا پہلی بار اپنے قریب کسی مرد کو اس حالت میں دیکھ کر وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کے اعصاب منجمد ہو رہے تھے۔ مقابل اس پر حاوی ہو رہا تھا مگر وہ پھر بھی ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنے بچاؤ کی کوشش کرتی رہی، چلاتی، چیختی رہی اور ذیشان اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک باہر سے خانم اور گلے کے دروازہ پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں وہ اس شیطان سے اپنا آپ چھڑا کر دروازے کی طرف بھاگی۔

"انوشے..... دروازہ کھولو، بتاؤ اندر کون ہے؟" مورے کی آواز سنائی دی۔

"بی بی دروازہ کھولیں۔" گلے بھی چلائی۔

"مورے..... ذیشان....." وہ کہنے ہی والی تھی کہ ذیشان نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہا۔

"بچائیں مجھے..... اس شیطان سے۔" اس نے دبی دبی آواز میں دوبارہ چلانا چاہا مگر اب کی بار ذیشان نے اسے بچنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

انوشے خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی جب ذیشان کو ہوش آیا وہ انوشے کو اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گیا۔ جمشید کا خوف اس پر سوار ہو چکا تھا باہر سے گلے اور خانم کے مسلسل رونے کی آوازیں آ رہی تھیں وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر کی طرف بھاگا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے بھاگیں مگر اس کو نہ پکڑ سکیں۔ اسماعیل کو اس کے پیچھے بھیجا اور خود انوشے کے کمرے کی طرف واپس آئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"کیا ہوا ہے انوشے کو پھوپو بتائیں پلیز..... یہ بے ہوش کیوں ہے؟ اور جب سے ہم واپس آئے ہیں آپ بس رو رہی ہیں۔" علیزے نے پھوپو سے پوچھا جو مسلسل رو رہی تھیں۔ علیزے نے ارباز کی طرف دیکھا جو پریشان

کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

"گلے تم بتاؤ میری پیاری بہن کیا ہوا ہے؟ جب ہم گئے تھے تب تو یہ بالکل ٹھیک تھی۔" ارباز نے گلے سے پیار سے پوچھا تو اس نے سب بتا دیا جس سن کر علیزے رونے لگی۔ ارباز حیرت زدہ رہ ہو کر سوفے پر ڈھے گیا۔

"یہ کیا، کیا تم نے ذیشان؟ اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا۔" علیزے غصہ سے بولی۔ خانم بھی سسک اٹھیں۔ بھائی کا غم کیا کم تھا جوان کی بچی پر ایک اور قیامت بیت گئی تھی۔

"میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کمینے کو۔ اب وہ میرے ہاتھ سے نہیں بچے گا۔ میری بہن کو بے آبرو کرنے کا انجام وہ دیکھ لے گا۔" وہ غصے سے کہتا باہر نکل گیا۔

"ہمیں اسے ہوش میں لانا ہوگا، میں جا کر ارباز کو دیکھتی ہوں کہیں غصے میں وہ کچھ غلط نہ بیٹھے۔" علیزے، پھوپو سے کہتی ہوئی باہر کی طرف بھاگی تھی۔

❁.....❁.....❁

عون کو بے حد بے چینی محسوس ہو رہی تھی، وہ ارباز اس کے ساتھ جمشید خان کی غیر موجودگی میں خان دادا سے ملنے ہسپتال آیا تھا۔ وہاں لیٹے بے سدھ اور مشینوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر عون کو ان پر بے پناہ ترس بھی آیا مگر جو کچھ انہوں نے اس کے ساتھ کیا تھا یہ سوچ کر وہ دور سے ہی ان کو دیکھ کر واپس پلٹ گیا تھا۔ ارباز نے اسے بہت روکا مگر وہ نہیں رکا۔ اس کی بے چینی اور بے کلی بڑھ رہی تھی۔ اضطراب کے عالم میں وہ ساحل سمندر پر چلا آیا۔ مغرب کے وقت یہاں کا منظر ہی مختلف تھا۔ لہریں اس کے پیروں کو چھوتی اور پھر بکھر جاتیں۔ اس کی زندگی بھی شاید کسی لہر کی طرح تھی، کون تھا وہ؟ یک دم حویلی والوں کے دلوں پر چھا گیا، ان میں سمو کر ایک بار پھر قسمت کے ہاتھوں بکھر گیا۔ جیسے لہریں سمندر میں جا کر اپنا وجود کھو دیتی ہیں وہ ٹہلتا رہا سوچتا رہا۔ یک دم ہی اسے انوشے کا خیال آیا۔

"کاش تمہاری محبت ہی میرے جینے کا ذریعہ بن جائے، ورنہ میں تو بالکل ہی ختم ہو چکا ہوں۔" کئی قسم کی سوچیں اس کے ذہن پر حاوی تھیں جو الزام ذیشان نے اس پر لگائے تھے اس کا شدت سے دل چاہا کہ وہ ذیشان کو ختم کر دے مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان ہی سوچوں میں گم ایک بار پھر اس نے ارباز کا نمبر ملایا بہت دیر کے بعد اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"کیا حال ہے ارباز؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔ اپنی پچھلی حرکت پر اس کو شرمندگی تھی۔

"کیا حال ہوگا ہم سب کا عون..... تم ہی بتاؤ ذرا۔" ارباز کے رندھے ہوئے لہجے سے اسے کچھ انہونی کا احساس ہوا۔ وہ چونک گیا۔

"مطلب..... حویلی میں سب ٹھیک ہے ناں؟ مجھے عجیب سی وحشت ہو رہی ہے میرے یار۔ تم بتاؤ خان دادا، انوشے، خانم سب کیسے ہیں؟" حویلی والوں کی محبت دل میں جاگی تو اس نے پوچھا۔

"خان دادا..... خانم..... ہم سب مر گئے یار۔ سب کے سب اور انوشے..... انوشے بھی مر گئی ہے۔" ارباز نے سرد لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کے لہجے پر عون کے دل کی دھڑکن معمول سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

خان دادا کا انتقال ہو گیا تھا شاید وہ اپنی پیاری پوتی کی یہ حالت دیکھتے تو زندہ درگور ہو جاتے۔ اللہ نے ان کی مشکل آسان کر دی تھی۔ کافی دن ہسپتال رہنے اور علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔ ادھر ذیشان بھی اپنے گناہوں کی سزا پا چکا تھا۔ اللہ نے اس کے کریہہ گناہ کی سزا اس کو اس کی موت کی صورت میں دے دی تھی۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ موقع پر ہی جان کی بازی ہار گیا تھا۔ حویلی میں بہ یک وقت دو لوگ زندگی کی بازی ہار گئے تھے۔ ایک اپنے گناہ کی سزا پا کر اور دوسرا اپنے ضمیر کی خلش کے باعث..... عون نے دوبارہ ارباز سے رابطے کی کوشش کی، جس نے رو رو کر انوشے پر گزرنے والی قیامت کے بارے میں جب اسے بتایا تو وہ سن کر ساکت رہ گیا۔ الفاظ

کھو گئے اس پیاری لڑکی کو کیوں سزا ملی؟ وہ یہی سوچتا رہا وہ حویلی پہنچا تو اس نے دو جنازے بیک وقت حویلی سے نکلتے ہوئے دیکھے ایک کہرام مچا ہوا تھا۔

انوشے ہوش میں آئی تو اس نے رو رو کر علیزے کو اپنے اوپر بیتے تمام ظلم کا احوال سنایا۔ اس کی حالت دگرگوں تھی مگر جب اسے ذیشان کی موت کا پتا چلا تو وہ کچھ سکون میں آ گئی۔ خان دادا کی موت کا اسے بے حد دکھ تھا۔ وہ واقعی پاکیزہ تھی۔ اس کے گناہ گار کو اللہ نے فوراً سزا دے کر اسے ہر قسم کی پریشانی اور دنیا کی باتوں سے بچا لیا تھا۔ سزا و جزا کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے یہ اس پاک پروردگار نے ذیشان کی موت کی صورت میں دکھا دیا تھا۔ جمشید نے خان دادا کی بیماری اور اپنے بیٹے کی اچانک حادثے میں موت کے بارے میں بتا کر سب لوگوں سے تعزیت وصول کی۔ عون اور ارباز بھی لوگوں سے ملتے رہے۔ خانم اور علیزے عورتوں کے ہجوم کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ خان دادا کا غم الگ تھا اور انوشے کی عزت تار تار ہونے کا دکھ اس سے بڑھ کر تھا مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا جمشید نے انوشے سے معافی مانگ لی تھی۔ اپنے نافرمان بیٹے کی موت کا دکھ اتنا نہیں تھا جتنا اپنی پیاری بھتیجی کی زندگی اجڑنے کا ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

دونوں اموات کو کچھ دن ہی گزرے تھے انوشے کی حالت مزید بگڑنے لگی، وہ سارا دن نیند اور دواؤں کے زیر اثر سوئی رہتی۔ رات کو خواب میں ڈر جاتی۔ خانم اسے اپنے پاس سلاتی جو ظلم ذیشان کی وجہ سے اس پر ہوا تھا وہ اسے اور عزیز ہو گئی تھی اس نے کافی دنوں سے انوشے کو نہیں دیکھا تھا۔ ابھی تک جمشید نے بھی عون سے کوئی بات نہیں کی تھی ایک دن خانم سے اجازت لے کر وہ سوئی ہوئی انوشے کے پاس آیا، وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ کتنا پاکیزہ تھا اس کا چہرہ مگر اس حادثے نے اس کی ساری تازگی نچوڑ لی تھی۔ چہرے پر زردی سی گھل گئی تھی، وہ یک ٹک اسے دیکھتا رہا اس کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"انو شے..... کتنا بدنصیب ہوں میں، ساری زندگی ایک جھوٹ کے سہارے گزارتا رہا، خان جی کی وفاداری کرتا رہا، تمہارے پیار کو ٹھکراتا رہا، اپنی انا اور خودداری کو بلند کرنے کے لیے تمہاری محبت کو اگنور کرتا رہا، کیا ملا مجھے؟ ناباپ کا پیار اور تو جو اور نہ ہی تمہاری محبت، کتنا ظلم ہوا ہے تم پر، ذیشان نے اپنی نفرت کا زہر دے دیا اور میں نے اپنی خودداری کا زخم دے کر تمہاری یہ حالت کر دی۔ کاش میں اس روز حویلی چھوڑ کر نہ جاتا تو یہ ظلم تم پر نہ ہوتا۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کا۔ اس درندے نے میری نفرت میں آ کر تمہاری عزت کو داغ دار کر دیا آہ..... کتنا بے بس ہوں میں۔ وہ خود تو اپنے گناہ کی سزا پا کر اس دنیا سے چلا گیا مگر میں اسے کچھ بھی نہ کہہ پایا، تم بے قصور ہو انوشے..... میری انوشے، میری بی بی، تم آج بھی پاکیزہ ہو، افسوس کہ ایک عورت، ایک پیار کرنے والی عورت دو مردوں کے درمیان پس کر رہ گئی۔ میری محبت اور ذیشان کی نفرت نے تمہیں مار ڈالا اور تمہاری مجھ سے محبت تو آج بھی اسی طرح پاکیزہ ہے آنکھیں کھولو۔ اسی طرح چپکو، ہنسو کھیلو، تم مجھ پر رعب اور اپنا حق جماتی ہی اچھی لگتی ہو یوں خود کو گناہ گار مت سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارا محافظ، تمہاری عزت کی حفاظت تو نہ کر سکا مگر وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری محبت کو ہمیشہ سینے سے لگا کر رکھوں گا، خدارا اٹھ جاؤ انوشے۔" اس نے اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگا کر جیسے ہی کہا انوشے کی آنکھوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہوئے۔ عون خان نے اگر اپنی بے رخی سے اسے تکلیف پہنچائی تھی تو اب وہ نہ صرف انہی تکلیفوں اور دکھوں کو دور کر کے اسے محبت دینا چاہتا تھا بلکہ ذیشان کے کیے گئے اس ظلم کا مداوا بھی کرنا چاہتا تھا۔

❁.....❁.....❁

"کیوں کیا تم نے یہ سب؟ اپنی نفرت میں اس قدر آگے نکل گئے کہ میری بھتیجی، میری بیٹی، معصوم اور پاک باز انوشے کو بھی اس گرداب میں دھکیل دیا تم نے ذیشان.....

تمہاری نفرت اور لڑائی تو مجھ سے تھی، عون سے تھی تو تم نے کیوں بیچاری انوشے کو سزا دی، کیوں اسے ہمیشہ کے لیے داغ دار کردیا؟ میں جب جب اسے روتا، چیختا دیکھتا ہوں میری روح تڑپ جاتی ہے، نافرمان اور خودغرض تو تم پہلے ہی تھے کیوں بدکردار ہونے کا لیبل لگا کر اس دنیا سے چلے گئے؟ میں نے ہمیشہ تمہارے گناہوں، تمہاری غلطیوں پر پردہ ڈالا۔ ہمیشہ علیزے اور میں نے یہی چاہا کہ تمہارے کردار کی کمزوریاں حویلی والوں کے سامنے نہ آئیں مگر تم نے یہاں آکر نہ صرف میرے باپ کو تکلیف پہنچائی، میرے بیٹے عون کو در بدر کیا بلکہ اپنے گناہ ثابت کرکے اس معصوم کی عزت داغ دار کردی تم نے ذیشان۔ اچھا ہوا اللہ نے تمہاری سانسیں چھین لیں، تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا مل گئی مگر انوشے کا کیا ہوگا، کیسے جی پائے گی وہ؟ ایک معصوم لڑکی کے کردار اور عزت پر جب ایک بار داغ لگ جائے زمانہ کبھی بھی اسے پاکیزہ تصور نہیں کرتا۔ تم قاتل ہو میرے باپ اور میری بیٹی انوشے کی زندگی اور اس کی پاکیزگی کے۔ ضرور اللہ کے ہاں تم اس کی سزا پاؤ گے، تم میرے بیٹے نہیں ہوسکتے، میں نے ساری زندگی صرف تمہارے لیے اپنوں کو نہیں اپنایا، کاش میں ایسا نہ کرتا، اب حالات ایسے ہیں کہ تم تو چلے گئے مگر عون خان کبھی مجھے اپنا باپ تسلیم نہیں کرے گا، صرف تمہاری وجہ سے کیوں کہ وہ انوشے سے محبت کرتا ہے۔ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں تم جیسے گھٹیا اور بدکردار شخص کا باپ ہوں۔ کتنا بدنصیب ہوں میں کہ میں ذیشان کا باپ ہوں مگر میں عون خان کا باپ نہیں بن پایا۔" ذیشان کی قبر پر بیٹھے جمشید خان رو رہے تھے، وہ بے بس تھے کچھ نہیں کرسکتے تھے، انہیں پیچھے سے ایک آواز سنائی دی جو جانی پہچانی تھی۔

"بابا..... آپ صرف ذیشان کے ہی باپ نہیں بلکہ میرے یعنی عون خان کے بھی باپ ہیں۔" انہوں نے یک دم پیچھے مڑ کر دیکھا تو عون چہرے پر مسکراہٹ لیے انہی کو دیکھ رہا تھا، وہ جھٹکے سے اٹھے اور اسے بانہوں میں بھینچ لیا۔ دیر تک اسے پیار کرتے رہے، چومتے رہے وہ بھی ان کے گلے لگ کر روتا رہا۔

"خودغرضی اور انا بہت بڑی لعنت ہے بابا، اس سے انسان خود کو مضبوط تو ظاہر کردیتا ہے مگر جس شخص کے ساتھ یہ رویے برتے جاتے ہیں وہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے، انوشے سے محبت تھی مجھے اور اب تک ہے مگر ہمیشہ اپنی خودغرضی اور خود ساختہ انا کو ہی میں نے مقدم رکھا کیونکہ مجھے اپنی حیثیت کا علم تھا مگر پھر بھی خان جی اور خانم نے مجھے بہت محبت دی، کاش یہی سوچ کر میں اس روز انوشے سے دور نہ ہوتا، حویلی والوں کو چھوڑ کر نہ جاتا تو آج یہ دکھ نہ دیکھنے پڑتے مگر اب اپنی انا، خودغرضی سب کو مار دیا ہے میں نے، آپ میرے باپ ہیں اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں اور بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس انہونی حقیقت سے بھی فرار حاصل نہیں کرنا چاہتا میں۔ یہ نہ ہو کہ ایک اور نقصان سے دوچار ہونا پڑے ہمیں، میں خود کو انوشے کا مجرم تصور کرتا ہوں اور ذیشان وہ تو خود مٹی کے نیچے دفن ہوکر اپنی جان چھڑا گیا بابا مگر اب انوشے کی ساری ذمہ داری میری اور ہم سب کی ہے۔ مجھے معاف کردیں۔" وہ جمشید خان کے سینے سے لگا نم آنکھوں سے کہہ رہا تھا جبکہ اسماعیل بابا اور ارباز خان دور کھڑے یہ منظر دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کررہے تھے۔

"تم مجھے معاف کردو میرے بیٹے، تم میری اور گل لالہ کی محبت کی نشانی ہو، میرے بچے بابا کو ہمیشہ تم پر فخر رہے گا۔" ایک بار پھر انہوں نے اسے اپنے گلے لگایا۔ عون خان نے محبت اور اپنائیت کا ایک عظیم احساس محسوس کیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وقت جیسا بھی ہو گزر جاتا ہے۔ حویلی والوں کے لیے بھی برا وقت گزر گیا تھا۔ جمشید نے نہ صرف حویلی کا سارا انتظام سنبھال لیا تھا بلکہ عون خان اور سب کی مرضی اور خوشی کے پیش نظر سادگی سے انوشے کا نکاح اس سے کردیا تھا، وہ جو ہر وقت بولتی رہتی تھی، باتوں سے سب کا دماغ چاٹتی تھی، اس واقع کے بعد بہت خاموش ہوگئی تھی، نکاح کی

رضامندی بھی بس سر ہلا کر دی تھی، سارے جذبے مر چکے تھے، علیزے اور خانم اس سے ڈھیروں باتیں کرتی رہتیں مگر وہ صرف خاموش رہتی، گلے بھی اسے تنگ کرتی مگر ابھی تک وہ اسی حادثے کے زیر اثر جی رہی تھی، وہ راتوں کو اکثر ڈر جاتی، ابھی تک مورے ہی اسے اپنے پاس سلاتی، دو تین مہینے تک عون اس کی یہ حالت دیکھتا رہا اور پھر اس نے انوشے کی رخصتی کی بات کر دی تھی، وہ اسے مزید دکھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا، علیزے اور ارباز کی خوش خبری سے ماحول کی سوگواری کچھ کم تو ہوئی مگر عون اور انوشے کی زندگی کی خوشیاں ادھوری ہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

"مجھ پر ترس یا ہمدردی مت کریں عون، جانتی ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ تعلق دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نہیں جوڑا جو طوفان میری زندگی میں آ کر گزر گیا ہے اس نے میری ہستی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ لمحہ لمحہ جیتی بھی ہوں اور مرتی بھی ہوں۔ وہ گناہ گار شخص خود تو چلا گیا مگر مجھے ایسا داغ دے گیا کہ چاہ کر بھی اسے مٹا نہیں سکتی۔ وہ دن..... وہ بھیانک شام، میری زندگی کی ساری خوشیاں لے گئی۔ کیوں عورت اتنی کمزور ہے عون؟ میں کیا کروں کہاں جاؤں، آپ کے ساتھ اپنا نام جوڑ کر بھی میں مطمئن نہیں ہوں، جو خوشی مجھے ہونی چاہیے تھی وہ اس بھیانک حقیقت کے سامنے ہیچ پڑ گئی ہے، میرا کوئی قصور نہیں ہے میں بے گناہ ہوں مگر لگتا ہے کہ اب آپ کے قابل نہیں رہی ہوں میں۔" انوشے نے رخصتی کے بعد روتے ہوئے عون سے کہا۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات تھے سچائی واضح تھی مگر مقابل بھی عون خان تھا جو کبھی اس کی محبت سے انکاری تھا مگر جب اس سچے جذبے سے روشناس ہوا تو انوشے کی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھتا تھا۔ چند لمحے اس کو پیار سے دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہاتھ تھام کر بولا۔

"آپ..... سے..... تم تک کا یہ سفر بہت کٹھن تھا میرے لیے انوشے مگر اب تم ماضی کی باتیں بھول جاؤ اور آج وہ باتیں مت دوہراؤ جو کبھی میں تمہارے ساتھ کرتا رہا، تم آج بھی پاکیزہ ہو، اسی طرح خوب صورت اور پاک باز انوشے جس نے مجھے محبت کرنا سکھایا، ہمارا ملنا قدرت نے یونہی لکھا تھا، اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، تم ماضی میں بھی میری ہی تھیں اور حال میں بھی میری ہی ہو، تمہاری عزت پر کوئی داغ نہیں لگا جو کچھ بھی ہوا اسے بھول جاؤ۔ ماضی کو یاد کرنے سے تمہیں تکلیف ہی ہوگی تم صرف میری ہو، میری ذمہ داری ہو، میں تمہیں دنیا بھر کی خوشیاں دینا چاہتا ہوں، میں نے سائیکاٹرسٹ سے بات کی ہے، خود تم کو وہاں لے جاؤں گا تمہارا ڈر اور خوف ختم ہو جائے گا تم بہت جلد نارمل ہو جاؤ گی اور ہاں..... ایک بات یاد رکھنا عون خان نے انوشے سے محبت کی ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں اپنی ذمہ داری تو نبھاتا ہی ہوں مگر جب بات محبت کی آ جائے وہاں میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں انوشے..... تم بس مطمئن رہو اور مجھ پر بھروسا رکھو۔"

"عون میں....." اس نے محبت سے کہہ کر اپنی تمام چاہت اس پر نثار کر دی تھی، اسے یوں لگا جیسے وہ چھاؤں میں آ گئی ہو، عون کی قربت نے نہ صرف اس کا ڈر ختم کر دیا تھا بلکہ اسے ایک خوب صورت اور یقینی تحفظ کا احساس بھی بخش دیا تھا۔

زندگی کی شاہراہ پر وہ اپنی محبت کے ہم قدم تھی۔ دکھوں کی بارش چھٹ گئی تھی اور محبت نے ہر طرف پھول کھلا دیئے تھے۔

سعدیہ عبید

www.naeyufaq.com

داغ شکست خواب کے بعد

فرزانہ نگہت

لاؤنج میں پہنچ کر میں نے بیگ میز پر رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف ڈاکٹر عمران تھے۔

"ہیلو ڈاکٹر صاحب، کیا کوئی ایمرجنسی ہے؟"

"نہیں، تم ابھی اور اسی وقت سیٹھ احمد کے گھر روانہ ہوجاؤ، انہیں پھر انجائنا کی تکلیف شروع ہوگئی ہے ان کی صاحب زادی نے مجھے فون کیا تھا لیکن میں اس وقت بہت مصروف ہوں، اس لیے اپنی جگہ تمہیں بھیج رہا ہوں۔"

"بہت بہتر، میں ابھی روانہ ہوجاتا ہوں۔" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے میں نے بیگ میز پر سے اٹھایا اور تیز قدموں سے چلتا لاؤنج سے باہر نکلا۔

سیٹھ احمد کا گھر کچھ زیادہ دور نہیں تھا، میں تیزی سے کار دوڑاتا ہوا چند منٹوں میں وہاں پہنچ گیا۔ سیٹھ احمد اپنے کمرے میں سینے تک ہلکا گرم کمبل لیے بیڈ پر دراز تھے، ان کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ میں بیگ سنبھالتا ان کی طرف بڑھا، اس وقت میری نظر بیڈ کے ایک طرف کھڑی اس نورِ نگہت پر پڑی، اس کی بڑی سیاہ سحر طراز آنکھیں مجھ پر جمی تھیں، میں ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

"جی....."

"میں فرحانہ ہوں، آپ ڈیڈی کو دیکھ لیجیے۔" اس کی آواز نغمہ بار لیکن لہجہ پر تشویش تھا۔

تو وہ سیٹھ احمد کی بیٹی تھی، میں کئی دفعہ پہلے بھی سیٹھ صاحب کو دیکھنے وہاں آچکا تھا لیکن وہ مجھے کبھی دکھائی نہ دی تھی لیکن یہ وقت اس بات پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ میں بیگ سنبھالے سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا۔ جب تک میں سیٹھ صاحب کو دیکھتا رہا وہ خاموش کھڑی دیکھتی رہی پھر

pklibrary.com

جب میں انہیں انجکشن لگا کر فارغ ہوا تو وہ آ گئے آئی۔

"ڈاکٹر صاحب، ڈیڈی کی حالت تشویش ناک تو نہیں ہے ناں، یہ ٹھیک ہو جائیں گے ناں؟" اس کا لہجہ پریشان اور مضطرب سا تھا۔

"ان شاء اللہ، یہ انجائنا کا خفیف سا حملہ ہے، سیٹھ صاحب کم از کم ایک ہفتہ تک گھر پر مکمل آرام کریں، اس عرصہ میں کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں نہ فکر و پریشانی کو قریب بھٹکنے دیں۔ ان کا مرض پرانا ہے، اس لیے احتیاط کی اشد ضرورت ہے، میں آپ کو ادویات لکھ دیتا ہوں آپ انہیں منگوالیں۔" میں نے اپنے پیڈ پر سے ایک کاغذ اٹھایا اور اس پر ادویات کے نام اور طریقہ استعمال لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ سیٹھ صاحب آنکھیں بند کیے لیٹے تھے، میں نے اپنا بیگ سنبھالا اور وہاں سے جانے کے لیے اٹھا۔

"اچھا اب اجازت دیجیے۔" وہ بھی میرے ساتھ ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

"آپ کیا پہلے بھی ڈیڈی کو دیکھنے آ چکے ہیں؟"

"جی ہاں، ان کے اصل معالج ڈاکٹر عمران ہیں، میں ان کا اسسٹنٹ ہوں۔ وہ جب خود نہیں آ سکتے تو مجھے بھیج دیتے ہیں۔ ہاں میں نے آج پہلی مرتبہ آپ کو یہاں دیکھا ہے۔"

"میں چند دن ہوئے نیویارک سے آئی ہوں، وہاں میں چچا حضور کے پاس رہتے ہوئے ایم بی اے کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔" چلتے ہوئے ہم باہر مرمریں زینوں تک آن پہنچے تھے۔

"اچھا مس فرحانہ، اللہ حافظ۔ آپ فون پر مجھے سیٹھ صاحب کی کنڈیشن کے بارے میں آگاہ کرتی رہیے گا، اگر ضروری ہوا تو میں جلد ہی انہیں دیکھنے آ جاؤں گا۔" میں نے اس سے کہا اور زینے اتر کے کار میں بیٹھ گیا۔

کار کے پھاٹک سے باہر نکلنے تک وہ برآمدے میں کھڑی رہی۔ گھر پہنچ کر میں نہا دھو کر تبدیلی لباس کے بعد لاؤنج میں چلا آیا۔ زہرہ آپا وہاں پہلے ہی موجود تھیں۔

"السلام علیکم آپا۔" میں ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام! آج تو تم بہت دیر سے گھر آئے۔"

"میں گھر آتے ہی ڈاکٹر عمران کی ہدایت پر سیٹھ احمد کو دیکھنے چلا گیا تھا۔" اتنا کہنے کے ساتھ ہی میری نظروں کے سامنے ایک دم فرحانہ کا حسین و دلکش سراپا گھوما۔ میرے دل نے کچھ عجیب سا محسوس کیا، مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی۔

"اب تو تم اپنا گھر بسا ہی لو منصور، اٹھائیس سال کے ہونے کو آ رہے ہو، آخر کب تک اکیلے رہو گے؟ میں بھی تمہارا گھر کی دیکھ بھال کرنے بار بار یہاں نہیں آ سکتی۔" آپا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بسالوں گا جلد یا بدیر۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"تم یہی کہتے رہتے ہو اور وقت گزرتا رہتا ہے، خاندان کی کوئی لڑکی تمہیں پسند نہیں۔ باہر کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں پھر کہاں اور کب کرو گے تم شادی؟" آپا کے لہجے میں خفگی کی واضح جھلک رہی تھی۔

"بس تھوڑا عرصہ اور آپا پھر میں آپ کو اپنی پسند بتا دوں گا۔" وہ بے اعتباری سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں نظریں چرا گیا اور اپنے لیے چائے بنانے لگا، اسی وقت چار سالہ شوزب اور دو سالہ عرشیہ اندر آئے۔

"آپا..... ماموں جان۔" مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں دوڑ کر میرے پاس آئے، میں نے دونوں کو گود میں بٹھا لیا۔

"آپ دونوں کہاں غائب تھے بیٹے؟"

"ماموں جان آج لان میں بہت سی تتلیاں آئی ہوئی ہیں، اتنی..... اتنی..... بہت ساری۔" ننھی عرشیہ نے بازو پھیلاتے ہوئے ان کی تعداد بتائی۔

"اچھا..... آپ نے کوئی تتلی پکڑی؟" اس نے مایوسانہ منہ بسورا۔

"ماموں جان وہ اڑ جاتی تھیں۔" میں ہنس دیا۔

"چلو کوئی بات نہیں، کوئی تتلی ضرور آپ کے ہاتھ لگ جائے گی۔" اس وقت ٹی وی پر ان کی پسندیدگی کارٹون فلم پنک پینتھر دکھائی جانے لگی تو وہ فوراً ہی میری گود سے اتر کر

ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے۔

"آج عمیر صاحب کا فون آیا تھا۔" آپا نے چائے کے جرعہ لیتے ہوئے مجھے اطلاع دی، ان کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

"اچھا، کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ میں اب گھر واپس آجاؤں، وہ چند دن بعد ٹوکیو جانے والے ہیں۔ ظاہر ہے میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گی، یہاں رہتے ہوئے مجھے ویسے بھی ہفتہ بھر ہو چکا ہے، ہر چند کہ انہیں گھر میں کوئی تکلیف یا مشکل نہیں۔ پھوپی جان اور بہنیں ان کا خیال رکھنے کو موجود ہیں لیکن اپنے شوہر کی حقیقی معنوں میں خدمت بیوی ہی کر سکتی ہے۔"

"ایک ہفتہ تو بہت تھوڑی سی مدت ہے، بھائی جان اتنی جلدی بے چین اور بے تاب کیوں ہونے لگے؟" میں نے انہیں چھیڑا۔ آپا کی سنجیدگی برقرار رہی۔

"اس میں بے چینی اور بے تابی کی بات نہیں، شادی کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے پر انحصار بہت بڑھ جاتا ہے، اس لیے وہ ایک دوسرے کی عدم موجودگی کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ تمہاری شادی ہوگی تو تمہیں بھی اس کا تجربہ ہو جائے گا۔"

"آپ کچھ دن اور ٹھہر جائیں تو اچھا ہے، یہ بچے بھی دیکھیں یہاں کتنے خوش ہیں۔"

"نہیں، اب تو میں یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتی، شوزب کا اسکول کھلنے والا ہے پھر مجھے عمیر کے ساتھ ٹوکیو بھی جانا ہے۔ گھر جا کر مجھے تیاری کرنی ہے، کچھ معلوم نہیں کہ ٹوکیو کے بعد عمیر کا اور کسی ملک جانے کا پروگرام بن جائے۔"

"جیسے آپ کی مرضی، مجھے افسوس رہے گا کہ آپ کا یہاں قیام بے حد مختصر رہا۔"

"اس لیے تو میں کہتی ہوں کہ تم اب گھر بسا ہی لو تو اچھا ہے، ماں باپ ہمارے ہیں نہیں، اس لیے یہ فکر مجھے ہی کرنی ہے، تمہاری شادی ہو جائے تو مجھے بھی اطمینان نصیب ہو۔"

"بس تھوڑا عرصہ اور آپا پھر میں آپ کو بتادوں گا کہ کہاں اور کب شادی کرنی ہے۔"

"خیال رکھنا کہ یہ تھوڑا عرصہ اب تھوڑا ہی رہے، طوالت نہ پکڑ جائے ہمیشہ کی طرح۔" میں ہنس دیا۔

"مطمئن رہیے آپا..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" اگلے دن آپا اور بچے اسلام آباد واپس چلے گئے، میں اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات میں مگن ہو گیا۔

دن اسی طرح گزرتے رہے پھر ایک دن مجھے ڈاکٹر عمران کی طرف سے سیٹھ احمد کو جا کر دیکھنے کی ہدایت ملی۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ پر دراز دن بھر کی کاوشوں کی ماندگی اتار رہا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو مجھے ڈاکٹر صاحب کی اسی ہدایت پر جھنجلاہٹ طاری ہو جاتی، غصہ بھی آتا لیکن فرحانہ کا خیال تھا جو میں فوراً ہی اس کے ہاں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

تیار ہو جانے کے بعد میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا، سیاہ تھری پیس اور سیاہ دھاری دار ٹائی میں میرا دراز قامت سراپا بڑا شاندار اور پروقار دکھائی دے رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگت کے ساتھ تیکھے نقوش اور سیاہ گھنے بال میری مردانہ وجاہت کی شان میں اور بھی اضافہ کرتے تھے۔ اسپتال میں کتنی ہی لیڈی ڈاکٹرز اور نرسیں تھیں جو میری ایک نظر التفات کی منتظر رہتی تھیں، بڑے بڑے گھرانوں کی کتنی ہی حسین اور طرح دار بیٹیاں تھیں جو میرے پیچھے ٹھنڈی سانسیں بھرا کرتی تھیں لیکن میں نے کسی کو قابل توجہ نہ سمجھا تھا، کسی سے دوستی کی تھی نہ تعلق رکھا تھا۔ میں نے اپنی زندگی کی ساتھی کا جو خیال اور تصور اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا وہ کچھ ایسا منفرد قسم کا تھا کہ مجھے اب تک کوئی دوشیزہ اس میں پوری اترتی دکھائی نہ دی تھی لیکن اب فرحانہ کو دیکھنے کے بعد مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ میری عرصہ دراز کی تلاش و جستجو بالآخر اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے۔ پیرس سے خریدے پرفیوم کا اسپرے کرنے کے بعد میں نے آئینے میں اپنے سراپا پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور مطمئن ہو کر اپنا بیگ اٹھائے کمرے سے باہر نکل آیا۔ سیٹھ احمد کی کوٹھی کے پورٹیکو میں پہنچ کر میں نے کار روکی اور زینے چڑھ کر اندر داخل ہوا۔ سیٹھ احمد اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ پر تکیوں کے

سہارے بیٹھے تھے، وہ مجسمہ نور و نکہت فرحانہ..... ان کے قریب صوفے پر بیٹھی تھی، میں سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے سیٹھ صاحب؟"

"اللہ کا شکر ہے، میں اب کچھ چل پھر سکتا ہوں لیکن کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

"آپ کو ابھی کچھ عرصہ آرام کرنا ہے، آپ کی تکلیف پرانی ہے اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا اور اپنا بیگ کھول کر اس میں سے ضروری آلات نکالنے لگا، میں محسوس کر رہا تھا کہ فرحانہ کی نظریں مجھ پر جمی تھیں لیکن وہ خاموش تھی۔

پھر جب میں سیٹھ صاحب کو اچھی طرح سے دیکھنے اور انہیں انجکشن لگانے سے فارغ ہوا تو فرحانہ نے انہیں بیڈ پر لٹاتے ہوئے سینے تک کمبل اڑھا دیا۔

"اب آپ آرام کیجیے ڈیڈی میں اور ڈاکٹر صاحب لاؤنج میں جا رہے ہیں۔" اس نے سحر طراز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "آیئے ڈاکٹر صاحب۔" میں کچھ ٹھٹکا پھر اپنا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ شاہانہ طرز سے آراستہ وسیع و عریض لاؤنج میں اس وقت نہایت خوش گوار سی خنکی پھیلی ہوئی تھی، کھلی ہوئی کھڑکیوں سے باہر لان میں کھلے ہوئے تازہ گلابوں کی مہک فضا میں رچی بسی ہوئی تھی۔

"تشریف رکھیے۔" فرحانہ نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ میں سائیڈ ٹیبل پر بیگ رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"آپ کو کہیں اور تو نہیں جانا ڈاکٹر صاحب؟"

"جی نہیں، اب میں فارغ ہوں۔" میں نے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی، گہرے نیلے رنگ کے خوب صورت لباس میں وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی، اس کی بڑی بڑی سیاہ روشن آنکھیں مجھ پر جمی تھیں، ان میں تحسین و دلچسپی کے ساتھ ہی کچھ ناقابل بیان سے تاثرات تھے۔

"آپ کیا یہیں لاہور میں رہتے ہیں؟ ذرا اپنے بارے میں کچھ بتایئے، آپ ڈیڈی کو دیکھنے آتے رہتے ہیں اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت تو ہونی چاہیے۔" میں مسکرا دیا۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ، واقعی ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہیے۔" وہ بھی مسکرائی، آبدار موتیوں کی ایک لڑی سی اپنی جھلک دکھا گئی۔

"تو پھر آپ اپنے بارے میں کچھ بتایئے۔"

"میرے پاس آپ کو بتانے کے لیے کوئی قابل ذکر بات نہیں، ہمارا خاندان شروع ہی سے لاہور میں رہتا رہا ہے، میرے دادا ایک زمین دار تھے اور میدان سیاست میں بھی ان کا عمل دخل تھا لیکن پھر انہوں نے زمین داری اور سیاست دونوں سے چھٹکارا پا لیا اور بے شمار شہری جائیدادیں خرید لیں۔ کے ساتھ لاہور میں ایک بہت بڑا اسپتال بھی تعمیر کروا دیا۔ میرے والد اکلوتے بیٹے تھے جنہوں نے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور اس اسپتال کا انتظام و انصرام سنبھال لیا تھا ان کی صرف ایک ہی بہن تھیں پھوپی صفیہ۔ جو اسلام آباد میں رہتی تھیں ان کے شوہر بڑے بزنس مین تھے۔ میرے والد کی شادی اپنی خالہ زاد بہن سے ہوئی تھی، ان سے پہلے ایک بیٹی زہرہ آپا پیدا ہوئیں پھر تین سال بعد میں پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے چھ سال بعد میری والدہ انتقال کر گئی تھیں اس کے بعد والد نے پھر دوسری شادی نہیں کی۔ اپنی طرح انہوں نے مجھے ڈاکٹر بنایا، ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم میں نے جرمنی اور امریکہ سے حاصل کی، اب میں اپنا اسپتال قائم کر رہا ہوں۔ آپا زہرہ کی شادی پھوپی صفیہ کے بیٹے عمیر بھائی سے ہوئی ان کے دو بچے ہیں، ان کی شادی کے بعد والد سال بھر ہی زندہ رہ پائے تھے، اس لیے میں اب اپنے بڑے سے گھر میں اکیلا رہ رہا ہوں۔"

"آپ کو تنہائی اور اکیلے پن سے وحشت نہیں ہوتی ڈاکٹر صاحب؟" سب کچھ سننے کے بعد اس نے شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تو میں مسکرا دیا۔

"ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار آپا بچوں کے ساتھ آ جاتی ہیں

جاتے رہتے ہیں۔" اس وقت ایک ملازم چائے کی ٹرالی لیے اندر چلا آیا اور ہمارے سامنے رکھ کر چلا گیا، فرحانہ نے اٹھ کر چائے بنائی اور کپ میری طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" میں نے کپ اس سے لیا۔ وہ اپنا کپ سنبھالے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ آج کل کیا کر رہی ہیں فرحانہ؟"

"زیادہ تر ڈیڈی کی خبر گیری، مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ فرصت ملتی ہے تو میں کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ لیتی ہوں۔ ہاں مجھے فوٹو گرافی کا بھی بے حد شوق ہے کسی دن میں آپ کو اپنے البم دکھاؤں گی۔"

"ضرور دیکھوں گا لیکن پہلے آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیے آپ شاید سیٹھ صاحب کی واحد اولاد ہیں؟"

"جی ہاں، میرا اور کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ ڈیڈی امی سے بے حد محبت کرتے تھے اس لیے ان کے انتقال کے بعد انہوں نے باوجود دادا حضور اور دادی کے بے پناہ اصرار پر دوبارہ شادی نہیں کی حالانکہ وہ اس وقت بالکل جوان العمر تھے تیس بتیس سال کے۔ انہوں نے مجھے بھرپور توجہ اور محبت دی، میں نے کالج کی تعلیم ان کے پاس یہاں رہتے ہوئے حاصل کی۔ وہ چاہتے تھے کہ مجھے کچھ کاروباری سمجھ بوجھ آجائے اس لیے انہوں نے بزنس ایڈمنسٹریشن کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مجھے نیویارک چچا حضور کے پاس بھیج دیا تھا۔"

"آپ کے یہ چچا کیا کرتے ہیں، کیا سیٹھ صاحب کے اور بہن بھائی بھی ہیں؟"

"جی ہاں..... تین بہنیں اور دو بھائی، وہ سب امریکہ میں ہیں وہاں ان کے اپنے بڑے کاروبار ہیں، ان کے بیٹے بیٹیاں ڈاکٹر، انجینئر اور بزنس مین وغیرہ ہیں۔ یہ چچا رضا علی ڈاکٹر ہیں، اپنا اسپتال چلاتے ہیں۔" وہ مجھے اپنے رشتہ داروں اور امریکہ میں گزرے زمانہ طالب علمی کے دلچسپ قصے سنانے لگی، اس کے ساتھ ہی ہمارے درمیان بے تکلفی کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی۔ لاؤنج میں ہمارے قہقہے گونجنے ڈھل رہی تھی۔

"پھر کب آئیں گے ڈاکٹر صاحب؟" جب ہم چلتے ہوئے پورٹیکو میں پہنچے تو فرحانہ نے پوچھا۔ میں نے تھوڑی دیر کے لیے سوچا۔

"کل تو مجھے ایک آپریشن کے سلسلے میں مصروف رہنا ہے، اگلے دو تین دن بھی فارغ نہیں ہوں گے کیونکہ امریکہ سے ڈاکٹر کا وفد آرہا ہے کچھ کانفرنسیں وغیرہ ہوں گی اس لیے اگلے اتوار کو ہی مجھے فرصت مل پائے گی۔"

"اتنے دنوں بعد..... چلیں ٹھیک ہے لیکن آپ آئیں ضرور۔" اس نے اپنا برف سا سفید حسین ہاتھ میری طرف بڑھایا، میں نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا، اس کی نرمی اور گداز نے میرے رگ و پے میں ایک سنسناہٹ سی دوڑا دی تھی۔

"ضرور آؤں گا، بھولوں گا نہیں۔" میں نے کہا اور اسے اللہ حافظ کہہ کر کار میں بیٹھ گیا۔

اگلے پورے ایک ہفتے تک میں بے پناہ مصروف رہا، مجھے کراچی بھی جانا پڑا تھا۔ وہاں سے واپسی پر جب مصروفیات کی گہما گہمی کچھ کم ہوئی تو میں نے فرحانہ کو فون کیا وہ گویا میرے فون کے انتظار میں ہی تھی۔

"شکریہ آپ نے یاد کیا، آپ کی مصروفیات کیا ختم ہوگئیں؟"

"ختم تو نہیں البتہ کافی کم ضرور ہوگئی ہیں۔ ہاں آپ کے ڈیڈی اب کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے وہ اب بالکل صحت مند اور تندرست ہو چکے ہیں اس وقت وہ چیمبر آف کامرس کے اجلاس میں شرکت کرنے گئے ہوئے ہیں اور میں گھر پر تنہا بور ہو رہی ہوں آپ آجائیں تو یہ بوریت دور ہو جائے۔"

"ضرور، میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہا ہوں۔" اس سے ملنے کے لیے میں پہلے کی طرح بڑے اہتمام سے تیار ہوا اور نئی خریدی ہوئی گاڑی میں بیٹھ کر اس کے گھر روانہ ہو گیا۔

وہ میرے استقبال کے لیے پورٹیکو میں موجود تھی، گلابی رنگ کے حسین لباس میں وہ گلاب کا حسین نکھرا نکھرا سا

پھول معلوم ہو رہی تھی، میرے کار سے نکلتے ہی وہ مسکراتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔

"ہیلو ڈاکٹر صاحب، آپ تو وقت کے بڑے پابند نکلے، فون کرتے ہی فوراً چلے آئے۔" میں مسکرایا۔

"پابندی وقت ہر ڈاکٹر کے پیشہ وارانہ فرائض میں داخل ہوتا ہے۔" لاؤنج میں پہنچ کر ہم دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"سیٹھ صاحب کب تشریف لائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کی تو رات گئے ہی واپسی ہوگی۔ چیمبر آف کامرس کے اجلاس ہمیشہ طویل دورانیے کے ہوتے ہیں۔"

"ان کے لیے ابھی اتنی مصروفیت اچھی نہیں، انہیں ابھی کم کم ہی کام کرنا چاہیے۔"

"میں نے ان سے کہا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ اس اجلاس میں ان کی شرکت بے حد ضروری تھی، کیوں ڈاکٹر صاحب اپنی پیشہ وارانہ مصروفیات سے ہٹ کر آپ کے کچھ مشاغل ضرور ہوں گے؟"

"مجھے یاٹنگ کا بہت شوق ہے، مصوری سے بھی دلچسپی ہے لیکن ان مشاغل کے لیے مجھے بہت کم فرصت مل پاتی ہے۔"

"یاٹنگ سے مجھے بھی بہت دلچسپی ہے جب میں امریکہ میں تھی تو یاٹنگ کے لیے جایا کرتی تھی لیکن اب یہ دلچسپی ختم ہو چکی ہے۔" میں اسے دیکھ رہا تھا، میرا ذہن کچھ فیصلہ نہ کر پا رہا تھا کہ میں اس سے جو باتیں کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا وہ مجھے اس سے کرنی چاہیے یا نہیں کہ اس نے خود ہی یہ موقع فراہم کر دیا تھا۔

"آپ نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ آپ کی زندگی میں کوئی داخل ہے۔" میں نے صوفے پر پہلو بدلا۔

"پہلے میں نے کبھی کسی میں دلچسپی نہیں لی، نہ ہی کوئی میری زندگی میں داخل ہوا لیکن اب معاملہ مختلف ہے۔" اس نے مضطرب نگاہوں سے میری طرف دیکھا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے حسین چہرے نے رنگ بدلا ہو۔

"کوئی رشتہ دار یا کولیگ؟"

"نہیں، ان میں سے کوئی بھی نہیں۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھا گیا اور اس کا حسین ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"یہ تم ہو فرحانہ....." میں نے تمام تکلفات بالائے طاق رکھ دیئے۔ "میں نے پہلی نظر تمہیں دیکھتے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ تم ہی میری زندگی کی ساتھی بنو گی، تم ہی میرا اکیلا پن اور تنہائی دور کرو گی۔ تم کیا کہتی ہو فرحانہ؟" اس کے حسین چہرے نے یکبارگی کئی رنگ بدلے، اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔

"یہ بہت مشکل ہے منصور، قریب قریب ناممکن، میری منگنی ہو چکی ہے۔" مجھ پر گویا بجلی سی گری۔

"منگنی ہو چکی ہے.....! کس کے ساتھ؟" میں نے مضطربانہ ایک دم ہی کئی سوال پوچھے۔ اس کے حسین چہرے پر مایوسی اور سورنج کا امتزاج تھا۔ حسین آنکھیں بھی بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"خاور..... وہ چچا رضا علی کا بیٹا ہے، مجھ سے پانچ سال بڑا، چچا حضور نے نوجوانی ہی میں ایک امریکن دوشیزہ سے شادی کر لی تھی ان کے پانچ بچے ہیں۔ خاور ان میں سب سے بڑا ہے، چچا حضور اور چچی نے میرے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے ڈیڈی اور امی سے مجھے مانگ لیا تھا، جوانی کی عمروں کو پہنچ کر ہماری باقاعدہ منگنی کر دی گئی۔ ڈیڈی اور چچا حضور میں یہ طے ہو چکا تھا کہ میرے ایم بی اے کرنے کے بعد ہماری شادی کر دی جائے گی اب جب کہ میں تعلیم مکمل کر کے یہاں آ چکی ہوں تو اس کام میں دیر نہ ہوگی کیونکہ خاور مجھے اپنانے کے لیے بے تاب ہوا جا رہا ہے۔" میرے دل میں نفرت، حسد اور رقابت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"یہ خاور صاحب کیسے ہیں..... کیا کرتے ہیں؟"

"اس نے الیکٹرونک انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی ہے، نیویارک میں اس کی اپنی بہت بڑی انجینئرنگ کمپنی ہے، وہ بہت اچھا آدمی ہے، خوش اخلاق، بلند کردار

ایک اچھا مسلمان۔ وہ دیکھو وہ دیوار پر اس کی تصویر لگی ہے۔" میں نے پہلے کبھی لاؤنج کی اس دیوار پر لگی اس خوب صورت سنہرے چوکھٹے والی بڑی سی رنگین تصویر کو توجہ سے نہ دیکھا تھا، اب جو اس پر گہری نظر ڈالی تو مجھے عجیب سا احساس برتری وتفاخر ہوا۔ خاور کوئی ایسی جاذب نظر اور وجیہہ شخصیت کا مالک نہیں تھا۔

"تم اسے پسند کرتی ہو فرحانہ، اس کے ساتھ منگنی پر خوش ہو؟"

"ہاں میں اسے پسند کرتی ہوں، اس کی عزت کرتی ہوں کہ وہ ایک اچھا انسان ہے لیکن اس کے ساتھ منگنی ڈیڈی کی مرضی سے ہوئی ہے، میں نے اس پر کوئی اعتراض اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں ڈیڈی کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔" میں چونکا، میں نے اس پر گہری نظر ڈالی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟ تم مجبوراً اس رشتہ پر آمادہ ہوئیں۔" اس نے گہری سانس لی۔

"میں اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ چچا حضور اور چچی مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں، خاور کے بہن بھائی مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں پھر خاور..... اس کی مجھ سے محبت تو بیان میں نہیں آسکتی۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے میرے پاس ڈیڈی کے سامنے اس رشتے کو ناپسند کرنے کا کیا جواز بن سکتا تھا؟"

"تو تم کیا محسوس کرتی ہو، تم خاور کے ساتھ خوش رہ سکو گی؟" میں نے چبھتے لہجے میں استفہام کیا۔

"بہت سی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں سے محبت نہ رکھتے کے باوجود ان کے ساتھ تمام عمر گزار دیتی ہیں۔" مجھے غصہ آ گیا، میرے دل میں شدید، حسد اور رقابت کا ایک اور شعلہ بھڑکا۔ اس کی تپش میرے وجود کو جھلسائے دینے لگی۔

"پھر تو وہ تم سے دستبردار ہونے پر کبھی آمادہ نہ ہوگا۔ خواہ تم کتنی ہی کوشش کرو۔" میں کٹیلے لہجے میں بولا پھر مجھے کوئی خیال آیا۔

"تم کیا سیٹھ صاحب سے اس سلسلے میں بات نہیں کر سکتیں؟"

"ڈیڈی کی حالت کے پیش نظر میں انہیں کوئی دکھ پہنچانے کا نہیں سوچ سکتی۔" اس کا لہجہ بوجھل اور مایوسانہ تھا۔ یہ تو بہت مشکل ہوگئی تھی، معاملہ بہت گمبھیر بن گیا تھا، میں مایوس اور دل شکستہ سا صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔

وہ دل گرفتگی کے عالم میں خاموش بیٹھی تھی، میں اسے دیکھ رہا تھا، میرے دل کی کیفیات کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں کیا اس کے حضور میں ناکامی کا صدمہ جھیل سکتا تھا؟ اس سے محرومی گوارا کر سکتا تھا؟ یہ تہی دستی اور تہی دامنی تو میرے لیے جان لیوا ثابت ہوتی۔ جس نے عمر بھر شکست کھانا، ناکام رہنا نہ سیکھا تھا۔

ملازم چائے کی ٹرالی لیے اندر چلا آیا اور اسے ہمارے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ فرحانہ نے خاموشی سے پیالیوں میں چائے بنائی اور کپ میری طرف بڑھا دیا، میں نے اسی طرح خاموشی سے کپ اس سے لیا اور قریب ہی تپائی پر رکھ دیا۔

"فرحانہ تمہارے خیال میں کیا کوئی راہ ایسی نہیں نکل سکتی کہ خاور سے تمہاری منگنی ختم ہو جائے؟" میں نے کچھ امید بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی وہ کچھ سوچتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"میں اپنی طرف سے ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتی جس سے ڈیڈی کو دکھ پہنچے، ابھی میں اس بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی اگر ان لوگوں کی طرف سے شادی پر اصرار ہوا تو میں کوشش کروں گی کہ انہیں کوئی راہ نکل آنے تک ٹالے رکھوں۔" میں نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے کچھ سوچ رکھا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں لیکن کوئی تدبیر سوچنے کی کوشش ضرور کروں گی ہاں تم چائے تو پیو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" میں نے کپ تپائی سے اٹھا لیا، ہم دونوں خاموشی سے چائے کے جرعہ لینے لگے وہ کسی عمیق سوچ میں گم تھی اور میں مایوسی اور رنج میں مبتلا۔ چائے ختم کر کے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اب میں چلتا ہوں، مجھے تمہاری بے بسی اور مجبوری کا احساس ہے لیکن تمہارے حصول میں ناکامی کا دکھ شاید میں عمر بھر نہ بھول سکوں۔" اس کے حسین چہرے پر ناقابل فہم سے تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔

"منصور.....؟" اس نے ہولے سے شانے سے سر لگا دیا۔ اس کی حسین آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

"یہ بہت کرب ناک ہے۔" میرے جذبۂ دل نے عجیب سی کروٹ لی، میں نے اس کے شانے کے گرد بازو ڈال کر اسے اپنے قریب کرلیا۔

"ہماری قسمت میں ایک دوسرے کا ہونا نہ لکھا تھا، ہم کچھ نہیں کرسکتے فرحانہ۔" میری آواز گلے میں گھٹ گئی پھر جب پورٹیکو میں پہنچ کر ہم نے ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہا تو ہمارے دل رنج و دکھ سے بوجھل تھے۔

وہ رات مجھ پر بے حد بھاری گزری، میں تمام رات جاگتا رہا، سگریٹ نوشی کی مجھے عادت نہیں تھی لیکن اس تمام رات میں سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا، جلتا کڑھتا سلگتا رہا۔

وقت گزرتا گیا۔

فرحانہ کے خیال سے نجات پانے کے لیے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنے لگا۔ راتیں بھی اسپتال میں گزارنے لگا، یہ مصروفیت میری صحت پر اثر انداز ہونے لگی۔ میرا وزن گھٹنے لگا، رنگت سنولانے لگی، ڈاکٹر عمران اور دیگر کولیگز مجھے ایسی سخت محنت و مشقت سے منع کرتے اور اپنی صحت کا خیال رکھنے کی تلقین کرتے رہتے تھے مگر یہی مصروفیت، محنت و مشقت ہی تو اس وقت میری پناہ بنی ہوئی تھی۔

پر ایک دن غیر متوقع طور پر فرحانہ کا فون آ گیا۔ میں اس وقت کئی دن راتیں اسپتال میں گزارنے کے بعد گھر پہنچا تھا، نہا دھو کر جب میں لاؤنج میں پہنچا تو وہاں رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ میرے ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے فرحانہ کی آواز سنائی دی، میرا دل دھڑک اٹھا۔

"یہ تم ہو منصور، تم کہاں ابھی اور اسی وقت یہاں آسکتے ہو؟ تم سے ایک نہایت ضروری بات کرنی ہے۔"

"کیا.....؟"

"تم یہاں آجاؤ تو تمہیں بتاؤں گی، یہ فون پر بتائی جانے والی بات نہیں۔" اس نے فون رکھ دیا۔

میں کچھ حیران پریشان سا ہو گیا تھا، میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے لہجے میں کسی فکر یا پریشانی کی جھلک نہیں تھی نہ ہی وہ بوجھل یا فگار سا تھا بلکہ ہلکا پھلکا کچھ کھنکتا ہوا سا تھا۔

میں تیار ہونے کے بعد فوراً ہی اس کے گھر روانہ ہو گیا تھا، جب میں وہاں پہنچا تو وہ مجھے لان میں ٹہلتی دکھائی دی، میں کچھ مسحور سا ہوا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی جس میں اس کا حسین سراپا نہایت قیامت خیز اور دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ شانوں سے نیچے تک پہنچتے گھنے سیاہ بالوں میں اس کا چہرہ بے حد نکھر انکھرا لگ رہا تھا، میرے پورٹیکو میں پہنچ کر کار سے باہر نکلتے ہی وہ میری طرف چلی آئی۔

"آ گئے منصور..... آؤ آج لان میں بیٹھتے ہیں۔"

"سیٹھ صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ ایئر پورٹ گئے ہوئے ہیں، آسٹریلوی تجارتی وفد آج یہاں پہنچ رہا ہے۔"

"ان کی صحت اب کیسی ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"ہاں وہ کیا ضروری بات ہے جس کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا ہے؟" چلتے ہوئے ہم گلابوں کی ایک کیاری تک آن پہنچے تھے جس میں رنگا رنگ تر و تازہ گلاب کھلے تھے۔ اس نے گلاب کے ایک بڑے سے کھلے پھول پر نظریں جمادیں اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔

"خاور..... خاور نے منگنی ختم کردی ہے منصور..... کل ڈیڈی کو اس کا فون آیا تھا۔" میں یک دم لڑکھڑا گیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو..... اس نے منگنی ختم کردی پر کیوں؟"

"اس نے ڈیڈی کو کہا ہے کہ وہ محض اپنے ماں باپ کی

خوشی کی خاطر اس رشتے پر آمادہ ہوا تھا، ورنہ اسے مجھ میں کوئی دلچسپی یا محبت نہیں تھی، اس کی مجھ سے شادی سراسر ناکام ہی ثابت ہوتی۔ اس لیے وہ مجھ پر ظلم کرنے سے بہتر سمجھتا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کردے۔" اس نے پرسکون لہجے میں مجھے ساری تفصیل بتائی۔

میں کچھ حیرت، کچھ مسرت، کچھ بے یقینی، کچھ اضطراب کے عالم میں گنگ سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا اس کی نظریں بدستور اس کھلے ہوئے گلاب پر جمی تھیں۔

"یہ تو عجیب ہی بات ہوگئی فرحانہ..... یہ تو میرے خیال و گمان میں بھی کبھی نہ آسکتا تھا کہ ایسا ہوجائے گا۔" میرا لہجہ فور جوش و جذبات سے کپکپاتا ہوا سا تھا وہ بدستور بے تاثر چہرہ لیے گلاب کے اس پھول کو تک رہی تھی۔

"تم کیا محسوس کررہی ہو فرحانہ؟"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ خاور مجھے اس لیے اچھا لگتا تھا کہ وہ ایک اچھا انسان تھا، اس سے مجھے کوئی لگاؤ یا محبت نہیں تھی لیکن ڈیڈی اور چچا حضور کی خاطر اس رشتہ پر آمادہ ہوئی تھی اب جب کہ اس نے خود ہی یہ منگنی ختم کردی ہے تو میں اب اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوچکی ہوں۔ ڈیڈی نے مجھے کہہ دیا ہے کہ وہ میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔"

"سیٹھ صاحب کو خاور کے اس اقدام سے رنج نہیں پہنچا؟"

"پہنچا تھا وہ بے حد حیران و پریشان ہوئے تھے لیکن میں نے اپنی باتوں سے انہیں مطمئن کردیا۔" میں نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

"یہ تو بہت اچھا ہوگیا فرحانہ۔" میری آواز فور مسرت، جوش و جذبات سے مرتعش تھی۔

"اب ہمارے ایک دوسرے کے زندگی کے ساتھی بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، میں آج ہی آپا کو فون کرتا ہوں کہ وہ آئیں اور سیٹھ صاحب سے بات کریں، وہ بے پناہ خوش ہوں گی کہ میں نے بالآخر شادی کا نام تو لیا لیکن فرحانہ.....

یہ تو انتہائی ناقابل یقین سی بات لگتی ہے کہ خاور تم سے یوں دستبردار ہوگیا۔"

"اس کے اس فیصلے پر چچا حضور اور چچی بھی بے حد حیران و پریشان ہیں اور اس کے بہن بھائی بھی، چچا حضور اور چچی نے تو ڈیڈی سے فون پر بہت معذرت چاہی اور اظہار افسوس کیا۔"

"خاور کو شاید وہاں کوئی لڑکی پسند آگئی ہو؟"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو، ابھی تو اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔"

"بی بی چائے رکھ دی ہے۔" اسی وقت ملازم کی آواز ہمیں چونکا گئی۔

"اچھا چلو۔" اس جگہ سے کچھ فاصلے پر پھولوں کی ایک کیاری کے قریب میز کرسیاں بچھی تھیں۔ میز پر چائے کا سامان رکھا تھا، ہم وہاں بیٹھ گئے۔ چائے کے دوران ہمارے درمیان خاور کی اپنی آئندہ زندگی کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے محسوس کیا فرحانہ بہت کم بول رہی تھی، وہ خوش ضرور دکھائی دے رہی تھی لیکن کچھ حیا بار سی بھی تھی اور میری طرف دیکھنے سے بھی کترا رہی تھی۔ مجھے اس کی یہ کیفیات لطف دے رہی تھیں۔ چائے ختم ہوتے ہی میں وہاں سے جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"اب شاید میں نہ آسکوں یعنی سیٹھ صاحب کے معالج یا تمہارے ملاقاتی کی حیثیت سے۔" پورٹیکو میں پہنچ کر میں نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے شوخ لہجے میں اس سے کہا۔

وہ جھینپ کر مسکرادی، حسین چہرے پر شفق رنگ لہرا گئے تھے۔

گھر پہنچ کر میں نے فوراً ہی اسلام آباد زہرہ آپا کو فون کیا۔ وہ عمیر بھائی کے ہمراہ ٹوکیو اور جکارتہ وغیرہ کا چکر لگانے کے بعد اسلام آباد واپس آچکی تھیں۔ میں نے انہیں فرحانہ اور سیٹھ احمد کے بارے میں بتایا اور یہ کہ فرحانہ مجھے پسند آگئی تھی اس لیے وہ اب جلد از جلد لاہور آکر سیٹھ صاحب سے شادی کے سلسلے میں بات کریں۔ وہ یہ سب کچھ سن کر بے پناہ مسرور ہوئیں اور وقت ضائع کیے بغیر

اگلے ہی دن عمیر بھائی کے ساتھ لاہور آ پہنچیں۔ عمیر بھائی بھی بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے، انہیں مجھ سے بالکل حقیقی بھائی جیسی محبت تھی اس لیے میرا گھر بسنے کا خیال ان کے لیے انتہائی اچھا تھا۔

عمیر بھائی اور آپا نے مجھ سے سیٹھ صاحب اور فرحانہ کے بارے میں تمام معلوم حاصل کیں پھر سیٹھ احمد کے ہاں فون کر کے ان سے ملاقات کا وقت طے کیا اور شام ہوتے ہی ان سے ملنے چلے گئے۔ سیٹھ صاحب جو اپنی عزیز از جان دختر کی منگنی ٹوٹنے پر خاصے دل شکستہ اور مایوس تھے اس رشتے پر حیرت زدہ ہی نہیں بے حد مسرور بھی ہوئے وہ ویسے بھی مجھے بے حد پسند کرتے اور میری قابلیت اور مہارت کے معترف تھے۔

یوں یہ رشتہ فوراً ہی طے ہوگیا، دھوم دھام سے منگنی بھی ہوگئی اب شادی تھوڑے ہی عرصہ کی بات تھی آپا بڑے زور و شور سے تیاریاں کرنے لگیں، میرا اب سیٹھ احمد کے ہاں جانا موقوف ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک تو سیٹھ صاحب بالکل تندرست و توانا ہو چکے تھے دوسرے ہمارے خاندان میں شادی سے پہلے منگیتروں کا میل جول اور فون پر رابطہ بھی اچھا نہ سمجھا جاتا تھا اس لیے فرحانہ سے اب فون پر بھی میری بات چیت نہ ہو رہی تھی لیکن آپا اکثر اس سے ملنے چلی جایا کرتی تھیں۔ فون پر بھی ان کی آپس میں بات چیت ہوتی رہتی تھی، یونہی وقت گزرتے گزرتے شادی کا دن آن پہنچا۔ آپا نے اس موقع پر خوب دل کے ارمان نکالے اور ہر رسم بھرپور اور شاندار طریقہ سے ادا کی، فرحانہ جیسی بھابی پا کر وہ بے پناہ مسرور ہی نہیں مغرور بھی ہو رہی تھیں۔ مجھے بھی بے پناہ خوشی کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے فتح مندی اور کامرانی کا احساس ہو رہا تھا۔

پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شادی کے ہنگامے، دعوتوں پارٹیوں کا سلسلہ ختم ہوا تو میں اور فرحانہ ہنی مون پر سوئٹزرلینڈ روانہ ہو گئے۔ گھر واپسی پر عزیزوں دوستوں کی طرف سے بھیجے ہوئے ڈھیروں ڈھیر تحائف ہمارے منتظر تھے ان میں موٹے گتے کا ایک بڑا سا کریٹ بھی تھا جس پر امریکہ کا کوئی پتا لکھا تھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے بھلا؟ میرا تو امریکہ میں کوئی دوست نہیں نہ ہی کوئی رشتہ دار وہاں آباد ہے۔" میں نے کریٹ کو اِدھر اُدھر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا تو چلا حضور کے گھر کا ہے۔" فرحانہ نے اس پر درج پتے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اوہ یہ تو خاور کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔" ایک سانپ سا میرے ذہن میں سرسرایا۔

"اسے ہمیں یہ تحفہ بھیجنے کی کیا سوجھی؟ وہ تو تم سے رشتہ ختم کر چکا ہے۔" میں نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"وہ رشتہ بے شک ختم ہو چکا لیکن باقی رشتے تو نہیں ختم ہوئے۔ وہ میرا چچازاد بھائی ہے، اس ناتے سے اس نے یہ تحفہ بھیجا ہوگا۔" میں نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"چلو تم ہی کھولو اسے، دیکھیں اس نے کیا بھیجا ہے۔" اس نے شاکی سی نظروں سے میری طرف دیکھا شاید میرا یہ رویہ اس کے لیے بالکل نیا اور غیر متوقع تھا۔

کریٹ کھلتے ہی ایک شاندار جگمگاتا ہوا انتہائی قیمتی کمپیوٹر ہماری نظروں کے سامنے تھا۔ میں نے تیز نظروں سے گھورا۔

"یہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ مجھے اپنے لیے ایک جدید کمپیوٹر کی ضرورت ہے؟"

"اسے معلوم ہے کہ آج کل ہر کسی کو اور ہر جگہ کمپیوٹروں کی ضرورت ہے، اس نے یہ اپنی کمپنی کا بنا ہوا کمپیوٹر بھیجا ہے، یہ تمہارے لیے بے حد کارآمد اور بہترین تحفہ ہے۔" اس نے گویا خاور کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ میں جھنجلایا۔

"لیکن اسے مجھے یہ تحفہ دینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ کیا لگتا ہوں میں اس کا۔"

"منصور.....!" اس کی حسین آنکھیں ایک دم چھلک اٹھیں۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے منصور؟ خدارا ایسے شکی مزاج تو نہ بنو، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ خاور ایک بہت اچھا انسان ہے ہر چند کہ اس نے مجھ سے اپنی منگنی ختم کر دی لیکن خون کے رشتے سے تو وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اسی تعلق سے وہ تم سے بھی محبت رکھتا ہے اس لیے اس نے تمہیں یہ تحفہ بھیجا

ہے۔"

"بڑی مہربانی اس کی، اسے کہو آئندہ مجھے کچھ نہ بھیجے نہ ہی تمہیں، میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔" میں سختی سے بولا۔ وہ دکھی اور فگار نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔

پھر میں اپنی اسپتال کی مصروفیات میں گم ہوگیا، فرحانہ نے گھریلو مصروفیات اختیار کرلیں وہ گھر کے لیے بہترین منتظمہ ثابت ہوئی، اس کی نفاست پسندی، حسن سلیقگی، اعلیٰ ذوق نے گھر کو واقعی جنت بنادیا تھا۔ اس نے گھر کی تزئین و آرائش میں ایسی حسین اور انوکھی تبدیلیاں کیں کہ اس کا ہر گوشہ جگمگاتا مسکراتا دکھائی دینے لگا تھا، اس نے وسیع و عریض چمن میں باہر سے منگوا کر نت نئے پھول دار پودے لگوائے، اسے گلاب کے پھولوں سے تو گویا عشق تھا چمن میں تقریباً تمام رنگوں کے گلاب بہار دکھلا رہے تھے۔ وہ میری ضروریات کا بھی خوب خیال رکھتی تھی اور میرا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ میری ہر بات مانتی اور شاذ ہی اختلاف رائے کرتی تھی۔ ہم دونوں اکثر اس کے والد سے ملنے ان کے گھر چلے جاتے تھے، وہ ہمیں آپس میں خوش دیکھ کر بے حد خوش ہوتے تھے۔ آپا زہرہ بھی ہماری طرف سے خوش اور مطمئن تھیں، انہیں فرحانہ سے بے حد محبت ہوگئی تھی۔ ان کے بچے بھی اس سے خوب پیار کرتے تھے۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا تھا، میں فرحانہ کی رفاقت میں بے حد خوش اور مطمئن تھا لیکن کبھی کبھار میرے دل میں خاور کی طرف سے ایک خلش سی سر اٹھانے لگتی تھی اور میں فرحانہ کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔ میرے دل میں شک کافی سر سرانے لگتا تھا کہ بظاہر میری بیوی ہونے اور میری محبت کا دم بھرنے کے اس کے دل میں خاور کے لیے اک نرم گوشہ محبت ضرور موجود ہوگی آخر وہ طویل عرصہ تک اس کی منگیتر رہی تھی۔ میرے سامنے بھی اس نے اس کی ہمیشہ تعریف کی تھی، میں حسد اور رقابت کی آگ میں جھلسنے لگتا تھا۔ میرا رویہ اس کے ساتھ ایک دم ہی سرد مہر ہوجاتا تھا۔ میں اس سے بے رخی برتنے لگتا تھا اور اکثر اسے ڈانٹ اور جھڑک بھی دیتا تھا وہ جواباً مجھے دکھی اور فگار نظروں سے دیکھ کر رہ جاتی تھی۔ ایک ایسے ہی موقع پر وہ میرے سامنے بے اختیار رو دی۔

"تمہیں یہ آخر کیا ہوجاتا ہے منصور؟ تم کیوں ایسے کٹھور بن جاتے ہو، بلاسبب مجھے ڈانٹنے، جھڑکنے لگتے ہو؟ کئی کئی دن مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہو۔ کیا بات ہے آخر مجھے بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا شکایتیں ہیں تاکہ میں انہیں دور کردوں۔"

"میں کیا اس کا یقین کرلوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" میں نے بجائے اس کے شکووں کا جواب دینے کے چبھتے ہوئے لہجے میں اس سے استفہام کیا۔ اس کی حسین آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ہی رنج و کرب کی پرچھائیں لہرائیں۔

"یہ تم نے کیوں پوچھا منصور، تمہیں کیا میری محبت کی سچائی اور اخلاص کا یقین نہیں؟"

"کیا تمہارے دل سے خاور کی یاد مٹ چکی ہے، کیا وہ اب تمہیں نہیں یاد آتا؟" میں نے بڑی بے دردی سے وار کیا۔

"منصور....." وہ بری طرح سے تڑپ گئی۔ "یہ تم کیا باتیں کررہے ہو منصور! خدارا یہ شکی مزاجی چھوڑ دو، یہ ہماری زندگی خراب کردے گی۔ میں تمہیں بار بار بتا چکی ہوں کہ خاور سے مجھے کبھی لگاؤ یا محبت نہیں رہی تھی۔ میں صرف ڈیڈی اور چچا حضور کی خاطر اس رشتے پر رضامند ہوئی تھی، میں اسے صرف ایک اچھے انسان کی حیثیت سے پسند کرتی تھی۔ یہ تو تم ہو منصور جسے دیکھ کر مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ احساس ہوا تھا کہ محبت کا جذبہ کیا چیز ہوتا ہے، جس سے محبت ہوجائے اس کے حصول کے لیے بے تابی اور بے قراری کیا ہوتی ہے پھر اس کا حصول زندگی کو کیسا حسین اور دلکش بنادیتا ہے، منصور..... میرے اچھے منصور خدارا مجھ پر شک نہ کرو۔ میرے دل میں صرف تم ہی بستے ہو، اس میں صرف تمہارا ہی خیال اور تصور رہتا ہے۔ منصور اللہ کے واسطے۔" وہ بے تحاشہ رو دی۔ مجھے محرمانہ سا احساس ہو۔

"فرحی....." اس نے زخمی نظروں سے میری طرف

"تم نہیں جانتے منصور کہ تمہاری ان باتوں سے مجھے کتنی تکلیف پہنچتی ہے، کتنا دکھ اور رنج محسوس ہوتا ہے؟ شک اور بدگمانی ازدواجی زندگی کے لیے بربادی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ تم ان سے بچو منصور، ہماری شادی کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ اس میں یوں تلخیاں گھلنے لگی ہیں۔" میں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے معاف کردو فرحی، نجانے مجھے کیا ہوجاتا ہے، دراصل یہ میری تم سے جنونی محبت ہے جو میں تمہارے نام کے ساتھ کسی تعلق کو برداشت نہیں کرسکتا خواہ وہ ماضی کی بات ہو، ختم ہوچکا ہو۔"

"وسیع ظرف اور فراخ دل بنو منصور، جن باتوں کی اب اہمیت نہیں رہی، جو ختم ہوچکی ہیں انہیں اپنی ازدواجی زندگی میں محض بے سکونی، تلخی اور بدمزگی پیدا کرنے کے لیے تازہ کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ ماضی کی باتیں ماضی کا حصہ بن چکیں انہیں اب دفن ہی رہنے دو۔" اس کی باتوں وضاحتوں اور آنسوؤں نے مجھے شدید نادم ہی نہیں شرمندہ بھی کردیا، مجھے اپنا وجود نہایت حقیر سا محسوس ہوا، گھٹیا اور پست لیکن وہ واقعی اخلاق و کردار، تہذیب و شائستگی کی اعلیٰ ترین بلندیوں پر تھی۔ اس نے مجھے ذرا بھی اپنی جہالت اور گھٹیا پن کا احساس نہ ہونے دیا نہ ہی مجھے معذرتیں اور معافیاں مانگنے دیں بلکہ وہ میری زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے اور مجھے خوش رکھنے کی کوششیں کرنے لگی، میں اندر ہی اندر خجل اور نادم سا اس کی دلجوئی کے لیے اسے گھمانے، سیر و تفریح کروانے، شاپنگ کروانے، کھلانے پلانے لے جانے لگا یوں زندگی ایک بار پھر ہنسی خوشی رواں ہوئی۔

ایک دن میں معمول سے کچھ پہلے ہی گھر آ گیا۔ میں نے اپنا بیگ اسٹڈی روم میں رکھا اور لاؤنج کی سمت ہولیا۔ وہ اس وقت بالعموم وہاں کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کررہی ہوتی تھی جب میں دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا تو میں نے اسے صوفے پر بیٹھے پایا اس کے سامنے میز پر ایک بڑا سا البم کھلی ہوئی رکھی تھی، اس کی پشت میری طرف تھی ہوا اس کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ میز پر کھلی البم میری نظروں کے سامنے تھی اس کے دونوں صفحات پر بڑی بڑی رنگین تصاویر لگی تھیں جنہیں میں پہچانتا نہیں تھا ان میں ایک تصویر نے میری توجہ اپنی طرف کھینچ لی، یہ خاور کی تصویر تھی جس میں وہ کندھے پر کوٹ ڈالے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مجھے ایک دم ہی اپنے رگ و پے میں ایک آگ سی سرایت کرتی محسوس ہوئی، شک کے ناگ کی پھنکاریں میرے وجود کو بھسم کیے دینے لگیں۔ میں سرتاپا بری طرح سے کپکپانے لگا، اس وقت اسے شاید میری موجودگی کا احساس ہوگیا اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا مجھ پر نظریں پڑتے ہی وہ مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف آئی اس کی حسین آنکھوں میں ستارے جگمگا رہے تھے۔

"آج تو تم جلدی آگئے منصور۔" جواباً میں نے اس کے رخسار پر ایک تھپڑ رسید کردیا۔

"بڑی معصوم بنتی ہو نا آج میں جلدی گھر نہ آ جاتا تو مجھے معلوم نہ ہوتا کہ تم میری عدم موجودگی میں اس کمینے خاور کی تصویروں سے دل بہلاتی رہتی ہو، دھوکہ باز، جھوٹی، بے وفا عورت، مجھے نفرت ہے تم سے۔" وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی، اس کے گلابی رخسار پر میری پانچوں انگلیوں کے نشان ثبت ہوگئے تھے اس نے رخسار پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"منصور.....!" وہ رو دی۔ "ایسے ظالم تو نہ بنو منصور، اس البم میں میں نے اپنی کھینچی ہوئی سب رشتہ داروں کی تصویریں لگا رکھی ہیں اگر ان میں خاور کی تصویر بھی موجود ہے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، وہ بھی تو آخر ہمارا رشتہ دار ہے۔"

"لیکن تم صرف اس کمینے کی تصویریں کیوں دیکھ رہی تھیں؟" میں دہاڑا، میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ "یہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں پھر بھی مجھے جھٹلاتی ہو، مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔" اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔

"ایسی کوئی بات نہیں منصور....." وہ بمشکل تمام بولی۔

"اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود؟ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہارے دل میں ابھی تک وہ کمینہ بسا ہوا ہے، میں اب ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا، جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے۔" میں نے اسے زور سے دروازے کی طرف دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی کھلے ہوئے بھاری بھرکم دروازے سے جا ٹکرائی۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی، وہ لہرا کر گری تھی۔ اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ یہ میں نے کیا کر ڈالا، اس وقت جب کہ ہمارے گلشن میں ایک ننھا سا پھول کھلنے والا تھا یہ حادثہ اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتا تھا، میرے اندر کا ڈاکٹر ایک دم بیدار ہوا تھا، میں لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ وہ نیم بے ہوش سی تھی اس کے منہ سے رہ رہ کر کراہیں خارج ہورہی تھیں۔ میرے ہاتھ پیر پھول گئے، میں نے فوراً ہی اسپتال فون کرکے ایمبولینس منگوائی اور اس کے ہمراہ اسپتال پہنچا جہاں اسے بعجلت تمام اسپیشل وارڈ میں منتقل کردیا گیا، کیس خطرناک تھا لیڈی ڈاکٹرز اور نرسیں پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔ خود میرا بھی برا حال تھا، شدید قسم کے احساس جرم وندامت، فکر و پریشانی نے مجھے بری طرح سے بے چین و مضطرب کررکھا تھا، میں بڑی بے قراری کے عالم میں وارڈ کے باہر ٹہل رہا تھا۔ کئی گھنٹوں کے جان لیوا اور جانگسل انتظار کے بعد مجھے جو خبر سننے کو ملی وہ یہ تھی کہ فرحانہ نے مردہ بچے کو جنم دیا تھا اور خود بھی جان سے گزر گئی تھی۔

میری دنیا اجڑ گئی تھی، کتنے ہی عرصہ تک میری حالت ایسی ابتر رہی کہ آپا مایوں ہوکر رونے لگتی تھیں۔ اس المیے نے انہیں بھی ناقابل بیان صدمہ اور رنج پہنچایا تھا، میں ان کا اکلوتا بھائی تھا جس کی انہوں نے بڑے ارمانوں سے شادی کی تھی اور ہوا کیا تھا؟ ادھر سیٹھ احمد اپنی اکلوتی لخت جگر کی موت کا صدمہ نہ سہار پائے اور ایک حملہ قلب میں دنیا سے منہ موڑ گئے، ان کی موت پر ان کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تمام رشتہ دار لاہور پہنچ گئے تھے صرف خاور ہی نہ آیا تھا لیکن اس وقت مجھے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر اسپتال کی مصروفیات میں گم ہوگیا۔ میری حالت سنبھلتی دیکھ کر آپا نے مجھ سے دوبارہ گھر بسا لینے پر اصرار کرنا شروع کردیا لیکن میں انہیں ٹالتا رہا۔ میں فرحانہ کو بھلا نہ پایا تھا، اس کی حسین لیکن کرب ناک یادیں مجھے ہر دم تڑپاتی، دکھ دیتی رہتی تھیں، مجھے اس کا قاتل ہونے کا احساس دلاتی رہتی تھیں۔ میں صرف اس کا قاتل ہی نہیں بلکہ اپنے اس معصوم بچے کا قاتل بھی تھا جسے دنیا میں آنکھ کھولنا نصیب نہ ہوسکا تھا میں اپنے ہاتھوں سے اپنا چمن اجاڑ بیٹھا تھا، اپنی زندگی تباہ کر بیٹھا تھا یہ دکھ اور کرب، یہ احساس پشیمانی و جرم مجھے اندر ہی اندر گھلائے دے رہا تھا۔

پھر ایک دن مجھے ڈاکٹروں کے ایک وفد کے ساتھ ایک طبی کانفرنس میں شرکت کے لیے امریکہ جانا پڑا۔ وہاں نیویارک میں ہمیں ایک ہوٹل میں ٹھہرایا گیا، اس کانفرنس کی میٹنگز کئی دنوں تک جاری رہیں پھر جب وہ اختتام کو پہنچیں تو ہمیں کچھ گھومنے پھرنے سیر و تفریح کرنے کا موقع ملا، ہماری وطن واپسی میں ابھی دو تین دن باقی تھے۔ اس صبح میں ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اخبار ہاتھ میں لیے ہوٹل کی لابی میں چلا آیا، لابی اس وقت بالکل خالی تھی میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑانے لگا۔ اس وقت مجھے وہاں کسی کی آمد کا احساس ہوا، میں نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر دیکھا، بہترین اور قیمتی لباس میں ملبوس وہ شخص اپنا بریف کیس ایک تپائی پر رکھ رہا تھا اس وقت میرے ذہن میں کوئی خیال پیدا ہوا میں چونکا، میں نے اسے پہچان لیا وہ خاور تھا میرے دل میں حسد و رقابت کی دبی ہوئی چنگاری ایک دم بھڑک اٹھی۔ مجھے اپنا چہرہ دہکتا ہوا معلوم ہوا، اس وقت اس نے میری طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر منصور..... یہ تم ہی ہو ناں؟" اس کا لہجہ سرد مہر سا تھا۔

"ہاں مسٹر خاور..... شاید فرحانہ نے تمہیں میری کوئی تصویر بھیجی ہوگی۔" میں نے کٹیلے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر شدید کرب و اذیت کے تاثرات نمودار ہوئے، وہ

بے جان سا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ان باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں، وہ مر چکی ہے۔ وہ جو میری بچپن کی بے حد پیاری سی ساتھی اور دوست تھی، جس سے میں دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا تھا، جان چھڑکتا تھا، اس کے رویے سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے پسند کرتی تھی، اس نے مجھ سے منگنی پر بھی کوئی اعتراض نہ کیا تھا اور خوشی خوشی میرے ہاتھ سے انگوٹھی پہن لی تھی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا تھا۔" اس کی آواز جھرجھرائی۔ "پھر وہ پاکستان چلی گئی، ڈیڈی اور ماما کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ بعد جب تایا حضور پوری طرح صحت مند ہو جائیں گے تو وہ ان سے شادی کی بات چیت کرنے لاہور جائیں گے لیکن انہی دنوں مجھے فرحانہ کی طرف سے ایک خط موصول ہوا اس میں اس نے لکھا تھا کہ اسے مجھ سے کبھی لگاؤ یا محبت نہیں رہی تھی وہ مجھے صرف ایک پرخلوص اور اچھے دوست کی حیثیت سے پسند کرتی تھی، وہ اس کے باوجود مجھ سے اس لیے شادی پر آمادہ ہو گئی تھی کہ وہ اپنے بیمار والد کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی اب جب کہ اسے اپنا من چاہا محبوب مل گیا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر کیا کرے؟ اس نے اپنے محبوب ڈاکٹر کے لیے اپنے جذبات کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہ وہ کہیں اس کی رفاقت سے محرومی کی صورت میں کچھ کر ہی نہ بیٹھے۔" اس نے رک کر اپنی نم ناک آنکھوں کو رومال سے خشک کیا۔

"چنانچہ میں نے اس موقع پر اپنی زندگی کا انتہائی مشکل اور اذیت ناک فیصلہ کیا، میں نے ڈیڈی اور ماما سے کہا کہ میں فرحانہ کے ساتھ اپنی منگنی پر ہرگز خوش نہیں، میں نے محض اس کی خوشی کی خاطر اس پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میں اس سے ہرگز شادی نہیں کر سکتا تھا اس لیے یہ منگنی ختم کر دی جائے، انہیں مجھ پر بے حد غصہ آیا، انہوں نے مجھے سمجھایا بجھایا، ناراض بھی ہوئے لیکن میں اپنے فیصلے پر قائم رہا، چار و ناچار انہیں تایا حضور کو یہ خبر سنانی پڑی۔" اس نے رک کر اپنی ٹوٹی بکھری سانسیں ہموار کیں۔

"ہمیں ڈر تھا کہ اس خبر کا کہیں ان پر خطرناک اثر نہ ہو لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایسا نہ ہوا۔ انہیں اپنی بیٹی کی خوشیاں عزیز تھیں انہوں نے اس کی رضا کا احترام کیا یوں اس کی شادی تم سے ہو گئی، میں نے اس موقع پر اسے اپنی کمپنی کا تیار کردہ جدید ترین کمپیوٹر تحفے کے طور پر بھیجا، تم نے شاید یہ بات پسند نہ کی اور مجھے خط لکھ کر آئندہ کچھ بھیجنے سے منع کر دیا، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں اب اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھوں۔ میں دل مسوس کر رہ گیا لیکن خاموش رہا پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس کی موت کی خبر آ گئی، اس خبر نے میرے گھر والوں کو دکھ پہنچایا ہی تھا، مجھ پر سے تو قیامت ہی گزر گئی تھی۔" اس کی آواز بھرائی۔

"میں اس کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھا، اس کی خوشیاں مجھے ہمیشہ جان سے زیادہ عزیز رہی تھیں، کاش وہ زندہ رہتی۔" اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہنے لگے، اس نے رومال سے انہیں پونچھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسے کھونے کے بعد سے میں تہی دست اور تہی دامن چلا آ رہا ہوں ڈاکٹر، صرف اس کی یادیں ہیں جو میرا عمر بھر کا سرمایہ ہیں، جو مجھے جان سے عزیز ہیں، جو میرے ساتھ ہی قبر میں جائیں گی۔" اس نے تپائی پر سے اپنا بریف کیس اٹھایا اور لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا لابی سے نکل گیا۔ میں اپنی جگہ بت بنا بیٹھا رہ گیا تھا، ساکت، بے حس اور بے جان سا۔

www.naeyufaq.com

افلاطون کے جانشین

اقرا لیاقت

دنیا میں ذہین لوگ کم اور غمگین زیادہ ہوتے ہیں اور یہی ذہین لوگ ان غمگینوں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں آپ کے خاندان میں بھی کوئی ایسا ''پھنے خان'' ضرور ہوگا جو آپ کو خود سے کم تر ثابت کرنے پر ہمہ وقت گامزن رہتا ہوگا، جو آپ کی لاکھ منتوں کے باوجود آپ کے والد گرامی کو اپنی ذہانت کے قصیدے پڑھنے اور آپ کی درگت بنانے پر مجبور کرتا ہوگا۔ ہر خاندان میں ایک دو ایسے حضرات ضرور پائے جاتے ہیں جن پر خود تو کسی بات کا اثر نہیں ہوتا بہر حال وہ اپنا لوہا منوانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ دروازے پر دستک ہوتی ہے تو دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے کہ ڈاکیا آیا ہوگا مگر جونہی دروازہ کھولنے کی ہمت کرتے ہیں سامنے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنے حضرت صاحب دکھائی دیتے ہیں جی میں آتا ہے کہ جس جوش سے دروازہ کھولا تھا اس سے زیادہ زور سے دوبارہ بند کر دیا جائے مگر اخلاقیات کے پیش نظر اندر آنے کا کہنا پڑتا ہے۔ مجال ہے جو انکار کا خیال دل میں آئے فوراً پیشکش قبول کرتے ہیں اور اندر کا رستہ ناپتے ہیں۔ پھر دل میں ایک انوکھی خواہش جنم لیتی ہے کہ راہ داری میں رکھا گلدان ان کے دندان مبارک پر دے مارا جائے جو اندر جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ چائے یا کافی کا پوچھا جائے تو انتہائی مہذب انسانوں کی طرح کڑک دودھ پتی وداؤٹ شوگر کا آڈر دیتے ہیں۔ مجبوراً آپ کو چیونٹی کی چال چلتے کچن کا رخ کرنا پڑتا ہے، پھر وہ آپ کے والد گرامی کے ساتھ باتوں میں ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی بھی وقت کا احساس دلانے سے قاصر رہتی ہے۔ پھر دنیائے ادب سے لے کر گلی صاف کرنے والے ملازم پر خوب بحث ہوتی ہے۔ ایسے حضرات کو انداز گفتگو آتا ہو یا نہ آتا ہو جنگ آزادی سے لے کر چمگادڑ کے چشمے تک کا بخوبی علم ہوتا ہے تاکہ ان کی ذہانت کے تمام پہلو سامنے والے پر عیاں ہو سکیں۔ والدہ ماجدہ بھی ان کی ذہانت کی خوب معترف ہوتی ہیں اور ابا جان تو یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ

''کچھ سیکھو ان سے۔''

پھر ان کو برداشت کرنا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے دو اپوزیشن لیڈرز کا ایک دوسرے کو برداشت کرنا۔ آپ کا منہ ان کو دیکھ کر چلم سا ہو جائے یا شلجم سا..... انہیں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ مرد کو صاحب اور عورت کو صاحب بنانا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کام ہوتا ہے۔ ایسی ایسی دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ عقل مند سے عقل مند ان کے قائل

ہوجاتے ہیں۔

ذہانت کا ڈھول گلے میں باندھے خود کو ہر فن مولا کہلوانے پر ہمہ وقت تلے رہتے ہیں اور بعض اوقات تو اس کا عملی مظاہرہ بھی گانا گانے کی صورت میں کرتے ہیں، پھر کیا اللہ توبہ ایسی آواز دیکھی نہ سنی اگر گونگوں کے سامنے گائیں تو وہ بھی اس پھٹے ڈھول کو خاموش کروانے کے لیے بول اٹھیں، اگر کسی اہل سماعت کے سامنے گائیں تو وہ بہرہ ہوجانا بہتر جانیں۔

یہ حضرات نسیم حجازی کو شاعر اور احمد فراز کو ناول نگار ثابت کرنے کا بھی ہنر رکھتے ہیں اور حیرت کی بات کہ پروین شاکر کو نسرین شاکر بنانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں جن کا مطلب خود تو سرے سے نہیں جانتے ہاں مگر دوسروں کو پریشان کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، سوال ایسے کرتے ہیں۔

''جیسے مرغی پہلے آئی یا انڈا؟'' اب اس کا جواب تو پیدا کرنے والا ہی جانے ہم جیسے لوگ تو جواب کے لیے دیواروں کو ایسے گھورتے ہیں جیسے کسی معجزے کی امید ہو۔ ان کی باتیں اور سوالات سنتے سنتے اگرچہ آپ کی سماعت ختم ہوجائے یا بیٹھے بیٹھے کمر تختہ ہوجائے مجال ہے جو ان کی زبان کی گرہیں ختم ہوں، نان اسٹاپ ایف ایم کی طرح بولتے رہتے ہیں۔ آپ اپنی نگاہوں کا محور آسمان کو بنالیں لیں یا گھڑی کو ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، والد گرامی کے سامنے اپنی ذہانت کی کچھ ایسا دھاک بیٹھاتے ہیں کہ آپ کو اپنی ذہانت کیا دماغی حالت پر شک ہونے لگتا ہے۔ ایسے لوگ آپ کو ہر موڑ پر ملیں گے جو خود کو افلاطون کے جانشین سمجھتے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ قبر میں سوال و جواب میں دیر ہوجائے تو پوچھیں۔

''میاں سوال تو مختصر تھے آپ نے اتنی دیر کا ہے کو لگائی۔''

ہوسکتا ہے والد گرامی کا ادھر بھی پھیرا پڑ جائے اور کان کھینچ کر حضرت صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

''کیوں برخورداران سے ہی کچھ سیکھ لیتے۔''

بلاشبہ اس وقت ہمارے اور آپ کے لبوں سے یہ الفاظ ہی ادا ہوں گے۔

اب تو گھبرا کر کہتے ہیں مر جائیں گے
مر کر بھی چین نہ پایا تو پھر کدھر جائیں گے

سعید

www.naeyufaq.com

bazsuk@naeyufaq.com

سمیہ عثمان

ارم کمال..... فیصل آباد

عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

گل میدا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس..... مانسہرہ

روٹھو اگر مجھ سے تو یہ ذہن میں رکھنا تم
منانا عادت نہیں ہے ہماری اور جدا ہم رہ نہیں سکتے

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

میری حیات کے سارے سفر پر بھاری ہے
وہ اک پل جو تیری چشم اعتبار میں ہے

ندا افتخار..... چشتیاں

چند کلیاں نشاط کی چن کر
مدتوں محو یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

پاکیزہ مختار..... تحصیل گوجر خان

کسی گوشے میں شاید حسرت تعمیر رکھتے ہیں
کہ اپنے پاس ہم اک شہر کی تصویر رکھتے ہیں
تھکن کس طرح کم ہوگی چھوٹے سے گھروندے میں
کہیں ہم خواب رکھتے ہیں، کہیں تعبیر رکھتے ہیں

ثنا فرحان..... ملتان

ہمارے شہر آجاؤ سدا برسات رہتی ہے
کبھی بادل برستے ہیں کبھی آنکھیں برستی ہیں

تبسم بشیر حسین..... ٹنگہ

یہ سنگ دلوں کی دنیا ہے یہاں سنتا نہیں فریاد کوئی
یہاں ہنستا ہے کوئی اس وقت جب ہوتا ہے برباد کوئی

ارم آصف..... خانگڑھ

سدا تیری ہونٹوں کی مسکان رہے
جسے تو چاہے وہ تیرے پاس رہے

شمع مسکان..... جام پور

گر ہوتی پروا میرے جذبات کی مسکان
تو رسوائیوں کو نہ میرا مقدر کرتے

منتل..... برنالی

میری آرزو تمہی سے ہے
میری سادگی تمہی سے ہے
مجھ سے نہ دور ہونا
میری زندگی تمہی سے ہے

شائستہ شاہ..... راولپنڈی

میری آنکھوں میں خوابوں کا اب بسیرا نہیں
جو گھر بنائے تھے وہ تو ٹوٹ گئے

مریم شفیق..... شاہ کوٹ

سوچا ہے کہ چھوڑ دیں گے اب محبت کرنا
دنیا تو فریبی ہے خود سے کیا فریب کرنا

ارم کمال..... فیصل آباد

شام سورج کو ڈھلنا سکھا دیتی ہے
شمع پروانے کو جلنا سکھا دیتی ہے
گرنے والے کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر
ٹھوکر انسان کو چلنا سکھا دیتی ہے

کوثر بلوچ..... حیدر آباد

الجھا ہوں زندگی میں کچھ اس طرح
گویا زندگی نہ ہوئی زلف یار ہوگئی

مدیحہ کنول سرور..... چشتیاں

ٹوٹا تو ٹکڑے اتنے کہ سمیٹے نہ جاسکیں
بتاؤ اس غم دل کا مداوا کیسے ممکن ہے

طیبہ خاور..... عزیز چک وزیر آباد

ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھلا دے گا
وہ تو ہر دم مجھے دعا دے گا
پیار دیا ہے اس قدر اس کو میں نے
کس طرح وہ کسی اور کو میری جگہ دے گا

عائشہ اعوان..... منتہیٰ بہاؤ الدین

دکھ تو یہ ہے ساری دنیا ہے
میں نہیں ہوں میری کہانی میں

ثنا ریاض..... لاہور

میری قامت کی بلندی کا گلہ ہے سب کو
ورنہ دنیا میں کسی سے میرا جھگڑا کیا ہے؟

سیدہ جیا عباسی..... مرالی تلہ گنگ

دھواں دھواں ہیں فضائیں اکیلی شام کے ساتھ
سلگ رہی ہیں ہوائیں اکیلی شام کے ساتھ
فضا میں پتوں کی مانند اڑتی رہتی ہیں
میری تمام وفائیں اکیلی شام کے ساتھ

صوبیہ اسلم..... سیالکوٹ، ٹسکہ

دوستی گناہ ہے تو ہونے نہ دینا
دوستی خدا ہے تو کھونے نہ دینا
کرتے ہو جب کسی سے دوستی
تو کبھی اس دوست کو رونے نہ دینا

فریحہ شبیر..... شاہ کوٹ

اپنی حالت کا کچھ احساس نہیں ہے مجھے
میں نے اوروں سے سنا ہے کہ پریشان ہوں میں

سجیلہ جاوید..... مانسہرہ

عادت مجھے اندھیروں سے ڈرنے کی ڈال کر
اک شخص میری زندگی میں شام کر گیا

حنا ارشد..... لاہور

آئے بہار کبھی تو میرے آنگن بھی
خزاں کے زرد پتے اٹھا اٹھا تھک گئی

انعم زہیر..... ملتان

میں جب بھی بات کرتی ہوں تو اس کا ذکر ہوتا ہے
پر اس کے ذکر سے اب پیار کی خوش بو نہیں آتی

حمیرا قریشی..... لاہور

اس قدر ہے میرے دل کو تجھے پانے کی حسرت
جیسے دکھ کے بازار میں درد کی کثرت

گلشن چوہدری..... گجرات

غم زندگی نے لا کر ہمیں اس جگہ پر مارا
جہاں اس طرف کنارہ ہے نہ اس طرف کنارہ
یہ عجیب سا جہاں ہے یہاں سب ڈسے ہوئے ہیں
کوئی دشمنی کا مارا کوئی دوستی کا مارا

یاسمین کنول..... پسرور

کیسی رت ہے عجیب ساون کی
جس کی بارش سے دوستی ہی نہیں

نوشین کنول..... مانسہرہ

بے موت مر جاتے ہیں
بے آواز رونے والے

سیدہ لوبا سجاد..... کھروڑ پکا

کیا کہا تیری بات اور ہمیں بری لگے؟
بس یہی اک بات بری لگی تیری

فرخندہ جاوید..... ملتان

ہر کسی سے بچھڑ گیا ہوں میں
کون دل سے میرا ملال رکھے
شہر ہستی کا اجنبی ہوں میں
کون آخر میں میرا خیال رکھے

نگہت یاسمین..... اکاڑہ

جمع ہم نے کیا ہے غم زندگی کا
اس کا اب سود کھائے جائے گے

آمنہ افضال..... کراچی

جرم میں ہم کمی کریں بھی تو کیوں
تم سزا بھی تو کم نہیں کرتے

یاسمین مسعود..... پشاور

ان جمیل جیسی آنکھوں والے جب جاتے ہیں سمندر پر
تو لہریں شور کرتی ہیں لو آج تو سمندر ہی ڈوب گیا

عائشہ سلیم..... کراچی

سب کو میرے بعد ہی رکھے گا
آپ میرے ہیں یاد رکھیے گا

www.naeyufaq.com

زہرہ جبین

شیر خورمہ

اجزا:۔

دودھ	دو کلو
سویا	ایک کلو
چینی	آدھا پاؤ
چاول (ابلے ہوئے)	آدھا پاؤ
فلاقند یا کھویا	آدھا پاؤ
چھوٹی الائچی	دس عدد
تیل	حسب ضرورت
پستہ (کٹا ہوا)	آدھا پاؤ
بادام (کٹا ہوا)	آدھا پاؤ
کیوڑا	دو چائے کے چمچ
چھوہارے	چھ عدد

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں دودھ گرم کریں۔ اس میں چاول میش کر کے ڈالیں اور پکائیں۔ ایک پین میں تھوڑا سا گھی گرم کریں۔ اس میں سویاں ڈال کر بھون لیں۔ سویاں بھی دودھ والے مکسچر میں ڈال کر پکائیں۔ جب جوش آجائے تو آنچ کم کر دیں۔ دودھ کے گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ اس کے بعد شکر اور کھویا فلاقند چورا کر کے ڈالیں۔ کچھ دیر پکانے کے بعد آدھا پاؤ بادام، پستہ ڈال دیں گھی گرم کریں الائچی ڈال کر فرائی کریں۔ فرائی کرنے کے بعد سویوں میں ڈال دیں۔ آخر میں کیوڑہ ڈال کر چولہے سے اتار لیں۔ باؤل میں نکال کر ٹھنڈا کر لیں۔ چھوہاروں کو پانی یا دودھ میں اتنا پکائیں کہ چھوہارے گل جائیں۔ چھوہاروں کے بیج نکال دیں۔ شیر خورما پر چھوہاروں کی گارنشنگ کر کے سرو کریں۔ مزیدار شیر خورما تیار ہے۔

خالدہ احمد.....مانسہرہ

اسپیشل سویاں

اجزا:۔

سویاں (باریک)	ایک پیکٹ
گھی	چار کھانے کے چمچ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کریم	ایک پیکٹ
دودھ	ایک کپ
چینی	ایک کپ
زرد رنگ	۲۵۰ گرام
پستہ، بادام، کشمش	گارنشنگ کے لیے
کیوڑا	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

سوس پین میں گھی گرم کر کے سویوں کو فرائی کریں۔ اس میں چینی، زرد رنگ، دودھ، الائچی پاؤڈر، پستہ، بادام، کشمش اور کریم ڈال کر مکس کر کے ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ دھیان سے چمچ چلاتے رہیں۔ آخر میں کیوڑہ ڈالیں۔ کسی پین یا مولڈ میں سیٹ کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد سرونگ پلیٹ میں پلٹ لیں۔ گارنش کر کے سرو کریں۔

ارم آصف.....خانگڑھ

عید اسپیشل کیک

اجزا:۔

مکھن	آٹھ اونس
براؤن شوگر	آٹھ اونس
گولڈن سیرپ	چار اونس
انڈے	چار عدد
میدہ	آٹھ اونس
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ پیالی
مارملیڈ	چار اونس
دودھ	دو پیالی

ترکیب:۔

ایک بڑے باؤل میں گھی، چینی، بیکنگ پاؤڈر اور گولڈن سیرپ ملا کر اچھی طرح پھینٹیں انڈے بھی الگ برتن میں اچھی طرح پھینٹ کر اس میں شامل کر دیں اور تھوڑا تھوڑا میدہ بھی شامل کرتے جائیں اور پھینٹتے جائیں۔ سب چیزیں یکجان ہو جائیں تو اس میں دودھ بھی شامل کریں اب پہلے سے گریس کیے ہوئے برتن میں یہ آمیزہ ڈالیں اور پہلے سے ہی گرم کیے ہوئے اوون میں پینتیس سے چالیس منٹ کے لیے بیک کر لیں۔ عید اسپیشل کیک تیار ہے اوپر سے مارملیڈ اور ڈرائی

گروٹ سے گارنش کریں۔

دانیہ آفرین.....حیدرآباد

مٹن قورمہ

اجزا:۔

نمک	حسب ذائقہ
پسا دھنیا	حسب ضرورت
پسی لال مرچ	حسب ضرورت
ادرک لہسن پیسٹ	حسب ضرورت
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
شاہ زیرہ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
ادرک	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
مٹن	۸۵۰ گرام
دہی	۸۵۰ گرام
گھی	تین چوتھائی کپ
آلو	چار عدد
پیاز	چار عدد
انڈے	چھ عدد
لونگ	چار سے پانچ عدد
کالی مرچ	حسب پسند

ترکیب:۔

گھی گرم کریں پھر اس میں پیاز تل کر نکال لیں اب اسی گھی میں پسا دھنیا، پسی لال مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ اور ثابت گرم مصالحہ ڈال کر پکائیں۔ اس کے بعد آلو ڈالیں اور ساتھ میں گوشت شامل کرتے جائیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں دہی اور تلی پیاز ڈالیں اور دم پر رکھیں۔ اوپر سے پسی جائفل، جاوتری اور پسی الائچی شامل کر کے مزید کچھ دیر تک پکائیں۔

ارم کمال.....فیصل آباد

شاہی نرگسی کوفتے

اجزا:۔

گائے کا قیمہ	آدھا کلو
انڈے	ابلے ہوئے پانچ عدد
چنے کی دال	آدھی پیالی
پیاز	باریک کٹی ہوئی (ایک عدد)
انڈہ	پھینٹا ہوا ایک عدد
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پانی	ڈیڑھ پیالی
نمک	ایک چائے کا چمچ

سالن کے اجزا:۔

دہی	پھینٹا ہوا ایک پیالی
پانی	آدھی پیالی
پسی ہوئی ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن ادرک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ڈیڑھ چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی
ہرا دھنیا، ہری پیاز، ہری مرچ	سجانے کے لیے

ترکیب:۔

دیگچی میں قیمہ، پانی، چنے کی دال، لال مرچ، لہسن ادرک، پیاز اور نمک کو قیمہ گلنے تک پکا کر ٹھنڈا کرلیں۔ قیمے میں گرم مصالحہ ملا کر باریک پیس لیں۔ اس میں پھینٹا ہوا انڈہ اور تھوڑا سا پانی ملا لیں۔ ہتھیلی کو گیلا کر کے اس پر تھوڑا سا قیمہ رکھیں، اس کے اوپر ایک انڈہ رکھیں، قیمے کو اس پر لپیٹ دیں، اس عمل کو دہراتے ہوئے دوسرے کوفتے بھی تیار کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے کوفتوں کو تلیں اور چوڑائی سے کاٹ لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں، دہی اور پیاز کے علاوہ سالن کے اجزا ڈال کر بھون لیں۔ اس میں دہی ڈال کر پانچ منٹ مزید بھونیں اس میں پیاز اور دو پیالی پانی ڈال کر سالن گاڑھا ہونے تک پکا کر ڈش میں نکال لیں۔ اس پر کوفتے رکھیں اور ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

پروین افضل شاہین.....بھاولنگر

کشمیری پلاؤ

اجزا:۔

چاول	آدھا کلو
گوشت	آدھا کلو
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک سے آدھا عدد

کلونجی	ایک چٹکی
دار چینی	چار اسٹکس
کالا زیرہ	ایک سے آدھا چائے کا چمچہ
لونگ	پانچ سے چھ عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پسی سونف	تین کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا	تین کھانے کے چمچ
دہی	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ
کشمش	ایک سے آدھا کھانے کا چمچ
پانی	آدھا جگ
فوڈ کلر	ایک چٹکی
ابلے انڈے	تین عدد
بادام	دس سے پندرہ عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

تیل میں کچی پیاز، کلونجی، کالا زیرہ لونگ اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب گوشت، پسی سونف، پسا دھنیا، دودھ دہی اور کشمش ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب پانی شامل کریں۔ ہلکا جوش آنے پر چاول ڈال کر مکس کریں۔ دم دینے سے پہلے دودھ اور دہی ایک پیالے میں ملائیں اور چٹکی بھر فوڈ کلر ڈال کر دم لگے ہوئے پلاؤ پر اوپر سے ڈال دیں۔ تیار ہونے پر ڈش میں نکال کر بادام کشمش اور ابلے انڈوں سے سجا کر پیش کریں۔ پیاز براؤن کرلیں یہاں تک کہ کرسپی ہو جائے یا اس کے لیے آپ ٹھنڈے تیل میں ایک چٹکی نمک یا چینی ڈال لیں پھر پیاز تلیں۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

بریانی بادشاہی

اجزا:۔

مٹن	ایک کلو
چاول	ایک کلو
دہی	آدھا کلو
دودھ	آدھا کپ
کھویا	آدھا کپ
گھی	ایک کپ
ہرا دھنیا	ایک کپ
پیاز	تین عدد
بادام	بیس عدد
پودینہ	آدھی گٹھی
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ثابت زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
لہسن	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچیں	ایک کھانے کا چمچ
ادرک	ایک کھانے کا چمچ
زعفران	آدھا چائے کا چمچ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

چاولوں کو آدھا گھنٹہ بھگوئیں پھر اس میں نمک اور ثابت گرم مصالحہ ڈال کر تین کنی ابال لیں۔ گرم گھی میں پیاز کو گولڈن براؤن کر کے آدھی پیاز نکال لیں، اب اس میں ادرک لہسن، نمک، لال مرچ، بادام کا پیسٹ، پسی ہری مرچیں اور گوشت شامل کر کے بھون لیں، اس کے بعد پانی ڈال کر گوشت کو گلائیں پھر اس میں کٹا پودینہ، ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور کھویا شامل کر کے مکس کرلیں جب گوشت گل جائے تو دہی کا مکسچر، زعفران اور لیموں کا رس ڈالیں کوکنگ پین میں آدھے ابلے چاول ڈالیں، اوپر گوشت کا مکسچر پھیلائیں اور بچے ہوئے چاول ڈالیں آخر میں تلی ہوئی پیاز، آدھا کپ دودھ اور ایک کھانے کا چمچ گھی شامل کر کے دم پر رکھیں بادشاہی بریانی تیار ہے۔

فائزہ بھٹی..... پتوکی

www.naeyufaq.com

alam@naeyufaq.com

موجِ سخن

زینب احمد

ماں کے نام

آج مدرز ڈے ہے
سوچ رہی ہوں
اپنی ماں کو کیا
پیش کروں؟
سرخ رنگ گجرے
یا
اولاد کی چاہت سے
لبریز
ایک ڈش
یا پھر
محبت کی خوشبو
سے مہکا
میٹھا کیک
مگر میرے پاس
تو کچھ نہیں ماں
سوائے اک سچے جذبے
کے جو ہر پل
جینے کی دعا
کرتا ہے
ماں
میرا یہ جذبہ قبول کرنا
جو تمہارے قابل تو نہیں
مگر انمول تحفہ ہے
اسے اپنے
آنچل کے کونے میں سنبھال رکھنا
جب یاد میری آئے
تو اسے کھولنا
تمہیں لگے گا
جیسے برسوں بعد بھی
اس کی خوشبو
ویسی کی ویسی ہے
اس میں ہر رخ رنگ
گجرے بھی ہیں
محبت کی خوشبو سے
بنا کیک
اور چاہت سے لبریز ایک ڈش بھی ہے

انیلا طالب..... گوجرانوالہ

مسکان لے گئے

آنسو دے کر مسکان لے گئے
زندہ رہنے کا وہ سامان لے گئے
دل تڑپتا ہے ان کی خود غرضی پر
جو امیدیں میری تمام لے گئے
غیروں سے کیا گلہ کروں لوگو
اپنے ہی میرا مان لے گئے
بچھڑ کر مجھ سے میرے ہمنوا
جاتے جاتے میری جان لے گئے

زیبہ حجاب جاوید..... نامعلوم

میرے پاس چلے آنا

اگر غم تم کو تنگ کریں
تو تم ایسا کرنا
میرے پاس چلے آنا
ہم سودا کرلیں گے
تم خوشیاں میری رکھ لینا
میں غم تمہارے رکھ لوں گی

انعم..... برنالی

چلنے بھی روٹھا روٹھا تھا
کچھ رات کی آنکھیں گیلی تھیں

اور چاند بھی روٹھا روٹھا تھا
کچھ یادیں اس کی باقی تھیں
اور دل بھی ٹوٹا ٹوٹا تھا
کس موڑ پہ بچھڑے یاد نہیں، ہونٹوں پہ کوئی فریاد نہیں
اس وعدے کی بھی خبر نہیں، وہ سچا تھا یا جھوٹا تھا
سب لمحے آہیں بھرتے ہیں
نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
بس اک دعا یہ کرتے ہیں
تم لوٹ کے واپس آجاؤ ہم تم سے محبت کرتے ہیں
پرنسز اقو.....تلہ گنگ

محبت روگ ہوتی ہے

محبت روگ ہوتی ہے کہا بھی تھا
رلا کر خود بھی روتی ہے کہا بھی تھا
کنارے کے قریب لے جا کر
یہ کشتی کو ڈبوتی ہے کہا بھی تھا
اسے تم دل کی دھرتی کا پتا مت دو
یہ اس میں درد بوتی ہے کہا بھی تھا
محبت میں خوشی کے بعد غم کی رت
بہت نزدیک ہوتی ہے کہا بھی تھا
لٹا کر دل کو رونے سے بھی کیا حاصل
بہت نایاب موتی ہے کہا بھی تھا
ازل سے اس کی فطرت ہے زمانے کو
جگا کر خود سوتی ہے کہا بھی تھا
یہ سر سے پاؤں تک بس راکھ کردے گی
بہت بے حد ہوتی ہے کہا بھی تھا
محبت روگ ہوتی ہے کہا بھی تھا
زینب نور.....سی ایس ایس

تنہائی

رات کی تنہائی
اور خاموش سا آنگن
تنہا سا میں
اور کچھ یادیں اس کی
کچھ میٹھے غم
تنہا سا میں
تقدیر نے کھیلا ایسا کھیل
کہ اب رہ گیا
درد دل میں
دل پہلو میں
اور تنہا سا میں
شازیہ پرویز شانو.....ایبٹ آباد

اک جنبش نگاہ

دیکھا جو مسکرا کے مقدر بدل گئے
اک جنبش نگاہ سے منظر بدل گئے
آئے وہ روبرو تو شکایت نہ کرسکے
مسکان ان کی دیکھ کے تیور بدل گئے
افسوس کہ نہ دی ہمیں احباب نے خبر
ایسے وہ بدگمان ہوئے کہ گھر بدل گئے
جو اختلاف میرے ترے درمیاں ہوا
جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر بدل گئے
کیوں شوخیاں لبھاتی نہیں اب ہمارا دل
کیوں رنگ اپنا سارے گل تر بدل گئے
کاٹا شجر تو ہوگئیں تنہائیاں محیط
رستہ پرندے بھول گئے، گھر بدل گئے
سیتا ہوں نیرؔ زخموں کو اب تار اشک سے
کیا کیجیے کہ مزاج رفوگر بدل گئے
نیرؔ رضوی.....لیاقت آباد، کراچی

قیصر آرا آنی کے نام

جو لوگ
دل میں
اتر جاتے ہیں
وہ
اتنے دور
کیوں چلے جاتے ہیں
اندھیرے میں یہ لوگ

ستاروں جیسے
جانے کیوں تنہا
چھوڑ کر چلے جاتے ہیں
کتنی بے فیض رہ جاتی ہے
دل کی بستی
جانے والے کتنے چپ چاپ
چلے جاتے ہیں

سعدیہ حورعین حوری.....سخوں، کے پی کے

سوالی

میں نے کانچ کی چوڑیاں پہن لی ہیں
ہاتھوں میں مہندی بھی رچالی ہے
کانوں میں موتیے کی بالی
رخسار پر لالی
ہونٹوں پر سرخی بھی لگالی ہے
بالوں کی سادی چٹیا بنا کر
گجرے کی لڑیوں سے سجالی ہے
تمہاری پسند کا جوڑا پہن کر
کاسی چنری سر پر ڈالی ہے
اور میری سالگرہ پر
وائٹ گولڈ کی وہ چین جو تم نے گفٹ کی تھی
میں نے گلے میں ڈالی ہے
پیروں میں وہ کندن والی پائل کی جھنکار بھی نرالی ہے
مگر میرے ساجن
میرے سانول
میرا سارا سنگھار
آنکھ کا کاجل
اب بھی ادھورا ہے
بھکاری ہے
تیری اک نظر کا سوالی ہے

ارم کمال.....فیصل آباد

تم لوٹ آؤ ناں

محبت کرتو لی ہم نے
محبت پا نہیں سکتے
بہت کہنے کی خواہش ہے
مگر کہتا نہیں سکتے
سنو.....تم لوٹ آؤ ناں
تیری باتیں، تیری یادیں
ہمارا دل دکھاتی ہیں
بہت تکلیف ہوتی ہے
تجھے سنا نہیں سکتے

رضوانہ وقاص.....حافظ آباد

بچپن

(میرے دل سے نکلے لفظ)

منہ اندھیرا، بغل میں پارہ، گھر خدا کا
پہلی کرن سا اجلا اپنا بچپن تھا
کچی مٹی، ہلکی بارش، سوندھی خوشبو
کیسا مہکا مہکا اپنا بچپن تھا
اگتا سورج، چہکتی چڑیاں، لپکتے کوے
گڑ شکر سے میٹھا اپنا بچپن تھا
چھوٹی چوکی، چنگیر میں روٹی، میٹھی لسی
ماں کے گرد وہ گھیرا اپنا بچپن تھا
منھی میں جگنو، چٹکی میں تتلی، ننھے سپنے
چرخہ کاتتی بڑھیا اپنا بچپن تھا
کوکلا چھپاکی، کتکلی کلیر دی، یسو پنجو
پرانے بوہڑ کی اوک میں چھپنا بچپن تھا
میرے بچے کیسا بچپن جھیل رہے ہیں؟
میرا بچپن کیا ہی اچھا بچپن تھا

سارہ عرفان.....مقام نامعلوم

داج

ایک باپ کی بیٹی
کس قدر نرالی ہے
خوب داج لائی ہے
خود بھی ساتھ آئی ہے
کیسے تم نے کہہ دیا

خالی ہاتھ آئی ہو
کچھ نہ ساتھ لائی ہو

یہ میرا مکان ہے
خوب عالیشان ہے
تم جو ساتھ لائی ہو
وہ پاؤ بھر سامان ہے
سن کے مسکرائی وہ
آنسوؤں کی شدت کو
آنکھ تک نہ لائی وہ
رب نے پھر دی اسے
قوتِ گویائی جو
پھر نہ ڈگمگائی وہ
مسکرا کے کہہ اٹھی
جو تیرا مکان ہے
پتھر ہے، بے جان ہے
گھر اسے بنا دیا
یہ میرا احسان ہے
بیٹی ہوں کسان کی
یہ میری پہچان ہے
ساتھ جو میں لائی ہوں
باپ کی وہ عزت ہے
تم نے کہاں سمجھا ہے
تم نہ سمجھ پاؤ گے
عمر بھر کی پونجی
میرے باپ نے لٹائی ہے
تب ہی یہ ہاری کی بیٹی
تیرے گھر آئی ہے

صبغہ احمد..... مقام نامعلوم

چاند گرہن

چاند گرہن
کیا حسین رات تھی
چاند زمین پر اتر آیا
ہوا ہولے ہولے گھونگھٹ کو ہلکورے دے رہی تھی
دلہن کے ارمان سیج پر پھول بن کر بکھرے تھے
لاج سے پلکیں جھکی جا رہی تھیں
خوابوں کے پپوٹے بوجھل تھے
کسی کے انتظار میں یہ محفل سجی تھی
آخر وہ گھڑی چلی آئی
دروازہ دھڑ سے بند ہوا
الفاظوں کی تیز و تند آندھی مسہری کے پھول نوچنے لگی تھی
میرا تن کسی اور کی امانت ہے
کہہ کر اس نے
کسی کے دل پر قدم رکھ دیا

فرخندہ جاوید..... ملتان

منتظر

ابھی منتظر ہوں میں کچھ محبت بھری
سرگوشیوں کی دل فریب ساعتوں کی
ابھی منتظر ہوں میں کچھ خوشگوار
لمحوں میں بہتی حسین راحتوں کی
ابھی منتظر ہوں میں دل سے ملی
کچھ محبت بھری دل نشین چاہتوں کی
ابھی منتظر ہوں میں گل دل دھڑکا
دینے والی کسی کی آہٹوں کی

گلشن چوہدری گل..... گجرات

www.naeyufaq.com

shukhi@naeyufaq.com

ہماذ والفقار

حمد باری تعالیٰ

تو ہی ہے مالک بحر و بر یا اللہ
تو ہی خالق جن و بشر یا اللہ
تو ہی ابدی ہے تو ہی ازلی ہے تیرا نام علیم وعلی ہے
ذات تیری سب سے برتر ہے یا اللہ یا اللہ
وصف بیان کرتے ہیں سارے سنگ و شجر چاند ستارے
تسبیح ہر خشک و تر ہے یا اللہ یا اللہ
تیرا چرچا گلی گلی ہے، ڈالی ڈالی کلی کلی ہے
واصف ہر پھول و ثمر ہے یا اللہ یا اللہ
رات نے جب سراپا چھپایا چڑیاؤں نے ذکر سنایا
نغمہ بار نسیم سحر ہے یا اللہ یا اللہ
بخش دے عطار کو مولیٰ واسطہ تجھ کو اس پیار کا
جو سب نبیوں کا سرور ہے یا اللہ یا اللہ

الیاس قادری
فرخندہ جاوید.....ملتان

نعت رسول مقبول ﷺ

وہ سرکار عالی وقار آرہا ہے
شہنشاہ ذی اقتدار آرہا ہے
جو باعث ہے تخلیق ارض وسما کا
وہ محبوب پروردگار آرہا ہے
ہے جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت
وہ آقا با اختیار آرہا ہے
لباس بشر میں وہ نور مجسم
بصد شان عزو وقار آرہا ہے
زمین و فلک جس کے زیرے نگیں ہیں
خدائی کا وہ تاجدار آرہا ہے
چمکنے لگے ہیں یتیموں کے چہرے
یتیمی کا اک غم گسار آرہا ہے
صلات و سلام اس کی خدمت میں برہان
جو محبوب پروردگار آرہا ہے

برہان الحق جبل.....مقام نامعلوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عید

عید کے دن چند حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان عالیشان پر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ دروازہ بند کر کے زار و قطار رو رہے تھے لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین آج تو عید کا دن ہے جو کہ خوشی کا دن ہے۔ خوشی کی جگہ رونا کیسا؟ آپ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ یہ عید کا دن بھی ہے اور وعید کا دن بھی، آج جس کے نماز روزہ مقبول ہو گئے اس کے لیے عید کا دن ہے مگر جس کے نماز و روزوں کو رد کر کے اس کے منہ پر مار دیا گیا اس کے لیے آج وعید کا دن ہے تو میں اس خوف سے رو رہا ہوں کہ آہ مجھے معلوم نہیں کہ میں مقبول ہوا ہوں یا مجھے رد کر دیا گیا ہے۔"

عید کے دن عمر یہ رو رو کے بولے
کہ نیکوں کاروں کی عید ہوتی ہے

ہالہ سلیم.....کراچی

الف اللہ

اللہ کا نام اعلیٰ طریقہ پر لیا جائے یا ادنیٰ طور پر لیا جائے اپنا اثر ضرور رکھتا ہے دنیا میں بعض اشیا ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا نام لینے سے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا نام لیا جائے اور اس سے اثر نہ ہو خالی نام میں بھی برکت ہے خواہ پوری توجہ سے لیا جائے یا کم توجہ سے۔

اقرا کیاقت.....حافظ آباد

اقوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❁ ایمان اس کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکم شرع پر عمل کرے۔

❁ خشوع و خضوع کا تعلق دل سے ہے نا کہ ظاہری حرکات سے۔

❁ بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے کیونکہ وہ اگر بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے برائی سرزد ہو جاتی ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع فرماتا ہے۔

❁ جب ایک عالم کو لغزش ہو جاتی ہے تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔

❁ طالب دنیا کو علم پڑھانا، ان کے ہاتھ میں تلوار فروخت کرنا ہے۔

❁ کسی کے خلق پر اس وقت تک اعتبار نہ کرنا جب تک اس کو غصہ میں نا دیکھ لو۔

❁ جو عیبوں سے آگاہ کرے وہ دوست ہے منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔

❁ ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔

❁ جب حلال و حرام جمع ہو جائے تو حرام غالب ہو جاتا ہے چاہے وہ تھوڑا سا ہی ہو۔

❁ اگر میں ایسی حالت میں مر جاؤں کہ اپنی محنت اور کوشش سے روزی کی تلاش کرتا ہوں تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اللہ کی راہ میں غازی ہو کر مروں۔

❁ دوزخ سے بچو اگر چہ آدھے چھوہارے کی بدولت ہو اگر یہ بھی نا ہو تو میٹھی بات ہی سہی۔

سمیرا تعبیر.....سرگودھا

اقوال زریں

☆ہر لفظ میں مطلب ہوتا ہے اور ہر مطلب میں فرق ہوتا ہے۔

☆ زندگی میں دو چیزیں ٹوٹنے کے لیے ہوتی ہیں سانس اور ساتھ۔ سانس ٹوٹنے سے انسان ایک بار مرتا ہے اور ساتھ ٹوٹنے سے بار بار مرتا ہے۔

☆ وقت اور پیار دونوں زندگی میں اہم ہوتے ہیں وقت ہر کسی کے لیے نہیں ہوتا اور پیار ہر کسی سے نہیں ہوتا۔

☆ نیند اور موت نیند آدھی موت ہے اور موت مکمل نیند۔

☆ وقت اور سمجھ ایک ساتھ خوش نصیب لوگوں کو ملتے ہیں۔ وقت پر سمجھ نہیں آتی اور سمجھ آنے پر وقت نہیں رہتا۔

ثناء ریاض.....منڈی بہاؤالدین

خوب صورت زندگی

☆ فجر کی نماز کو اپنا نصیب بنالو۔

☆ ظہر کی نماز کو اپنا مقدر بنالو۔

☆ عصر کی نماز کو اپنی تقدیر بنالو۔

☆ مغرب کی نماز کو اپنا مستقبل بنالو۔

☆ عشا کی نماز کو اپنی امید بنالو۔

☆ پھر دیکھو زندگی کتنی خوب صورت لگتی ہے۔

نجم انجم اعوان.....کورنگی، کراچی

برائی اچھائی

برائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا ایک اٹھاؤ تو باقی اٹھتے چلے جاتے ہیں اور اچھائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا ہر قدم پچھلے قدم سے زیادہ مشکل مگر ہر قدم پر بلندی ملتی ہے۔

نورین لطیف.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

دوست

دوست ایک ایسا درخت ہے جو صرف دل کی زمین پر اگتا ہے۔ اس کا پانی "سچائی" ہے اور اس کا بہترین ساتھی صبر ہے۔ اس کا سایہ "اعتماد" ہے۔ اس کے پتے "امید" ہیں۔ اس کی ٹہنی "چاہت" ہے۔ اس کا تنا "اتفاق" ہے اور اس کا پھل "وفا" ہے۔

غزل عبدالخالق.....فیصل آباد

قیمتی موتی

انسان بھی کتنا نادان ہے زندہ رہنے کے لیے کتنے جتن کرتا ہے کتنوں کو فریب دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ ایک ہی لمحہ میں اس کو یہ ہنستی مسکراتی اور جگمگاتی دنیا کو چھوڑ دینا ہے۔ صرف ایک ہی سانس کا فاصلہ ہے اس دنیا اور اس دنیا میں، انسان دنیا میں اکیلا آتا ہے اور اکیلا ہی مرتا ہے تو پھر زندگی اور موت کے درمیانی عرصہ کے لیے اس سہارے کا فریب کس لیے دیا جاتا ہے وہ اکیلا ہی کیوں نہیں جی لیتا۔

عابد محمود.....ملکہ ہانس

جھوٹے انسان کی نشانیاں

❁ جھوٹ بولنے والا نظر نہیں ملاتا۔

❁ پلکیں زیادہ جھپکاتا ہے۔

❁ اس کی آنکھوں کی پتلیاں ذرا پھیلی ہوتی ہیں۔

❁ وہ اچانک بات شروع کرتا ہے اور جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سوالات سے کتراتا ہے۔

❁ آپ کی توجہ ہٹانے کے لیے وہ آپ کے سوال کے جواب میں بھی ایک سوال کر دے گا۔

❁ اس کی آواز خوامخواہ تیز ہو جائے گی۔

❁ بات کرتے وقت ہاتھ ملے گا انگلیاں چٹخائے گا۔

❁ چہرے پر ہاتھ پھیرے گا یا کسی چیز کو کھجلائے گا۔

مشی خان.....مانسہرہ

فلسفہ محبت

❁ عورت کی مٹی محبت سے گندھی ہے اور مرد اس مٹی کے زرخیز پن سے ناآشنا ہے۔

❁ عورت محبت نہ ملنے پر اکتفا کر لیتی ہے مگر مرد ایک عورت پر کبھی بھی اکتفا نہیں کرتا۔

❁ عورت بانٹی ہوئی محبت کبھی نہیں لیتی۔

❁ مگر مرد کی رضا اسے تقسیم کرنے میں ہے۔

❁ محبتوں کے کاروبار میں خسارے ہمیشہ عورتوں کے کھاتے میں آتے ہیں۔

❁ عورت مجسم وفا، خلوص پیار اور چاہت ہے۔

❁ عورت قربانی کا دوسرا نام ہے۔

❁ عورت قربانی دینا جانتی ہے قربانی لینا نہیں۔

فیاض اسحاق مہیانہ..... میلانوالی

سمجھنے کی باتیں

❁ زندگی انسان سے وفا نہیں کرتی لیکن انسان اس پر وفا کی آخری حد تک یقین رکھتا ہے۔

❁ پھول جب کھلتا ہے تو آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا ہے جب خوش بو دیتا ہے تو روح کو معطر کرتا ہے لیکن جب اپنے ساتھ لگے کانٹے چبھوتا ہے تو دل کے ٹکڑے کرتا ہے۔

❁ دعا انسان کی خواہشات کی تکمیل کا سب سے بڑا ہتھیار ہے بشرطیکہ اس میں خلوص نیت ہو۔

❁ پرخلوص دوستی دنیا کے تمام رشتوں سے بلند و بالا تر ہے۔

❁ محبت ایک پاکیزہ رشتہ ہے جو انسان کو اللہ کی بندگی سکھا دیتا ہے۔

مہوش فاطمہ بٹ..... دینہ، جہلم

پیاری بات

زندگی کے شب و فراز میں بعض اوقات ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ انسان بالکل ناامید ہو جاتا ہے اور اسے اپنے اطراف میں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے اس میں مقابلے کی سکت ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات انسان کی عظمت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے دنیا میں جتنی قوموں نے بھی ترقی کی ہے وہ سب اسی عظمت و ہمت کا نتیجہ ہے جو اللہ نے انسان کو عطا کی ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ کبھی حوصلہ نہ ہارے بلکہ ہمت سے کام لے اور مردانہ وار نا کامیوں کا سامنا کرے ساتھ ہی اللہ سے پناہ رحمت اور اس کی بخشش پر یقین رکھے ان شاء اللہ ایسا انسان کبھی ناکام نہیں ہوگا۔

ام کلثوم..... بہاولنگر

خوبی

خوبی وہ چیز ہوتی ہے جس پر انسان اعتماد کرتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ خوبی اس کی اصلی اچھائیوں کو کھانے لگتی ہے، اسی خوبی کی وجہ سے اس میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسی خوبی کے باعث وہ انسانیت سے گرنے لگتا ہے فرد، قومیں سب اپنی خوبیوں کی وجہ سے تباہ ہوتی ہیں۔

مونا شاہ قریشی..... کبیر والا

اچھی باتیں

❁ صرف انسانوں سے حوصلہ افزائی کی امید رکھو گے تو ضرور مایوس ہو جاؤ گے جب کہ جو محنت اپنے رب سے اجر پانے کے لیے کرتے ہیں وہ مایوس نہیں ہوتے۔

❁ انسان کی دو ہی کمزوریاں ہیں بنا سوچے عمل کر دینا اور سوچتے رہنا عمل نہ کرنا۔

❁ مطلب پرست انسان اپنا مقصد حاصل کرنے کے باوجود بھی تنہا اور بے سکون رہتا ہے۔

❁ کچھ باتوں کا جواب صرف خاموشی ہوتی ہے اور خاموشی بہت ہی خوب صورت جواب ہے۔

❁ عاجزی یہ ہے کہ انسان دوسروں کے اندر ایک برائی دیکھے تو اسے اپنی دس برائی یاد آ جائیں۔

❁ انسان کا سب سے بڑا سجدہ وہ خود ہوتا ہے۔

کشف فاطمہ..... سرگودھا

حجاب

حجاب عورت کا پردے میں چھپ جانا اور سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کی ایڑی تک اپنے آپ کو ڈھانپ لینا ہی نہیں نہ حجاب یہ ہے کہ عورت کو گھر کے کسی کونے میں بند کر دیا جائے جہاں سے نکلنے کی اسے اجازت ہی نہ ہو بلکہ حجاب دراصل یہ ہے کہ عورت باعزت طریقے سے خود کو ڈھانپے۔ باوقار اور سنجیدہ لباس پہنے اور اپنی عزت خود کرائے اپنی زینت اور زیب و آرائش کو غیر محرموں سے چھپائے۔

ارم وڑائچ..... شاد یوال، گجرات

حضرت علیؓ نے فرمایا

❁ اس دنیا میں انسان ہر چیز کے پیچھے بھاگتا ہے مگر دو چیزیں خود انسان کا پیچھا کریں گی ایک اس کا رزق اور دوسرا اس کی موت۔

❁ انسان گناہ کرنے سے جہنم میں نہیں جاتا بلکہ گناہ

کرنے کے بعد مطمئن رہنے اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے۔

فائقہ سکندر حیات..... لنگڑیال

پیار کیا ہے؟

♥ پیار وہ ہے جب میری ماں پیشانی پر بوسہ دیتی ہے۔

♥ جب میں دیر سے گھر آتا ہوں تو بابا میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

♥ جب میری بہن کام کرتے ہوئے کہتی ہے کہ جب میری شادی ہو جائے گی تو کون کرے گا تمہارے یہ کام۔

♥ جب میرا بڑا بھائی کہتا ہے تجھے یہ شرٹ پسند ہے چل رکھ لے میں اور خرید لوں گا۔

♥ جب میرا دوست کہتا ہے ٹینشن نہ لے یار میں ہوں ناں تیرے ساتھ۔

صدیقہ خان..... آزاد کشمیر

کچھ باتیں یاد رکھنے کی

خاموشی: ایسا درخت ہے جس پر کڑوا پھل نہیں لگتا۔

حسد: ایسی دیمک ہے جو انسان کو اندر اور باہر سے ختم کرتی ہے۔

سچائی: ایسی دوا ہے جس کی لذت کڑوی مگر تاثیر شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔

ذہانت: ایسا نادر پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں لگتا۔

خوش اخلاقی: ایسی خوش بو ہے جو میلوں دور سے محسوس ہو جاتی ہے۔

گناہ: ایسی لعنت ہے جو قلب کو سیاہ کر دیتی ہے۔

ضمیر: ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ حق کی راہ دیکھتا ہے۔

دعا: ایسا عمل ہے جو تقدیر کو مات دے سکتا ہے۔

توبہ: ایسا دروازہ ہے جو موت کی ہچکی تک کھلا رہے گا۔

شگفتہ خان..... بھلوال

عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود عریاں ہوں گی پہلے زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا کہ لباس پہننے کے باوجود کس طرح ننگی ہوں گی لیکن ہائے افسوس کہ آج یہ آنکھوں سے نظر آ رہا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود عورتیں کس طرح ننگی ہیں۔ اس لیے کہ وہ لباس اتنا باریک ہے کہ جسم اس میں سے صاف نظر آ رہا ہے یا وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ پورے اعضا چھپتے نہیں یا اس قدر چست لباس ہے کہ سارے اعضا نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر اونٹوں کے کوہان جیسے بال ہوں گے (فیشن کی وجہ سے) ان پر لعنت کرو کیونکہ وہ ملعون ہیں۔

ثوبیہ کومل..... چکوال

باتوں سے خوش بو آئے

❖ اگر ہم اپنی مسکراہٹ کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے تو ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے آنسوؤں کا قصوروار اپنے رب کو ٹھہرائیں۔

❖ لوگوں سے یا دنہ کرنے کا شکوہ مت کرو کیونکہ جو انسان اپنے رب کو بھول سکتا ہے وہ سب کو بھول سکتا ہے۔

❖ اگر کسی پر بھروسہ کرو تو آخر تک بھروسہ کرو۔ نتیجہ چاہے جو بھی نکلے آخر میں یا تو تمہیں ایک اچھا دوست ملے گا یا پھر ایک اچھا سبق۔

❖ انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا نہ ہی موت اس کو اپنی مرضی سے آتی ہے تو پھر زندگی اور موت کے درمیان کا وقفہ اپنی مرضی سے کیوں گزارنا چاہتا ہے۔

آسیہ اشرف..... گنگا پور

نصیحت

□ زمین اور اہل زمین کے درمیان بکھری اچھی باتوں اور عادتوں کو یوں چنو جیسے پرندے زندگی کے لیے رزق چنتے ہیں۔

□ فرائض کو اچھی طرح ادا کیا کرو یہ بیس مرتبہ جہاد سے افضل ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ان تمام امور کے برابر ہے۔

□ ہر عروج کو زوال ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے زوال میں بھی کمال رکھے۔

□ علم وہ نہیں جو آپ نے سیکھا ہے، علم وہ ہے جو آپ کے عمل و کردار سے نظر آئے۔

شبینہ مغل..... حیدر آباد، سندھ

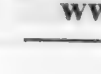

www.naeyufaq.com

السلام علیکم ورحمتہ اللہ باابرکت نام سے شروع جو کرنے والا ہے۔ ایک بار مشکل کا شکار ہے، کئی لگ چکا ہے۔ احتیاط ہی خدارا اس کو مذاق میں نہ لیں ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

husan@naeyufaq.com

حسن خیال

جوہی احمد

وبرکاتہ، اللہ عزوجل کے بڑا مہربان و نہایت رحم پھر کورنا کی وجہ سے ملک شہروں میں لاک ڈاؤن بھی اس بیماری کا علاج ہے۔ اور احتیاط کریں۔ بڑھتے

ثمرہ گلزار..... کوٹلی، گجرات۔السلام علیکم پاکستان اینڈ حجاب فرینڈز کیا حال ہیں آپ سب کے ٹھیک ٹھاک مزے سے ہیں گرمیوں کو کرونا کی احتیاط کے ساتھ انجوائے کررہے ہوں گے۔ جوہی جی اکثر ہماری بہنیں شکوہ کرتی ہیں کہ حسن خیال کی محفل میں کم سے کم تبہیں شرکت کرتی ہیں تو سوچا کیوں نا آپ کی محفل میں شرکت کرکے ہم آپ کی محفل کو چار چاند لگادیں ہاہاہا، ویسے جوہی جی مجھے ابھی ڈائجسٹ نہیں ملا خیر ابھی تو مارچ کا نہیں ملا تو اپریل کا کیا ملنا ہے، سوچا آج حجاب کی تعریف ہی ہوجائے حجاب کو میں چھ سال سے پڑھ رہی ہوں بہت عمدہ ڈائجسٹ ہے جس کی تعریف لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، حجاب میں آنے والی ہر تحریر بہت اچھی ہوتی ہے ہر تحریر سے ہمیں کچھ نا کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ بزم سخن، موج سخن، حسن خیال، آنگن کی چڑیا، شوخی تحریر سب ہی بہت عمدہ سلسلے ہیں۔ حجاب میں چھپنے والے سلسلے وار ناول بھی ہمیں دنیا کی باتوں سے آگاہ کرتے ہیں تمام رائٹرز حجاب میں بہت اچھا لکھتی ہیں گلشن چوہدری، نجمہ نذیر، جویریہ وسی (سوئٹ آپی)، حرا گل، ایمن غفور آپ سب بھی بہت اچھا لکھتی ہیں جوہی جی اگر آپ کو مجھ سے محبت ہے تو مجھے جگہ دے دینا نہ ہوئی تو نہ دینا۔ ان شاءاللہ اگلے ماہ ڈائجسٹ ملا تو بھرپور تبصرہ کروں گی سب کو پیار اسا سلام، اللہ حافظ۔

شانزہ پرویز شانو..... ایبٹ آباد۔ آنچل وحجاب میں لکھنے والوں اور تمام پڑھنے والوں کو میرا سلام۔ خصوصی طور پر میری پیاری سی جوہی کو میرا بہت سارا سلام اور پیار کیسی ہیں آپ؟ ارے جوہی بڑی بے وفا ہو، میں اتنا عرصہ محفل سے غائب رہی پر آپ نے یاد ہی نہ کیا۔ دیکھو میں خود ہی واپس آگئی ہاہاہاہا۔ تو جی سب کو میری طرف سے رحمتوں کا مہینہ رمضان مبارک اور ایڈوانس میں عید مبارک ہو، ماہ اپریل کا شمارہ گیارہ تاریخ کو ملا۔ سرورق پر ماڈل ہادیہ ایک آنکھ نہیں بھائی معذرت کے ساتھ ان ماڈلوں سے ہمارے پیارے آنچل وحجاب کی ساری رونق ماند پڑجاتی ہے۔ سب سے پہلے ''حمد ونعت'' پڑھی سبحان اللہ دونوں حمد ونعت تہذیب کی تھی ماشاءاللہ پھر اپنی پیاری آنی سے گپ شپ کے لیے آئے کنول نصیر اور حسینہ معین جی کی وفات کا بہت دکھ ہوا اللہ پاک ان ہستیوں کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ پیاری آنی کرونا کے لیے احتیاط کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں۔ پریشانیاں اور مشکلات ہیں کہ حد سے بڑھ رہی ہیں۔

باہر وبا کا خوف ہے گھر میں بلا کی بھوک
کس موت سے مروں میں ذرا رائے تو دیجیے

دعا کے علاوہ کر بھی کیا کرسکتے ہیں انٹرویو اور سروے کی تبدیلی بہت اچھی لگی۔ عمران قاضی صاحب سے مل کر اچھا لگا۔ یوں تو میں بھی ہزارہ سے ہوں مگر ریڈیو وغیرہ میں سنتی نہیں ہوں تو اس لیے اس شخصیت سے بھی ناواقف ہوں، سروے میں ساری باتیں میرے دل کی تھیں۔ قسط وار ناول میں سب سے پہلے ''مرگ تمنا'' پڑھی۔ پہلے پہل سمجھ ہی

نہیں آتی تھی لیکن اب بہت مزہ آرہا ہے یہ ناول پڑھنے کا لامیہ اور اذلان کو ایک ہو جانا چاہیے اب تو طیبہ شاہ کے خیالات بھی بدل چکے ہیں۔ عزت اور مجتبیٰ کو بھی ایک ہونا پڑے گا۔ میری رائے کے مطابق دادا جی مجتبیٰ کے ساتھ کون سا کھیل کھیلنے جا رہے ہیں۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ سعدیہ علی حمصہ نازنین کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ ''عشق نگر کے مسافر'' ارسل اور ماریانہ کی شادی امیزنگ شبنم اللہ تمہیں بھی کامیاب نہ کرے حماد اور فاریہ میری ساری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں اور یاور بخت سے تو آتی ہی گھن ہے۔ پیڈرونی سنگت بہت مبارک ہو، مکمل ناول میں ''محبت ماہ تمام'' میں امل اور ارمان کے جانے کا بہت دکھ ہے۔ حیرت انگیز انکشاف کہ ریان سلیمہ بیگم کا بیٹا نہیں ہے۔ سوما کی ای میل پر مجھے بہت پیار آتا ہے صائمہ جی بہت اچھا جا رہا ہے یہ ناول۔ نیا اضافہ نزہت جبیں ضیاء کا ''محبت پھولوں سی'' گل بینا کی داستان سن کر رونا آ گیا۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے ملکوں کا اس سے بھی بدتر حال ہونا چاہیے تھا۔ ''میرا مسیحا'' از بینش مجید انابیہ اور دارین کی جوڑی بہت پسند آئی، صد شکر کہ شاہانہ بیگم کو بھی بروقت عقل آ گئی اور دارین کی عقل مندی کی وجہ سے وہ بہت بڑے نقصان سے بچ گئیں۔ دارین کی محبت اور خلوص پر بہت ہی رشک آیا۔ ''دشوار راستوں کی منزل'' نظیر فاطمہ بہت سی داد آپ کے لیے، بہت زبردست ناول تھا، احتشام کی بے وفائی پر بہت غصہ آیا اور خولہ کی ہمت اور حوصلے کو سات سلام، کاش احتشام خولہ کو کبھی نہ چھوڑتا، کبھی خولہ بھی تو مکمل تھی۔ میاں بیوی کا ساتھ ایک دوسرے کو مکمل کر دیتا ہے بھلے کتنی ہی خامیاں کیوں نہ ہوں، آخری جملہ بہت پسند آیا کہ ''اسے اب اسی چبھن کے ساتھ زندگی گزارنا تھی'' افسانوں میں ''گوہر نایاب'' بازی لے گیا۔ بہت مشکل ہوتا ہے شدید محبت کو سلانا۔ کیسے منہ بھر کے کہہ دیا معارج نے کہ کیا آپ میری بھابی..... اففف اف اف معارج کیا تھا جو اپنا نام محبت کے لیے لے لیتا۔ ''درجہ ایمان'' ایک اصلاحی پہلو اٹھایا صائمہ شیر علی نے۔ ''من کے سچے'' اچھا تھا یہ افسانہ بس گزارے قابل لگا۔ ''بیٹیاں'' جو گھر اللہ کو پسند آئے بیٹیاں صرف وہیں آتی ہیں۔ ''خوب صورت، بدصورت'' کبھی بھی خوب صورتی کو معیار نہیں بنانا چاہیے۔ صورت سے زیادہ سیرت کو اپنانا چاہیے۔ مستقل سلسلوں میں ''بزم سخن'' میں ڈاکٹر جاذبہ عباسی، مدیحہ نورین، پروین افضل، عائشہ شکیل، کوثر خالد، ثناء فرحان (بیسٹ)، تبسم بشیر، ارم آصف کے انتخاب بہترین تھے۔ ثانیہ عمر چودھری کا شعر سب میں بازی لے گیا۔ ''کچن کارنر'' میں ساری ڈشز بہت مزیدار تھیں۔ بھئی میری تو کھانے کی ہمت نہیں تھی کسی کو بنا کر میں کیا خاک کھلاؤں گی ہاہاہاہا۔ ''موج سخن'' میں سب نے خوب لکھا۔ سید عبادت راج اول رہے۔ ''شوخی تحریر'' میں سب نے ایک سے بڑھ کر ایک لکھا۔ ''حسن خیال'' میں جو جھانکا تو اتنے زور سے چکرائے کہ دھڑام سے گر پڑے، حسن خیال میں آنکھیں مسل کے زور سے دیکھا۔ غضب خدا کا صرف چار تبصرے، یہ باقی سب کدھر ہیں۔ سب سے پہلے تو ثناء فرحان اور مدیحہ نورین جن سے حجاب کی رونق تھی کچھ پتا نہیں آپ دونوں کا دس از نائٹ فیئر۔ تبسم بشیر اور نور چودھری بھئی ایک دفعہ آپ لوگ لوٹ آؤ خیر و عافیت سے پھر دیکھنا میں تم دونوں کا کیا حال کرتی ہوں۔ ارم آصف اور رمشا آصف غائب ہونا اچھی بات نہیں کم بیک اور یہ ہمارے پیارے بھائیوں کو کس نے ناراض کر دیا تبصرہ تفصیلی نہ ہو تو پڑھنے کا مزہ ہی نہیں آتا ظہیر بھائی اور اللہ رکھا بھائی آپ دونوں نے تبصرہ کیوں نہیں کیا۔ آپ کے تبصرے کے بغیر محفل ادھوری ہے۔ مجھے آپ دونوں کے تفصیلی تبصرے کا بہت انتظار رہتا ہے۔ غزل اداس موسٹ ویلکم ان حجاب۔ تو جی جو بھی کیسا لگا تبصرہ بھئی اتنا مت شرماؤ میں ہی ہوں شانو آپ کی پیاری شانزے شانو آہم آہم۔ اب ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی، اللہ حافظ۔

فرخندہ جاوید..... ملتان۔ حجاب پڑھنے والی تمام بہنوں، بیٹیوں کو سلام۔ میرا خط لگا دیا جو بی تم نے اپریل کے حجاب میں مشکور ہوں مگر حجاب میں بہت کم خط آتے ہیں۔ ارے بات صرف ڈاک کے مسئلے کی نہیں کہ

آنچل میں تو زیادہ خط لگتے ہیں تو کیا آنچل میں ڈاک کا مسئلہ نہیں۔ حجاب میں کم خط آنے کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہنیں آنچل کی نسبت حجاب میں کم دلچسپی رکھتی ہیں۔ اب ایسا کیوں ہے یہ جاننا ادارے کا کام ہے اور پچھلے خط میں، میں نے تفصیل سے اس پر گفتگو کی تھی اور کافی تجاویز بھی دی تھیں۔ ارے بہنوں کی رائے معلوم ہو جاتی اور تم لوگوں کو شمارہ ترتیب دینے میں بھی آسانی ہوتی۔ حجاب میں کوئی نیا سلسلہ نہیں بلکہ ایک سے زیادہ سلسلے شروع کریں کہ آنچل میں بھی تو زیادہ سلسلے ہیں۔ اب تم کہو گی کہ صفحات کا مسئلہ ہے تو یہ مسئلہ تو اب شاید سارے سال چلے تو تم لوگوں کو چاہیے کہ کہانیوں کا انتخاب ایسے کیا جائے کہ اور سلسلے کی گنجائش نکلے کہ ضرورت ہے۔ سرورق پسند نہ آیا اگرچہ رمضان کی مناسبت سے تھا مگر پرانا سا لگا سرورق۔ اتنے اچھے اچھے نیٹ پر ہیں مگر پتا نہیں کون لگاتا ہے حجاب پر ایسے برے سرورق۔ میں نے تو حجاب کو اپنا سمجھ کر کافی تجاویز دی ہیں مگر حجاب کی ایسی ہی حالت رہی تو سچ کہوں میں شاید حجاب نہیں پڑھوں۔ عمران قاضی کی ملاقات بالکل بھی پسند نہ آئی۔ آنچل و حجاب نے عہد کر لیا ہے شاید کہ رائٹرز سے ملاقات نہیں کرانی۔ سیما رضا پھر تقریب کا احوال لائیں۔ سیما تم ہی کچھ دلچسپ اور منفرد شروع کر لو حجاب میں کہ تم سے امیدیں ہیں میری بڑی باجی رخشندہ کی ۱۹۹۳ کی شادی کی یادیں لکھی ہیں بہنوں سب پڑھنا کہ پرانی یادیں ہیں اگر بہنوں کو پسند آئی تو اپنی شادی کی پرانی یادیں بھی بیان کرو گی اور رائے لازمی دینا چاہے تعمیری تنقید ہی ہو اور جو ہی میری یہ سطور کاٹ نہ دینا۔ کیا میں حجاب کے لیے آرٹیکل لکھ کر دے سکتی ہوں؟ ندا کا ناول کم صفحات کے ساتھ تھا اس بار جب کہ قسط میں دلچسپی تھی شبنم بڑی کمینی ہے کیسی عجیب حرکتیں کر رہی ہے مگر پھر بھی ہیرو تو فاریہ کا ہوگا۔ ماروا سچ کہوں تو شروع میں قسط میں اذان اور لامیہ کی بے تکلفی پسند نہ آئی۔ ہاں اور سب سہی تھا۔ عزت کے لیے تو حازم ہی ہمیں اچھا لگے ہے اور حویلی کے راز جو ابھی تک ظاہر نہ ہوئے یہ سسپنس ڈالتے ہیں ناول میں۔ ویسے مجھے ماضی کی کہانیاں زیادہ پسند ہیں جن کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے تب ہی تو ندا، ماورا اور صائمہ کی کہانیاں پسند آ رہی ہیں۔ صائمہ قریشی نے بھی انکشاف کیا کہ ایان اپنی پھوپی کی اولاد ہے۔ مجھے بلال اور منتہا کے کردار زیادہ اچھے لگتے ہیں ناول میں۔ منتہا بیٹی بلال سے شادی کر لو وہ تمہیں خوش رکھے گا۔ نزہت جبین کے ناول کا نام بہت پسند آیا۔ گل بینا داستان سن کر دکھ ہوا نزہت نے غریب طبقہ کے حالات کی منظر کشی خوب کی ہے۔ نظیر فاطمہ کا ناول بھی بہت پسند آیا تھا کہ ہیروئن کا کردار بہت طاقت ور تھا۔ دفع ہوں ایسے شوہر آہم آہم۔ ہیروئن نے اپنی معذوری کو اپنی طاقت بنایا اور بہت اچھا سبق دیا اس کہانی نے مکمل ناول میسج بڑا زبردست لکھا۔ اگرچہ موضوع روایتی تھا مگر کردار نگاری قابل تعریف تھی۔ سب سے پسندیدہ افسانہ مجھے مسکان نور کا لگا اور درست بتایا کہ خوب صورتی ہی سب کچھ نہیں۔ شاباش مسکان بیٹی اور اسی کے ساتھ صائمہ علی شیر کو بھی کہ رمضان سے متعلق اچھا پیغام دیا۔ بیٹیاں افسانہ بھی آج کی ضرورت ہے خدیجہ نے خوب لکھا۔ بیٹیاں تو مان ہوتی ہیں والدین کا۔ خدیجہ اب اگلی بار ناول کے ساتھ آنا کہ بہت اچھا لکھا اسی طرح گوہر نایاب اور من کے سچے کی رائٹر نے بھی اچھی کوشش کی اور ان کے لیے بھی یہ پیغام ہے کہ اگلی بار طویل تحریر کے ساتھ آئیں۔ ''بزم سخن'' میں کسی ایک کی ہی تعریف کرنا زیادتی ہوگی کہ سب نے ہی اچھا لکھا۔ نظم میں فریدہ باجی، مدیحہ کنول اور مدیحہ نورین، رضوانہ وقاص ملالہ کی نظم زیادہ پسند آئیں۔ حجاب میں خط بھی لکھا کرو بھئی۔ ''شوخی تحریر'' بہت معیاری تھی۔ خطوط میں غزل بیٹی یہ صرف آپ کی محبت ہے ورنہ میں تو بس یوں ہی اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہوں ڈائجسٹ پر، گلشن اگلی بار طویل تبصرہ کرنا کہ مجھے تو طویل تبصرہ پڑھنا پسند ہے جیسا عائشہ شکیل نے کیا اور آخری خط تو میرا ہی تھا۔ بہنوں حجاب میں بھی آیا کریں، آپ کے آنچل کا حصہ ہے۔ ہاں ادارے کے لیے بہت کام ہیں جو حجاب کے لیے کرنا ضروری ہے تاکہ یہ زیادہ بہتر ہو سکے۔ حجاب کی کہانی کے شروع میں ماڈل کی تصاویر بہت ہی

بکواس، دھندلی ہوتی ہیں کیوں نہیں لگاتے اسلیچز بنا ئیں۔ ماریا نذیر، سمرہ فگار، حرا غفور، ام ہانی، رمشا وارم، فائزہ شاہ، شانزا پرویز، تبسم و ماہا، سحر و مہر، عاصمہ ملک اور پرانی تبصرہ نگار صائمہ مشتاق، دلکش مریم، انعم زہرہ، زارا تعبیر، مونا شاہ قریشی، افشاں سراج، اقرا اُجٹ، عائشہ پرویز، انیلا طالب، گل مینا خان، سمیہ رانی، رقیہ ناز، طیبہ نذیر، کرن شزادی، مہناز یوسف اور دوسری تمام پرانی آنچل و حجاب کی پڑھنے والیوں کو آپ کی فہمیدہ آنی حکم دیتی ہیں جلدی سے سب آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب میں بھی آئیں اور اپنی تحریروں سے، دلچسپ نگارشات سے، اپنی تجاویز و آرا اور مثبت تنقید سے آنچل حجاب کو پھر سے سجائیں، سنواریں اور بہتر بنائیں۔ یہ تھیں چند باتیں میری، امید کرتی ہوں کم ایڈٹ ہوگا خط اور اگلی بار حجاب میں کچھ نیا پڑھنے کو ملے گا اور جو ہی تم تو جواب ہی نہیں دیتی ہو کسی کو بھی بس ماڈل پر ہی تبصرہ ہوتا ہے ہر خط کے جواب میں تمہارا۔ ضروری نہیں جواب طلب بات پر ہی جواب دیا جائے۔ امید ہے سمجھ گئی ہوگی، آرے تم بھی بہنوں سے خط میں گفتگو کیا کرو۔ اچھا تو اب اجازت اس بات کے ساتھ کہ جن، بھوت، چڑیل، جانوروں اور انسانوں سے ڈرنے سے اچھا ہے اللہ اور قبر سے ڈرا جائے کہ اس سے ڈرنے میں ہمارا ہی فائدہ ہے کہ اگر ہمارے دل میں یہ خوف ہوگا کہ مرنا ہے قبر میں جانا ہے تو انسان گناہ سے بچے گا اور ہر دن ہر وقت اللہ کی نافرمانی سے بچے انسان۔ اللہ کرے ہم سب کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی ہو، موت کے وقت سرکار کا دیدار ہو، زبان پر کلمہ ہو موت کے بعد جنت ٹھکانہ ہو۔ اللہ اور اس کا حبیب ہم سے راضی ہو آمین۔

☆ ڈیئر فرخندہ! آپ کی تجاویز زیر غور ہیں ان شاء اللہ جلد ہی عمل ہوتا نظر آئے گا۔

وقاص عمر..... بنگڑنو حافظ آباد۔ السلام علیکم تمام حجاب اسٹاف، اہل قلم اور تمام قارئین کے لیے امن اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں۔ اپریل 2021ء کا شمارہ کل ہی مارکیٹ میں دیکھا اور خرید لیا۔ ٹائٹل دیدہ زیب ہے اور اس میں شامل تحریریں اس کی دلکشی میں اور بھی اضافہ کر رہی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح تمام سلسلے افسانے، ناولٹ بے حد اچھے لگے۔ اس حجاب کے سب رنگ بہت خوب صورت ہیں۔ اتنے اچھے اسٹاف اور رائٹرز نے مل کر اس کو اور بھی روشن کر دیا ہے اتنا عمدہ اور فن سے بھرپور ایک مکمل ڈائجسٹ پڑھ کر مہینہ بہت اچھا گزرتا ہے اور اگلے شمارے کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔ تمام اسٹاف، رائٹرز اور قارئین کو رمضان المبارک کی بے حد مبارک باد۔ کوثر خالد آنٹی، نگہت غفار آنٹی، راشدہ، فرح حمید، تمنا ظفر میری بہنیں جس پیار اور میٹھے لہجے میں آپ بات کر کے مجھے مان دیتی ہیں اس سے اپنا آپ معتبر لگنے لگتا ہے۔ حجاب کے ہر شمارے میں ثمرہ گلزار آپ نے بہت لاجواب لکھا آپ کی نگارشات بہت سبق آموز ہوتی ہیں۔ ''محبت ماہ تمام'' صائمہ قریشی آپی کی ہر تحریر زبردست ہوتی ہے۔ ''اقرار کا سندیسہ'' ''مرگ تمنا'' ''دہری زندگی'' یہ تمام اسٹوریاں بے حد پسند آئیں۔ ''بزم سخن'' میں رباب کاظم، فاطمہ انایہ، مریم منور، رمشا آصف، ارم آصف کے اشعار پسند آئے مسز فرخندہ، غزل اداس بھٹی، سلمیٰ عنایت حیا، فہمیدہ جاوید حسب معمول جاندار تبصرے کے ساتھ آئیں۔ ''شوخی تحریر'' میں شہرین اسلم، فائزہ شاہ، صائمہ منظور، دیا صفدر، بینش انصر ہاشمی اور مہرین ملک کے الفاظ اچھے تھے۔ ''موج سخن'' میں سعدیہ ہما شیخ، سمیرا ستار رانجھانی، فریدہ جاوید فری، سباس گل آپ نے بہت خوب لکھا اللہ حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ فی امان اللہ۔

پروین افضل شاعین..... بہاولنگر۔ السلام علیکم۔ اس بار ہادیہ کے سرورق سے سجا حجاب میرے ہاتھوں میں ہے۔ ہادیہ کے سر پر حجاب بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔ رمضان المبارک نمبر مجھے آٹھ تاریخ کو ملا اور بارہ تاریخ کو تبصرہ پوسٹ کر رہی ہوں ''حمد و نعت'' پڑھ کر روح کو سرشار کیا۔ آپی ''بات چیت'' میں آپ درست فرما رہی

تھیں کہ زندگی کو بھرپور انداز سے وہی جیتے ہیں جن کے تعلقات رشتے داروں، دوستوں، پڑوسیوں کے ساتھ خوشگوار ہوتے ہیں۔ دو نامور خواتین ہم میں نہیں رہیں مگر ان کی تخلیقات ہمیں یاد رہیں گی۔ اللہ کنول نصیر اور حسینہ معین کو جنت میں جگہ دے، آمین۔ بینش صالحین نے عمران قاضی سے انٹرویو خوب لیا۔ خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے سیما رضا کا مضمون خوب تھا۔ اس بار ''بزم سخن'' ڈاکٹر جاذبہ عباسی، مدیحہ مہک نورین، ماہا بشیر حسین، ارم کمال، ثناء فرحان، فائزہ شاہ، ارم آصف، شازنہ پرویز شانو، سدرہ سحر، سمیرا سواتی کچن کارنر میں مریم صادق، عروج زہرہ، نورین انجم اعوان، شبنم کنول، روبینہ زکریا روبی۔ ''موج سخن'' میں سعدیہ ہما شیخ، راؤ تہذیب حسین تہذیب، مدیحہ نورین مہک، نعیم النصر ہاشمی، فریدہ جاوید فری، سباس گل، رضوانہ وقاص، مدیحہ کنول سرمد، طالہ اسلم۔ ''شوخی تحریر'' میں کوثر خالد سودا، شہرین اسلم، ظہیر ملک، رمشا آصف، گلشن چودھری گل، ثمرہ گلزار۔ ''حسن خیال'' میں غزل اداس بھٹی، عائشہ شکیل، مسز فرخندہ چھائے رہے، اللہ حافظ۔

اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی حفاظت فرمائے اور اس وبا کا خاتمہ جلد فرمائے آمین۔

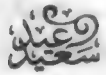

www.naeyufaq.com

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ایچ کی فائل ہو، ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیا ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین، امیج، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 81 سپر بیر کس، ہا کی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

حنا کے نقش

pklibrary.com

کہنی سُنتی، مدیر 10

کرن کرن روشنی، ادارہ 11

ہمارے نام، نادرہ خاتون 32

آپ سے کیا پردہ

ذکر کاہلی کا، انشائیہ 16

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 242

مجھ سے ملئے

باتیں جُنید اختر سے، شاہین رشید 20

انٹرویو

نازیہ رزاق سے مُلاقات، شاہین رشید 21

ناول

رنگ ریز میرے، عفت سحر 36

زندگی ہم تجھے گزاریں گے، راحت جبیں 208

مکمل ناول

وہ میرے کیسری پھول، فرزانہ کھرل 132

دَرِ نایاب، قرۃ العین خرم ہاشمی 88

ناولٹ

تقدیر بدلتی ہے، جبین چیمہ 68

افسانے

محبت ہم سفر، عندلیب زہرا 57

پتھر کا بُت، ماریہ یاسر 128

عشق ممنوع، ثناء پروین 229

وقت کا آئینہ، ملیحہ صدیقی 233

نظمیں غزلیں

غزل، انور مسعود 237

غزل، انس معین 236

نظم، جاں نثار اختر 237

غزل، بشیر بدر 236

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

pklibrary.com

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان — 256

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ حیا — 238
خبریں وبریں — واصفہ سہیل — 250

پکوان

موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی — 254
آپ کا باورچی خانہ — شمائلہ فاروق — 252

میرے بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی — 241

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور — 258

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ——— 960/- روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ——— 18,000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ——— 20,500 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

pklibrary.com

لگنے کی بہت ساری وجوہات ہوتی ہے۔ (1) تھائرائیڈ غدود کی خرابی، (2) ڈپریشن (3) پیٹ کے کیڑے (4) ایک وقت میں پیٹ بھر کر کھانا نہ کھانے کی عادت (5) ہر وقت تھوڑا تھوڑا کچھ کھاتے رہنا (6) تیزابیت (7) شوگر وغیرہ۔ کھانا ایک وقت میں مکمل پیٹ بھر کر کھلائیں۔ خصوصاً صبح کا ناشتا بھرپور ہو اور دوپہر کا کھانا اچھا ہو لیکن رات میں کھانا ہلکا پھلکا ہو۔ ورزش کرائیں، کھانے میں میٹھا اور چکنائی نہ ہو، تلی ہوئی اور بھنی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔ Calc-Carb-200 ہر ہفتہ ایک خوراک 5 قطرے آدھے کپ پانی میں، اس کے بعد دوسرے دن سے Thyroidinum30, Amonium Mur-30 اور Fucus vers30 کے 7، 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔

جسمانی کمزوری

تبسم بتول.....دبئی

ڈاکٹر صاحب میں اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں بیماریوں کا ڈھیر بن گئی ہوں۔ میری آنکھیں بھی پیلی ہوگئی ہیں۔ لیکوریا بھی زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے بہت کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ ٹانگوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ بھوک بہت لگتی ہے۔ سردی اور گرمی بھی بہت لگتی ہے۔ دل تیز تیز دھڑکتا ہے۔ سانس پھولتا ہے۔ کندھے کے پٹھے کمزور ہوگئے ہیں ذرا سا بھی وزن نہیں اٹھا سکتی۔ پیٹ باہر نکل آیا ہے۔ روز بروز موٹی ہوتی جارہی ہوں۔ معدہ بھی خراب رہتا ہے۔ سر ایک دم چکرا جاتا ہے۔ بہت چکر آتے ہیں، کمر میں درد رہتا ہے۔ سر کے بال جڑوں سے نکلتے ہیں اور اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ بلڈ پریشر لو رہتا ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میرے مسئلے مسائل حل ہو جائیں کیونکہ میں ہر وقت پریشان رہتی ہوں اپنی صحت کے بارے میں۔

جواب: آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc. Carb-200 ہر ہفتہ ایک دفعہ 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر لیں۔ Kali Phos-30, Gelsemium-30, Nat. Mur-30 اور Sepia30, Ferr. Phos-30 کے 7، 7 قطرے دن میں 3 مرتبہ آدھا گلاس پانی میں ڈال کر لیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

نسوانی حُسن

راملا.....فیصل آباد

میں پاکیزہ کی ایک سال سے قاری ہوں جس طرح آپ لوگوں کے مسئلے حل کر رہے ہیں اس کا اجر آپ کو اللہ دے گا۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں 5 سال سے لیکوریا کی بیماری میں مبتلا ہوں۔ جب تک علاج جاری رکھوں ٹھیک رہتی ہوں ورنہ پھر بیمار ہو جاتی ہوں۔ اس بیماری کی وجہ سے میں کمزور ہوگئی ہوں۔ میرا نسوانی حُسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ برائے مہربانی میرے مسئلوں کے لیے دوائیں تجویز کر دیں۔

جواب: آپ نے لیکوریا کی تفصیل نہیں لکھی کہ یہ آپ کو کب، کس مقدار میں، کس رنگ کا ہوتا ہے، کب سے ہوتا ہے؟ بریسٹ شادی یا بچے کی پیدائش کے بعد کم ہوئے، تفصیلاً لکھیں پھر آپ کو صحیح دوا تجویز کی جائے گی۔

☆☆☆

Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی